محرم نمبر
ماہنامہ
سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن
مُدیرہ
صادقہ قریشی
قیمت ۸/

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ ویں تاریخ تک شایع کیا جائیگا۔

۲۔ اگر ۲۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائیے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۸۰ صفحات پر ہرماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہو کر پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوا کریگا۔

۴۔ زرمعاوضہ عوام سے سالانہ ۴ للعہ ششماہی ۸ عہ اور فی پرچہ ۶ آنہ مقرر ہے نمونہ کے لئے ۶ آنہ کے ٹکٹ بھجوائیے۔

۵۔ خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیکر کارکنانِ دفتر کو مرہون منت فرمائیے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرمعاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "مینیجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائیے۔ ناقابل اشاعت مضامین خرچۂ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائینگے۔

۸۔ چونکہ سفینۂ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک وقوم کی حقیقی خدمت بجا لانے کیلئے جاری ہوا ہے، لہٰذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شایع کرنیسے احتراز رہیگا۔

۹۔ اخلاقی، علمی، ادبی، معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم ونثر سے ہرماہ سفینہ کو زینت دی جائیگی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو مستذکرۂ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں۔ سفینہ معقول زرمعاوضہ ادا کریگا۔

۱۱۔ ادارۂ سفینۂ کو بر موقع حذف وترمیم کا حق حاصل رہیگا۔

"مینیجر"

مزار شریف سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

شاہست حسین بادشاہست حسین
دین است حسین دیں پناہست حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

By Courtesy
The Nizam Gazette

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

Safina-i-Niswan (Moharrum Number.) May 1932.

مسجد کاظمین شریف

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette

کلام الملوک ملوک الکلام
قطعہ

دار السلطنت دکن کا واحد نسائی آرگن ماہ نامہ

سفینۂ نسواں کا

محرم نمبر

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد (۱) — نمبر (۳ و ۴)

فہرست مضامین

بابتہ ماہ مئی و جون ۱۹۳۲ء م محرم و صفر ۱۳۵۱ ہجری

فہرست تصاویر

اعتذار:۔ ہمیں افسوس ہے کہ بمبئی کے حالیہ فسادات کی وجہ سے اکثر بلاکس، شدید انتظار کے بعد بھی وصول نہ ہوئے۔

"ادارہ"

"سفینہ" بفضلِ خدا کامیابی کے اعلیٰ منازل طے کر رہا ہے، اُس کی ترقی کو میں ایک معجزہ سمجھتی ہُوں جس فراخ دلی سے معزز بہنیں اس نونہال کی سرپرستی فرما رہی ہیں وہ میرے شکریہ سے بالاتر ہے کسے امید تھی کہ اس کی اسقدر مانگ بڑھ جائیگی۔ یقیناً میں تو اسکو اعجاز ہی سمجھونگی کیونکہ آجکل ہم پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، خود فراموشی اور غفلت کا پورا پورا تسلط قائم ہے، اس حقیقت کی سوجھ ہوگی میں کسی اخبار یا رسالہ کی سرپرستی ہونا اور وہ بھی اس کشادہ پیشانی سے کیا یہ کچھ کم حیرت انگیز بات نہیں ہے؟ میں اپنی تمام بہنوں کی شکرگذار ہوں، جو مجھے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کا موقع دے رہی ہیں یا اگر ملکی بہنوں کی امداد کی یہی رفتار رہی تو انشاءاللہ میں بہت جلد "سفینہ" کو پندرہ روزہ کردونگی۔ امید کہ "سفینہ" کی ہمدرد بہنیں اس خصوص میں اپنے خیالات سے مجھے مستفید فرمائیں گی،

اِعانت

ہزاکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت

نے

اپنی عدیم المثیل سرپرستی علوم وفنون کے پیشِ نظر حقیر "سفینہ" کے ہدیہ کو قبول فرماتے ہوئے ازراہِ اعانت اسکو ایک گرانقدر عطیہ سے سرفراز فرما کر سالانہ امداد کا وعدہ فرمایا ہے، ہزاکسلنسی کی یہ سرپرستی یقیناً "سفینہ" کو دریا کے پار لگائیگی۔ توقع ہے کہ آئندہ بھی یہ نونہال اپنے مربی محترم کی نظرِ عنایت سے کبھی محروم نہ رہیگا۔ ادارہ

"سفینہ" کا "محرم نمبر" پیش کرتے ہوئے میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتی ہوں کہ یہ بلحاظ مضامین اپنی نوعیت کا ایک "خاص نمبر" ہے۔ ان تمام مضامین کا جو یقیناً خونِ جگر سے لکھے گئے ہیں، گہرا مطالعہ کیجیئے، اور سوچیئے کر

باقی بر صفحہ (۷۷) ملاحظہ ہو۔

OUR SUPREME MONARCH

حضور اقدس و اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ

"ماہ نامہ سفینۂ نسواں" "محرم نمبر" By Courtesy
حیدرآباد دکن The Subhe-Deccan
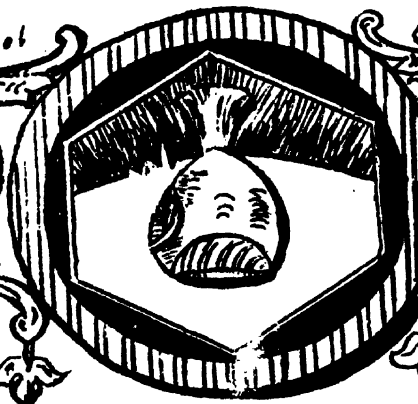
سلام

بتقریبِ ایامِ عزا

کلام فصاحت التیام علیحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہوے کیونکر لعینوں سے تنِ شبیرؑ کے ٹکڑے
کہ وہ تھے احمدِ مختار کی تصویر کے ٹکڑے

جسدِ سبطین نے پایا تھا نصفا نصف حضرت کا
حقیقت میں وہ تھے اُس ماہِ پُرتنویر کے ٹکڑے

جہنم میں نہ جائیگا کبھی یہ میرا دعویٰ ہے
پڑھے اکبار بھی جو آیتِ تطہیر کے ٹکڑے

اٹھاتے تھے اسیری کی جو کڑیاں حضرتِ عابدؑ
تو ان کی بیکسی پر روتے تھے زنجیر کے ٹکڑے

لبِ اخلاص سے دوں بوسہ رکھوں سر پر آنکھوں پر
مجھے ملجائے گر شاہا تری تحریر کے ٹکڑے

چڑھا تھا جس گھڑی شمرِ ستمگر شہ کے سینہ پر
تو کر ڈالے کسی نے کیوں نہ اُس خنزیر کے ٹکڑے

محمدؐ کی نگاہِ لطف کا صدقہ ہے اے عثماں
جو ملتے جاتے ہیں تجھ کو تری تقدیر کے ٹکڑے

سلام

از ہز ایکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

جو فدائی شہ کے ہیں شہ پر فدا ہو جائیں گے
خاکِ پا ہو کر رہیں گے توتیا ہو جائیں گے

یہ بہن کہتی تھی رو کر حضرتِ شبیرؑ سے
آپ کے مرنیسے ہم سب بے ردا ہو جائیں گے

دیکھ لینا کسطرح بھاگے گی یہ اعدا کی فوج
جبکہ غازی عازمِ دشت وغا ہو جائیں گے

چاند پر گر خاک ڈالیں اُس کا کیا نقصان ہے
رُو سیہ بدبخت شامی ناسزا ہو جائیں گے

ہے اگر بیڑا شکستہ خوف کیا طوفان سے
حضرت شبیر اُس کے ناخدا ہو جائیں گے

ہیں ابھی بچے مگر دشت وغا میں دیکھنا
حضرتِ عونؑ و محمدؑ کیا سے کیا ہو جائیں گے

لیتے تھے بوسے گلے کے مصطفےٰ شبیر کے
جانتے تھے یہ شہیدِ کربلا ہو جائیں گے

انقلابِ دہر دیکھو یہ گماں ہرگز نہ تھا
اہلِ بیتِ مصطفےٰ یوں بے ردا ہو جائیں گے

حاجتیں فضلِ خدا سے سب تری بر آئیں گی
شاد اب حاجت روا مشکل کشا ہو جائیں گے

ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت

"محرم نمبر"
ماہ نامہ "سفینۂ نسواں"
حیدراباد دکن

By courtesy:
"Indian States" &
Zamindaries
Hyderabad.
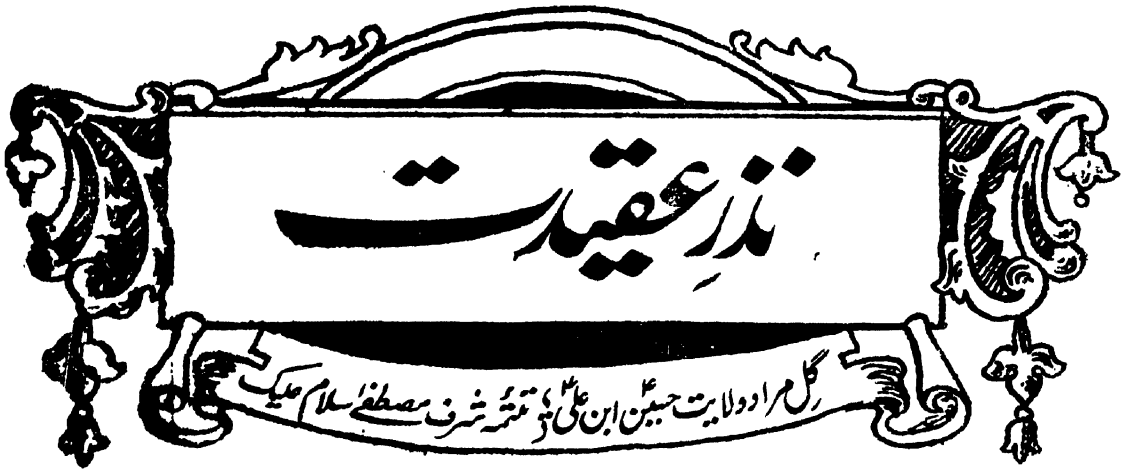
سلام ہو شرفِ محمدی کے اس تتمہ پر جس کی پیشانی اقدس سے شہادتِ کبریٰ کے نور نے ضیا پاشی ہو کر شانِ رسالت کی تکمیل کی۔

سلام ہو اس پر جو دوشِ رسول کا راکب تھا۔ جس کی گہوارہ جنبانی پیکِ رب العالمین ملنے کی جس کی ماں کو سیدۂ عالم و عالمیان کا خطاب ملا۔ جس کے باپ کی شان میں تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی کائنات کا ایک ایک ذرہ عالمِ وجد میں جھوم جھوم کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ؎

"لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

سلام ہو شاہِ خیبر شکن کے اس فرزند کو جس کے قدموں پر جبرئیلِ امین کے پر کاٹنے والی ذوالفقار قربان ہوتی تھی۔ سلام ہو اس جانشینِ رسول پر جس کی جبینِ نورانی کو محمد رسول اللہ صلعم کا عمامہ سجنر چومتا تھا۔ سلام ہو اس پیکرِ جلال پر جس کے بچپن کے معصومانہ جلال کو دیکھ کر فاتحِ روم و ایران بھی مبہوت ہو جاتا تھا[1] سلام ہو اس شمشیر زن مجاہد پر جس نے تین دن کی بھوک و پیاس میں بھی اپنے مٹھی بھر

---

[1] اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ ایک دن حضرت عمر ابن الخطاب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے اتفاق سے حضرت امام حسین علیہ السلام کہیں کھیلتے ہوئے اس طرف نکل آئے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم میرے باپ کے منبر سے اترو اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ، حضرت عمرؓ نے خطبہ بند کر کے حضرت امام حسین کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور فرمایا۔ اے فرزند رسول یہ منبر تو بیشک تمہارے باپ کا ہے لیکن میں کہاں جاؤں میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں۔ یہ کہکر آپ نے راکبِ دوشِ رسول کو اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا چاہا آپ کنکر یونہی کھیلنے چلے گئے۔

جاں نثاروں سے کفر و طاغوت کی فوجوں کے چھکے چھڑا دئے۔

سلام ہو اس پر جو نبیوں کے شہنشاہ سے ہے اور نبیوں کا شہنشاہ جس سے ہے[1] سلام ہو اس پر جس کے محبوں کو بارگاہ رسالت سے خداوند کریم کی خوشنودی کا پروانہ عطا ہوا[2]۔ سلام ہو اس پر جو دنیا میں ریحان رسول تھا[3]۔ سلام ہو اس پر جس نے اپنے خون سے نسل اسلامی کو سینچ کر شاداب کیا۔

سلام ہو اس پر جس نے قصر ایمانی کو استوار و مستحکم بنانے کے لئے اس کی بنیادوں میں اپنے چھ مہینے کے شیر خوار لخت جگر کا خون قربان کیا۔ سلام ہو اس پر جس کی توصیف کا نغمہ ساقی چشت کے روحانی ساز پر اب تک فضائے لاہوتی میں گونج رہا ہے ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ ۔ ٭ دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید ٭ حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؑ

سلام ہو اس پر جس کے رونے سے اس مدنی محبوب کا دل ہل جاتا تھا۔ جس کی دلنوازی خدا کو بھی منظور تھی[4] لیکن کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر اس کا لہو پانی کی طرح بہایا گیا!

سلام ہو اس پر جس کے لعاب دہن کو رسول اللہ کھجور کے دانہ کی طرح چوستے تھے[5]۔ لیکن رسول کا کلمہ پڑھنے والوں نے شدید گرمی کے موسم میں اس پر پانی بند کیا۔ اور جب وہ اسی زبان کو اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرتا تھا تو اشقیاء اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

سلام ہو اس پر جس کا نانا صاحب کوثر ہے۔ لیکن جس کو شدت تشنگی سے اپنے دم توڑنے والے شیر خوار بچے کا ہونٹھ تر کرنے کے لئے بھی دریائے فرات سے ایک قطرۂ آب نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

---

[1] ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حسین منی وانا من حسین [2] حدیث شریف "اللہم احب من احب حسینا" یعنی اے خدا جو حسین سے محبت کرے تو اس سے محبت کر (روایت حاکم وجابر بن عبداللہ) [3] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہما ریحانی من الدنیا (بخاری شریف۔ روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ)

[4] ابن ابی حضر یزید ابن ابی زیاد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام رو رہے تھے۔ حضور رسالت مآب نے حضرت سیدہ سے خطاب فرمایا کہ تم اس بات کو نہیں جانتیں کہ حسین کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے"

[5] ۔ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سلام ہو اس پر جس کے نانا کے سایۂ دامن میں دنیا کو قیامت کے دن سوا نیزے پر آجانے والے آفتاب کی حدت سے پناہ ملے گی۔ لیکن اس کا جسد بے سر میدان کربلا کے جھلسے ہوئے سنگریزوں پر کئی دن تک بے گور وکفن پڑا رہا۔ ؎

ان کو مجرا کربلا میں جو ستم دیکھا کئے
تیغ اعدا کو علم با صد الم دیکھا کئے

سلام ہو رسول اللہ کی کالی کملی اوڑھ کر بیٹھنے والے اس امام مطہر پر جس کے خاندان پر آیۂ تطہیر[1] نازل ہوئی۔ لیکن جس کے مقدس خاندان کی دامان قدسیت میں پروردہ خواتین کو شام کے بازاروں میں ننگے سر پھرایا گیا۔

سلام ہو اس پر جو نوجوانان بہشت کا سردار ہے۔ لیکن جس کے نوجوان بیٹے کا کلیجہ نیزۂ کفر کی نوکوں سے چھیدا گیا۔ اور سلام ہو اس صبر مجسم پر جس کے دامن سے لپٹ کر کسی اٹھارہ برس کے شہید نوجوان کی بدنصیب ماں کہتی تھی ؎

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہاں گیا؟ اماں کی زندگی کا سہارا کہاں گیا؟
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہاں گیا؟ سیدانیوں کی آنکھ کا تارا کہاں گیا؟

مرتی ہوں اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لوں!

سلام ہو اس مومن کامل پر جس کے شیر دل بھائی کے دونوں ہاتھ لب فرات پر کٹ کر گرتے ہوئے قصر اسلامی کے ستون بن گئے۔ سلام ہو عظمت اسلامی کے اس رکھوالے پر جس کے بھانجوں اور

---

[1] صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک دن حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ایک سیاہ بوٹے دار کمل اوڑھے بیٹھے تھے اتنے میں امام حسنؓ تشریف لائے آپ نے ان کو اپنی گلیم مبارک میں چھپا لیا تھوڑی دیر بعد حضرت امام حسینؓ تشریف لائے آپ نے انھیں بھی وہی کمل اڑھا لیا۔ پھر حضرت سیدہ علیہا السلام تشریف لائیں۔ حضور سرور کائنات نے انھیں بھی اپنی کمل میں لے لیا۔ آخر میں جناب امیر علیہ السلام نے قدم رنجہ فرمایا اور انھیں بھی اسی کمل میں جگہ دی اور اسی عالم میں یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

بھتیجوں نے صبر و رضا کی دیواروں پر خون سے گلکاریاں کیں! سلام ہو اس شاہ اقلیم ہدایت پر جس کے پھول سے رخساروں پر شمر کے طمانچے کھانے والی معصوم بیٹی کی آہ شرربار نے نورانی قندیل بن کر تسلیم و ایقان کے شبستانوں میں اجالا کر دیا!!

سلام ہو عاصیوں کے سچے غمگسار پر جس کے لاشہ نے دشت عریاں میں ہو کر ع۔
امّتِ احمدِ مرسل کے گنہ ڈھانپ لئے۔

سلام ہو ارشاد و معرفت کے اس مرشد کامل پر جس نے اپنے سر بریدہ جسم کو مشعل بنا کر گم کردہ راہوں کو صبر و حق کی تعلیم دی۔! سلام ہو اس مفسّر قرآن پر جس نے ولنبلونکم بشیٔ من الخوف و الجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ۂ کی عملی تفسیر بیان کر کے بشارت عظمیٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ سلام ہو اس واقف راز الہ پر جس نے مومنین "بلاۓ حسن" کے معنی منکشف کئے

گھر علم خدا کا ہے سفینہ میں تمہارے
تفسیر میں کب ہے جو ہے سینہ میں تمہارے

سلام ہو اس سید مظلوم پر جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے چھ مہینے کے لال کو پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑتے دیکھا! سلام ہو دشت نینوا کے اس بیکس مسافر پر جو اپنے تین دن کے پیاسے شیر خوار کو کلیجہ سے لگا کر قسی القلب دشمنوں سے کہتا تھا۔ "اگر تمہارا مجرم ہوں تو میں ہوں اس معصوم بچے کی تو کوئی خطا نہیں۔ مجھے پانی تم شوق سے نہ دو۔ لیکن دیکھو دیکھو یہ چھ مہینے کا بچہ تین دن سے پیاسا ہے۔ ہونٹھ سوکھ گئے زبان تالوسے لگ گئی۔ منکا ڈھل گیا۔ اور دیکھو تو آنکھیں بھی پتھرا گئیں۔ پیاس کی شدت سے یہ بیگناہ دم توڑ رہا ہے۔ خدا جزائے خیر دیگا۔ اس مرنے والے کے منھ میں پانی کا ایک قطرہ ٹپکا دو۔"

سلام ہو اس غریب پردیسی سائل پر جس کے اس دل ہلا دینے والے سوال کا جواب مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے ایک بلند قہقہہ تھا۔ نہیں نہیں صرف قہقہہ نہیں ایک تیر آیا اور دم توڑنے والے ننھے بچے کے خشک گلے کو چھید کر غم نصیب باپ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ قضا نے معصوم کو ایک

ۂ آیہ قرآنی "ہم مومنین کی آزمائش کرتے ہیں بلاۓ حسن سے"

ہچکی کی بھی مہلت نہ دی۔ منہ سے دو قطرے خون کے ٹپکے۔ گردن سے خون بہا۔ بچے نے مٹھیاں بند کر کے گردن گھمائی اور باپ کی آغوش میں دم توڑ دیا۔

سلام ہو اس پر جو اپنے شیرخوار کی لاش آغوش میں لئے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہا تھا "اے خداوند کریم میرے نانا کی امت کی بخشش کے لئے یہ حقیر قربانی قبول ہو" اور دوسری جانب ملعون حرملہ کی ملعون آواز فضا میں گونج رہی تھی کہ "اے حسین عرب! میں شام کا تیر انداز ہوں دیکھا میرا نشانہ؟ نہ کہو گے کیا تیر مارا ہے"!

سلام ہو اس غم نصیب باپ پر جو ننھے شیرخوار کو اس کی ماں کی گود سے پانی پلانے کے واسطے باہر لایا تھا اور اب بچے کی لاش لئے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں کو کیا جواب دونگا!

سلام ہو اس مقدس قبر بنانے والے پر جس نے اپنی تلوار سے ننھی سی قبر کھود دی اور اس معصوم بچے کی لاش کو دفن کر دیا جس نے پیاس کی شدت سے تین دن تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ننھا سا منہ کھول کر پانی کے لئے ایک ایک کی گود میں ٹک ٹک ہمک کر غم نصیب والدین کو خون کے آنسو رلائے تھے!

سلام ہو اس پر جسے اپنے شیرخوار لخت جگر کی ننھی سی تربت پر چھڑکنے کے لئے بھی پانی نہ ملسکتا تھا

پانی نہ تھا جو شاہ چھڑکتے مزار پر
آنسو ٹپک پڑے لحد شیرخوار پر

سلام ہو صبر و رضا کے اس مجسمہ پر جس نے اپنی آنکھوں سے بستانِ رسالت کے ایک ایک نخل کو کٹتے دیکھا اور پھر حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ سلام ہو اس کوہ وقار فرزند رسولؐ پر جس کے اعزا و اقارب ایک ایک کر کے منصب شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ جو اپنے ناتوان ہاتھوں سے اپنے جانثارو اور عزیزوں کی لاشیں میدانِ جنگ سے اٹھا اٹھا کر لایا تھا۔ جس کی نمناک نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اب سوائے ایک نوعمر بیمار کے کوئی مرد تیغ ستم پر قربان ہونے سے نہیں بچا۔ جانتا تھا کہ میرے بعد بدنصیب سیدانیوں کا وارث کوئی باقی نہ رہے گا۔ میرے بعد عترتِ رسولؐ کی خیمہ گاہیں پھونکی جائینگی اس سیدہ پردہ نشین کی بیٹیاں جسکا جنازہ بھی رات کے سیاہ پردے میں اٹھا تھا۔ بے مقنع و ردا باہر نکالی جائیں گی۔ میرے بعد شمر لعین طمانچے مار مار کر دانِ سکینہ کے کانوں سے گوہر بھی چھین لیگا بیمار عابدؑ کی ناتوان گردن میں وزنی آہنی طوق پہنایا جائے گا۔ میرے بعد وہ ناتوان بیمار جس کو فرط

ضعف سے بستر پر کروٹ بدلنا بھی دشوار ہے۔ اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ پیروں میں آہنی بیڑیاں پہن کر اونٹوں کی مہار کھینچتا ہوا کربلا سے دمشق تک پیدل مسافت طے کرے۔ لیکن پھر بھی اس کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی!

سلام ہو صانع ازل کے اس شاہکار صبر و شکر پر جس کے دامن سے لپٹ لپٹ کر اس کی غم نصیب بیوی پوچھتی تھی ؎

بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار — بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرمائے جائیے — صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلائے جائیے

اور وہ اپنے مجروح ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کر کے کہتا تھا ؎

بے وارثوں کا والی و وارث الٰہ ہے — دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیئے

سلام ہو اس کریم ابن کریم پر جس کے در سے کبھی کوئی سائل محروم نہ گیا۔

سلام ہو "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا" کی تفسیر بیان کرنے والے خیر مجسم پر جو ایک گلدستہ پیش کرنے پر کنیز آزاد کر دیتا تھا [1]۔ آج ایک بنو اسائل عقیدت و احترام کا گلدستہ لیکر بارگاہ عالی میں حاضر ہے۔ اس کی بھی حقیر نذر قبول ہو اور اس کو بھی آتش دوزخ سے آزادی کا پروانہ عطا ہو جائے اس کو بھی نفس امارہ کی غلامی سے آزادی ملجائے۔

کربلا کی جھلسی ہوئی زمین کو خاک شفا بنا دینے والے امام! یہ ناچیز غلام بھی اس غریب الوطن سائل کا ہمنوا بنکر جس کے دامن کو آپ نے دامن دولت بنا دیا تھا۔ عرض کرتا ہے ؎

ماذا اقول اذا رجعت وقیل لی — ماذا اصبت من الجواد المفضل
ان قلت اعطانی کذبت وان اقل — بخل الجواد بمالہ لم یحسن

اے اس پیکر کرم کے لال! جس نے اپنے قاتل سے کے لئے بھی شربت بھیجا تھا اس وابستہ دامن غلام ابن غلام کا سلام قبول ہو اور اس کے حال پر بھی نگاہ کرم ہو جائے یہ رو سیاہ جیسا بھی پرستار اہلبیت ہے تمہارا ہے اور تمہارا کہلاتا ہے۔ اختر قریشی (منقول)

---

[1] حضرت امام حسین کی خدمت میں آپ کی ایک کنیز نے پھولوں کا ایک نازک دستہ پیش کیا آپ گلدستہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کنیز کو آزاد فرما دیا حضرت انسؓ نے عرض کیا کہ یا فرزند رسول ایک حقیر گلدستہ کے عوض ایسی بیش قیمت کنیز کو آزاد کرنا مناسب نہیں آپ نے جواب دیا کیا انس کیا تم نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا جب کوئی شخص تم کو دیئے جب تمھیں کوئی تحفہ بھیجے تو تم بھی ویسا ہی یا اس سے بہتر بھیجو۔ پس اس کے تحفہ کے عوض تحفہ بزرگ وتحفہ احسن یہی تھا
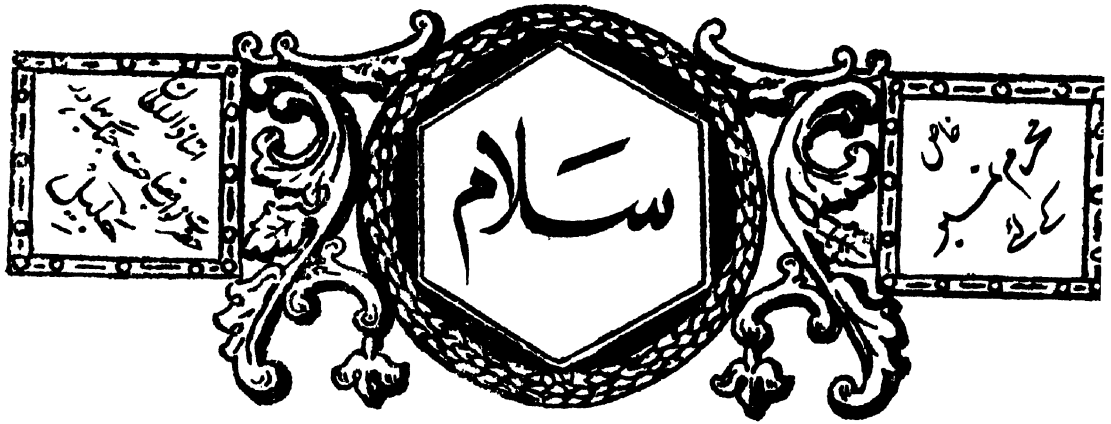
ٹپک کر اشک دیتے ہیں خبر ماہِ محرم کی
دھڑکتے دل سے آتی ہے صدا کانوں میں ماتم کی

غمِ شاہِ شہید اس کی جو دل میں آمد آمد ہے
فغان و آہ میں تیاریاں ہیں خیر مقدم کی

وہ چبھنا خار کا پھر یاد آیا پائے عابدؑ میں
رگِ جاں میں خلش ہونے لگی پھر نشترِ غم کی

نہ کیوں اشکوں میں آئیں پارہ ہائے دل دمِ گریہ
انہیں پھولوں سے زینت ہے ہماری بزمِ ماتم کی

چمن میں جوشِ غم سے نوحہ خواں شاید ہوئی بلبل
ڈھلکتی ہیں رخِ گل پر جو بوندیں اشکِ شبنم کی

ہوا صلِ علیٰ ذکرِ علی اکبرؑ جو محفل میں
نظر میں کھنچ گئی تصویر سردارِ دو عالم کی

زہے قسمت کہ میں تیغِ غمِ سرور کا بسمل ہوں
یہاں جو زخم ہے وہ خاصیت رکھتا ہے مرہم کی

یہ سنتے ہیں کہ وہ آہِ دلِ بیتاب زینب تھی
ہلا دیتی تھی جو زنجیر بڑھ کر عرشِ اعظم کی

ترحم آ گیا تلوار رکھ لی میان میں شہؑ نے
گنہگارانِ امت پر نظر میداں میں جب دم کی

چلے جب جنگ کو اکبرؑ تو ان کے دست و بازو پر
دعائے حیدری پڑھ کر امامِ پاک نے دم کی

جلیل اس کو کروں گا نذر میں شاہِ شہید اس کے
بھری ہے لعل و گوہر سے جو کشتی چشمِ پرنم کی
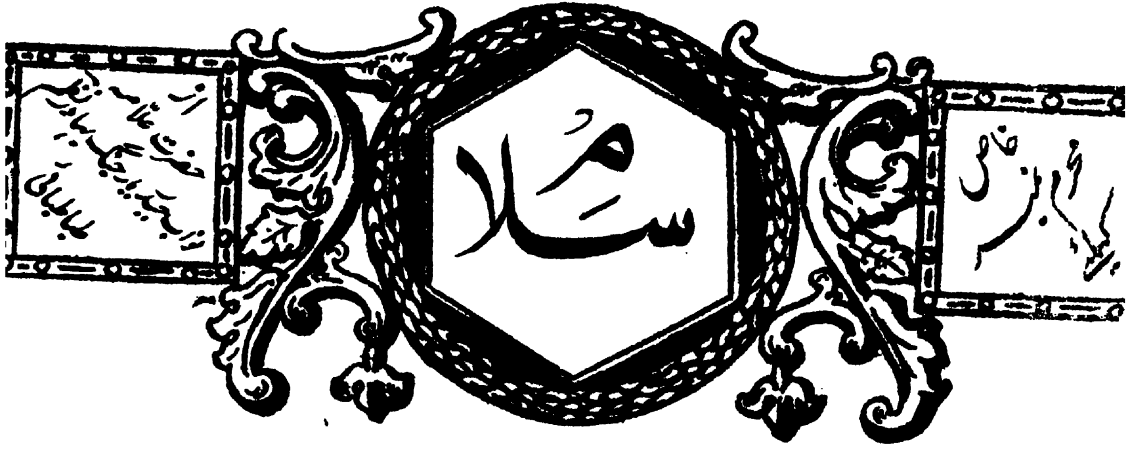
روونے سے جگر آب ہے اور دیدۂ تر آب
دل ڈوبے نہ کیونکر۔ ہے اِدہر آب اُدھر آب

جوش آگیا دریا میں جو عباسؑ کو دیکھا
تھا شور کہ لو کھنچ کے چلا سوئے قمر آب

ہوتی ہے غم شاہؑ میں یوں اشک کی رونق
جس طرح جِلا دینے سے پاتا ہے گہر آب

تشنہ تیغ لگائے ہیں عدو کھینچے ہیں خنجر
یہ تا بہ گلو خون ہے وہ تا بہ کمر آب

رحمت کا تری جوش ہے دوزخ سے زیادہ
تا حدِّ ادب نار ہے "تا حدِّ نظر آب

چلاتی تھی ڈیوڑھی سے سکینہ کہ چچا جانؑ
پھر آؤ نہیں مانگتی یہ تشنہ جگر آب

خاص برائے محرم نمبر ماہنامہ سفینۂ نسواں

واقعہ کربلا کے اجمالی جزئیات

از مولانا منظور حسین صاحب ماہر القادری

انسانی ضمیر پر جب شقاوت و تنگ نظری۔ عدوان و معصیت کی لعنتیں متولی ہو جاتی ہیں تو حق و ناحق۔ اچھے اور برے کا امتیاز قطعاً مفقود ہو جاتا ہے۔ اور اس غیر مسعود جذبہ میں جب ملک گیری جاہ و تمول کی ہوسناکیاں بھی مشترک ہو جاتی ہیں تو انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ وہ سبعیت مجسم اور بہیمیت سراپا بن جاتا ہے۔ یزید نے ایسی ہی ناپاک زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کیا جسکا ہر پہلو تاریک اور قابل نفریں ہے۔ وہ فطرتاً خبیث اور زنی الطبع تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حیات میں اُس کی خباثتوں پر پردہ پڑا رہا۔ لیکن حضرت موصوف کی وفات کے بعد یزید کے لئے کوئی روک ٹوک کرنیوالا نہیں تھا۔ اور اب وقت آیا کہ فطرت اپنے لوث معصیت سے فضائے دنیا کو مکدر بنا دے۔ ملک گیری اور خلیفہ بننے کی ہوس نے ان نقوش کو اور اُبھار دیا۔ اور اس نے جب اپنے ماحول پر غور کیا۔ حکومت کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا تو اس کو محسوس ہوا کہ خاندانِ رسالت پناہ (روحی فداک) تمام مسلمانوں کے اعتقادات کا مرکز اتصال بنا ہوا ہے اور اس مبارک خانوادہ کے اراکین کی عام مسلمانوں کے دلوں پر حکومت ہے۔ اور ارض اسلام کا ذرہ ذرہ اسی آستانہ کی طرف سر جھکائے ہوئے ہے۔ لھذا اُس کور باطن نے خیال کیا کہ اہلبیت نبوی کا اقتدار اُس کے اقتدار و اثرات کی منزل میں ایک سنگ گراں ہے۔ لھذا پہلے اسی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ پھر اطمینان کے ساتھ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاسکے اور مسلمانوں کے لئے سوائے میری ذات کے کوئی ہستی قابل تعظیم اور لایق عزت نہ رہے۔

اسی جذبہ کی تکمیل میں اُس نے پہلا عملی قدم بڑھایا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیکر شہید کرا دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اصل وجہ کو اگرچہ یزید ملعون نے بہت کچھ اپنی سیاسی مصلحتوں سے مخفی رکھنے کی کوشش کی اور وہ ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا۔ لیکن ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود یہ راز بغیر افشا ہوے نہ رہ سکا۔ اس وجہ سے طبیعتیں یزید کی طرف سے مکدر ہو گئی تھیں۔ اور اعتقاداً اور فطرتاً عام مسلمانوں کو شہید مظلوم کے جانشین اور بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے خاص ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر یزید کی آتش غضب جو ابھی تک سلگ رہی تھی بھڑک اٹھی۔ اور اس نے فریب دیکر تزویر و کید کے دام لگانے شروع کئے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کے باشندوں کی طرف سے متعدد طلبی کے خطوط بھجوائے گئے۔

جناب امام نے حضرت مسلم کو نقیب بنا کر کوفہ بھیجدیا۔ اور خود بعد میں تشریف لیجانیکا وعدہ فرمایا۔ لیکن اہل کوفہ کی بدعہدی نے حضرت مسلم اور ان کے معصوم بچوں پر کوفہ کی وسیع و فراخ زمین کو تنگ بنا دیا۔ اور یزیدی جلادوں نے ان بیگناہوں کو شہید کر دیا۔ حضرت امام ان حالات سے بے خبر تھے حضرت مسلم کے ابتدائی خط کی وجہ سے جس میں اہل کوفہ کی گرویدگی اور رجحان کا حال درج تھا بہت مطمئن تھے۔ اور ایفائے عہد کی خاطر مدینہ سے روانگی کا عزم فرما لیا۔ روضۂ رسولؐ جا کر آنسوؤں کے آخری قطرے بہائے۔ قبر اطہر سے لپٹ لپٹ کر روئے۔ اور اُس مقدس زمین کو خیرباد کہا۔ جس نے حضرت امام کے بچپن کی بہاریں دیکھی تھیں۔ حضرت حسینؑ وہاں سے رخصت ہو رہے تھے اور مدینہ کا ذرہ ذرہ بزبان حال کہہ رہا تھا ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو۔ تو کجا بہر تماشہ میروی

یزید کو خبر مل چکی تھی کہ کوفہ کے لئے جناب حسینؑ روانہ ہو چکے ہیں۔ لھذا اُس نے اپنی فوج کے قائد اعظم اور دیگر جرنیلوں کو حکم دیا کہ راستہ ہی میں جناب امام کو روک لیا جائے۔ اور اُن کے سامنے دو چیزیں پیش کی جائیں۔ بیعت۔ یا جنگ۔ عرب کی گرمی خدا کی پناہ۔ جھلسا دینے والی ہوا چل رہی تھی۔ زمین کرۂ نار بنی ہوئی تھی۔ ایسے جانگداز موسم میں شہنشاہ کونین کا پیارا نواسہ مع اہل بیت اطہار ان سنگلاخ زمینوں کا سفر کر رہا تھا۔ گلستان نبوت کے نونہال گرمی کی شدت سے بیتاب تھے۔ پھول سے رخسارے زرد پڑ گئے تھے۔ ان تمام تکالیف کے باوجود اس خیال سے

اطمینان تھا کہ کوفہ جا کر سب تکان دور ہو جائے گی۔ لیکن میدان کربلا میں جب یہ مبارک
قافلہ پہنچا تو عساکر یزید نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور حضرت قافلہ سالار جناب امام حسینؑ کے
سامنے دو چیزیں پیش کی گئیں۔ بیعت یا جنگ شدید ابتلا کی ساعت تھی۔ بڑے امتحان کا وقت
تھا۔ جان کی بازی تھی۔ زندگی کا سودا تھا۔ زیست کا معاملہ تھا۔ یزید کا خیال تھا کہ جان کے
ڈر سے بیعت پر جناب امامؑ راضی ہو جائیں گے۔ لیکن یزید ضمیر کی لطافت اور احساسات کی
پاکیزگی کھو چکا تھا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ ایک سچے مسلمان کا سر کبھی باطل کے آگے نہیں جھکتا خواہ اُسکو
اس سلسلہ میں کسی قدر قربانی کرنا پڑے۔ حضرت حسین نے بیعت سے انکار کر دیا۔ یزید پر خدا کی مار
وہ اُس مقدس ہستی کو بیعت پر مجبور کر رہا تھا جس کی خاک گذر کے ذروں کو قدسی آنکھوں کا سُرمہ
بنانا باعث صد فخر خیال کرتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو فوجوں کی کثرت سے مرعوب بنانے کی
کوشش کی گئی۔ لیکن مرعوب تو وہ ہوتا جو زندگی کو زیادہ عزیز جانتا ہو۔ جو شخص خدا کی راہ
میں موت کو اصل بقا اور عین حیات سمجھتا ہو اُس کے مقابلہ میں اگر آسمان کی تمام بجلیاں۔ پہاڑوں کی
چٹانیں اور دریا کی ہولناک موجیں بھی آجائیں تو اس کا پائے استقامت ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل
نہیں ہو سکتا۔ فرات کے قریب خاندان اہلبیت کے خیمے نصب کئے گئے تھے۔ اشقیا کی فوج نے
مجبور کیا کہ دریا سے ہٹ کر خیمے لگائے جائیں۔ صبر و رضا کا امتحان تھا۔ ذاتی تکلیف و راحت کا
سوال نہ تھا۔ خیمے فرات کے کنارے سے ہٹا لئے گئے اور دریا پر فوجوں نے قبضہ کر لیا مقصد
یہ تھا کہ خاندان اہلبیت کو پہلے تشنگی کی مصیبت میں مبتلا کیا جائے فرات کا دریا موجیں مار رہا
تھا۔ گھوڑے اور خچر سیراب ہو رہے تھے۔ لیکن ساقی کوثر کے محبوب نواسہ کے لئے فرات کا امواج دریا
خشک کر دیا گیا۔ بچے پیاس سے بیتاب تھے۔ زبانیں شدت تشنگی سے اینٹھ گئی تھیں۔ حضرت
عباس رضی اللہ عنہ نے دریا پر جا کر مشک بھر کر لانا چاہا۔ لیکن راستہ ہی میں اُن کو خاک و خون
میں تڑپا دیا گیا۔ حضرت علی اصغر کو جناب امام نے فوج اشقیا کے سامنے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر
رکھ کر پیش کیا اور پیاس کا اظہار کیا۔ لیکن جواب میں اُدھر سے ایک تیر آیا جو معصوم کی گردن
میں چھد گیا۔ اور پیاسی زبان نکال کر باپ کے ہاتھوں پر بیٹے نے دم توڑ دیا۔ شبیہہ رسول حضرت علی اکبر
کے نازک جسم کو تیروں سے چھلنی کیا۔ غمزدہ باپ، بیٹے کو گھوڑے پر نہ پا کر میدان کارزار میں

دیکھا کہ جوان بیٹا خاک و خون میں تڑپ رہا ہے آخر اسی حالت میں بیٹے نے باپ کے سامنے دو تین ہچکیاں لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پتلیاں پتھرا گئیں۔ غرض چن چن کر ظالموں نے باغ رسالت کے پھولوں کو پریشان کیا۔ اب صرف تنہا جناب حسینؑ رہ گئے جو حرم سرا میں آ کر غمزدہ بہن سے اجازت لیتے ہیں۔ حضرت شہر بانو کو تسکین دیتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین کی پیشانی مبارک کو آخری بار چومتے ہیں اور میدان جنگ تشریف لے جاتے ہیں۔ یہاں تو اشقیا تلے ہوئے بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی ہزاروں تیر برسانے شروع کر دئے۔ جناب امام کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مردود شمر جو پہلے سے انعام کے لالچ میں موقع کا منتظر تھا جلدی سے حضرت امام کے قریب پہنچا۔ جناب حسینؑ نے سجدۂ شکر بجا لانے کی اجازت چاہی۔ ابھی حضرت حسین سجدہ ہی میں تھے کہ بے رحم شمر نے خنجر کے بے صبری سے چند رگڑوں میں سر مبارک کو جدا کر دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ اس مقدس واقعہ کی یادگار کو ماتم و شیون تک محدود کر دیں اور دو چار چیخوں کے بعد یہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے کربلا کا واقعہ ایک درس عبرت و موعظت ہے۔ کہ باطل کے روبرو کبھی جھکنا نہیں چاہئے۔ خواہ اس سلسلہ میں بچوں کے گلوں پر چھریاں چل جائیں یا اپنا سینہ گولی کا نشانہ بن جائے۔

"دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان مرد عورتیں کس حد تک واقعہ کربلا کی عملی یادگار قائم رکھیں گے۔"

ماہر

رباعیات

از پنڈت راج نارائن ارمان دہلوی

لایا دنیا میں آب و دانہ اپنا — در اصل نہ یہ گھر نہ ٹھکانہ اپنا
ارمان جاتا ہے اپنے مسکن کی طرف — ہے گلشن قدس آشیانہ اپنا

صد شکر کہ تسخیر ہوا دل اپنا — جلوہ نظر آیا ہے بمشکل اپنا
ارمان ملا قرب الٰہی ہم کو — اب قافلہ پہنچا لب ساحل اپنا
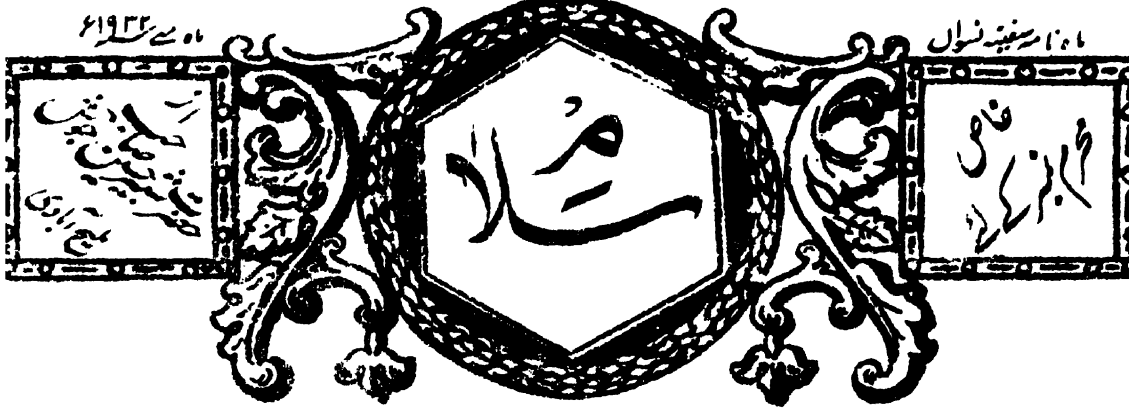
خون میں طبعِ رواں! کچھ تو روانی چاہیے ٭ گل فشانی تا کجا! اب خوں فشانی چاہیے

استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں ٭ داستاں اوصاف لفظوں میں سنانی چاہیے

پڑ چکے ہیں سینکڑوں روحِ شہادت پر حجاب ٭ اب نقاب اس راز کے رخ سے اٹھانی چاہیے

فتحِ حق پر، اشکِ حسرت کی روانی، تا کجا! ٭ اُٹھ! کہ اب باطل پہ خنجر کی روانی چاہیے

شرم کر شرم، اے گروہِ ذاکرانِ مردہ دل ٭ تیرے دل میں ذوقِ نقشِ غیر فانی چاہیے

جنکے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا- ٭ اُن جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے

قصرِ استبداد و بامِ جور پر مثلِ حسینؑ- ٭ خون سے اپنے تجھے بجلی گرانی چاہیے

بستۂ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے؟ ٭ مہر و مہ پر تجھ کو عزمِ حکمرانی چاہیے

آہ اس محفل میں رقصِ مرغِ بسمل کا سماں!! ٭ جس جگہ تیغِ علیؑ کی پرفشانی چاہیے

مرقدِ شہزادۂ اکبرؑ سے آتی ہے صدا- ٭ حق پہ جو مٹ جائے، ایسی نوجوانی چاہیے

واہ کیا کہنا ترا! اے وارثِ تیغِ علیؑ! ٭ ہاں اسی جرات سے حق کی پاسبانی چاہیے

آفریں! اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ -! ٭ صاحبِ غیرت کو یوں ہی موت آنی چاہیے

شاہؑ فرماتے ہیں، جا، لے جا، خدا کے نام پر ٭ موت جب کہتی ہے اکبرؑ کی جوانی چاہیے

سن کے جس کا نام، نبضیں چھوٹ جائیں موت کی ٭ دین کے ساونت کو وہ زندگانی چاہیے

عمرِ فانی سے تو برگِ کاہ تک ہے بہرہ مند ٭ مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیے

کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کیلئے ٭ اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیے

جوشؔ! ذکرِ جراتِ سولی پہ، رونیکے عوض ٭ رخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیے

خاص محرم نمبر ماہنامہ سفینۂ نسواں کے لئے

حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر

از معظمہ و محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (ایم۔ بی۔ سی۔ ایچ۔ بی۔ اڈنبرا)

سفینہ کی ہمدرد اور میری معظم بہن محترمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب، ایم بی سی ایچ، بی، اڈنبرا) نے ذیل کا مضمون "محرم نمبر" کے لئے بھجوا کر "سفینہ" کی زینت کو بڑھا دیا ہے ہیں اس عزت افزائی کے لئے محترمہ موصوفہ کی خدمت میں منجانب "ادارہ" عقیدت مندی اور شکریہ کا "نازک اساس" پیش کرتے ہوئے استدعا کرتی ہوں، کہ آئندہ بھی اس حقیر ماہ نامہ کو سرفراز فرمایا جائے امید کہ۔ کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔
کے مصداق میری یہ استدعا، نظر انداز فرمائی جائے گی۔ "مدیرہ"

ہمیں چاہیئے کہ آپ کے اوصاف مشہورہ میں سے اُس صفت کا ذکر کریں جو روز ازل سے آپ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ وابستہ تھی اور جو اپنے تمام اطراف و اصناف کے ساتھ آپ کی ذات مجمع الحسنات پر تمام ہوگئی وہ "صبر" ہے۔ اس خصوصیت صبر و ضبط میں کسی اور ہستی کا امام حسین علیہ السلام کے ہم پلہ موجود ہونا کبھی تصور میں نہیں آسکتا یہی وہ خصوصیت عظیم ہے جو امام مظلوم پر منتہی ہوئی۔ اگرچہ حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام و حضرت ایوب علی نبینا و علیہ السلام اپنے صبر میں یکتا تھے مگر امام حسین علیہ السلام کے صبر میں جو بات پائی گئی وہ کچھ اور ہے۔
امام حسین علیہ السلام کے صبر کے مدارج میں پہلا درجہ تو اپنے گھر بار سے جدا ہونا اور اپنے جد امجد

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ سے چھوٹنا اور اپنے نانا کی قبر کی زیارت سے محروم ہونا اپنی والدہ محترمہ و بھائی کی قبر سے علیحدہ ہونا اور اہل وطن کی مفارقت کا گوارا کرنا ہے۔ دوسرا صبر سخت گرمی میں سفر کرنا خصوصًا عرب کی گرمی جو مشہور عالم ہے اور وہ بھی ایسے مقام کی طرف جو نہایت گرم اور اُس کی ایذا کبھی انسانی دل نہیں اٹھا سکتا۔ اس پر بھی آپ نے محض خوشنودیٔ خدا تعالیٰ کے واسطے صبر کیا اور اس سختی کو جھیلا۔ قادسیہ کی منزل پر پہنچکر یہ معلوم ہوا کہ کوفیوں نے آپ کے پیارے عزیز اور ایلچی حضرت مسلم علیہ السلام کو بوجہ سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کر دیا۔ ایسے جان نثار اور وفادار بھائی کا ایسے شدائد کے ساتھ مارا جانا سنکر آپ کا اس صدمہ پر صابر رہنا صبر کے عجیب غریب مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ کربلا میں پہنچ جانے کے بعد نہر پر سے آپ کے خیموں کا اٹھوایا جانا بالکل بے آب اور خشک مقام پر جبرًا خیموں کا نصب کرانا۔ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا اور یزید فاسق کی بیعت کا پیام برابر آنا اور حضرت کا اُس کی بیعت پر راضی نہ ہونا اور اس بات کو گوارا کر لینا کہ اگرچہ پیاس سے دم بھی نکلجائے مگر دامن شریعت رسولؐ نہ چھوٹے کیا کچھ معمولی بات ہے۔ نویں تاریخ مخالف کی چھ۶ لاکھ فوج کا میدان جنگ میں جمع ہونا اور اس بات پر زور دینا کہ یا تو آپ یزید کی بیعت کریں یا لڑنے پر تیار رہیں۔ یہاں ان کے مقابلہ میں کل چند آدمیوں کا ساتھ حضرت کا بالیقیں یہ جانکر بھی کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ یہ تھوڑے سے آدمی نہیں کر سکتے سب کو اس بات کی اجازت دینا کہ جس کا جی چاہے وہ میرا ساتھ چھوڑ کر چلا جا دے اور کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ کل فتح ہماری نہیں ہے۔ اور شمع گل کرا دینا کہ کسی کو چلے جانے میں حجاب نہ ہو یہ ایک ایسا عجیب و حیرت خیز معاملہ واقعات کربلا کے متعلق گذرا ہے جس نے ایسے وقت میں اپنے رفیقوں سے کہا ہو کہ تم لوگ میرا ساتھ چھوڑ دو اور مجھے تنہا رہنے دو ملکہ دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یہ فکر ہو جاتی ہے کہ جہانتک ہو سکے اپنی جماعت بڑہائی جائے۔ اور موجودہ اشخاص کا دل بڑھا کر دشمن کے مقابلہ پر آمادہ کیا جائے یہاں بالکل اُس کے برعکس ہے کیا یہ مصیبت پر صبر نہیں ہے اور کیا منشائے الٰہی پر راضی رہنا اس کا نام نہیں ہے؟ کیا خدا پر توکل کرنا اس کو نہیں کہتے؟

دسویں محرم سنہ ۶۱ ہجری روز عاشورہ اپنی تھوڑی سی جماعت جس کی تعداد بہتّر سے زیادہ نہ تھی

جس میں متعدد بچے کم سن ناتجربہ کار بھوکے پیاسے آنکھوں میں پیاس سے حلقے پڑے ہوئے زبانیں سوکھی ہوئیں انھیں کو ہمراہ لیکر میدان جنگ میں ایک عظیم الشان لشکر کے مقابلے پر کھڑا ہوتا اور یزیدی فوج کا چند حملوں میں ایک ایک کر کے اصحاب کو قتل کر دینا اور سوائے عزیز و اقارب کے تھوڑی ہی دیر میں کسی کا نہ بچنا اصحاب و عزیزوں کے قتل کے بعد اُن چھوٹے چھوٹے بچوں کا سر فروشی کے لئے رخصت طلب کرنا جس کو کس پیار سے گود میں پالا تھا۔ پھر ان کا لڑکر درجۂ شہادت پر فائز ہونا اور آپ کا دیکھتے رہنا کیا کچھ تھوڑا صبر ہے؟ جوان بھتیجے قاسم ابن الحسن علیہما السلام نے (جنھیں امام حسن علیہ السلام نے اپنی رحلت کے وقت آپ کے سپرد کیا تھا) میدان جنگ کی اجازت چاہی اور لڑکر درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ لاش گھوڑوں کی سموں سے پامال ہوگئی۔ حضرت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ لایا۔ کیا ادنیٰ سی بات سمجھی جاسکتی ہے؟ جوان بھائی عباس علمدار علیہ السلام کہ علمدار فوج بنی ہاشم بے مثل بہادر زینت پہلو قوت بازو بلکہ قوت جان و دل جس کی زندگی پر حضرت کی زندگی کا مدار تھا جس کو بچپنے سے پالا کبھی آنکھوں سے اوجھل نہ کیا۔ اس کو میدان جنگ میں شرکت کی اجازت دینا اُس کا نہر پر بازو کٹانا اور فوج کی علمداری کا اس کے بعد خاتمہ ہو جانا اور پھر موقع قتل پر جاکر اس کو مچھلی کی طرح تڑپتا ہوا پانا اُسکا سر اپنے زانوں پر رکھکر پیار کے کلمات کہنا اور اُسی وقت اُس کی روح کا پرواز کر جانا کسقدر صدمہ انگیز ہے کیا کسی بہادر کا دل اس مصیبت پر تاب لانے کی قوت رکھ سکتا ہے کیا کوئی ایسا بنی نوع انسان ہے جو اس کی نظیر پیش کرسکتا ہے؟ حاشہ وکلّا اس بہادر بھائی کی شہادت کے بعد آپ کا نور نظر لخت جگر حسین ؑ نوجوان فرزند جناب علی اکبر علیہ السلام جو صورت سیرت رفتار و گفتار میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھا شہید راہ خدا ہو گیا۔ اللہ اکبر! کسقدر مصیبت عظیم ہے اسپر تحمل کرنا کیا کسی کا جگر ہے جو سہہ سکے۔ **العیاذ باللہ!**۔

ایک طرف حضرت عباس علیہ السلام شانے کٹائے ہوئے آرام کر رہے ہیں۔ دوسری طرف حضرت علی اکبر علیہ السلام قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ کہیں حضرت قاسم علیہ السلام ہیں کہیں عون و محمد علیہما السلام ہیں ایک طرف بہادران عرب آپ کے اصحاب بھی جام شہادت سے سیراب ہو کر حشر تک سونے کا قصد کئے غافل پڑے ہیں کسی کے بدن پر سر نہیں ہے کسی کے ہاتھ قلم ہوگئی

ہیں کسی کا سینہ برچھی سے گھائل ہے کسی پر سینکڑوں تلوار اور نیزوں کے زخم ہیں۔ تمام عزیز واقارب عون والنصار کے دوپہر تک شہید ہو جائینگے۔ بعد خیمہ اطہر سے رونے کی آواز آئی اور آپ دریافت حال کے لئے در خیمہ تک تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ ننھے بچے حضرت علی اصغر علیہ السلام کا پیاس سے حال برا ہے آپ اسی بچہ کو اپنے ہاتوں پر فوج اشقیا کے سامنے لے گئے اور فرمایا کہ "اگر تم کو خیال ہو کہ میں اس بچے کے بہانے سے پانی پی لوں گا تو۔ لو میں اسے زمین پر لٹا دیتا ہوں تمھیں اگر اسے پانی پلا جاؤ۔ کیونکہ یہ بچہ بالکل معصوم ہے اور قابل رحم ہے اس کے جواب میں دشمنوں نے کہا ٹھہر و حلیین ہم ابھی اسے سیراب کئے دیتے ہیں۔ اور حرملہ کا ایک تیر مارنا جو اس بچے کے گلے سے پار ہوکر آپ کے بازو کو توڑ گیا اور بچہ منھ کھول کر اور سسک کر رہ گیا اور آپ دیکھا کئے اس مصیبت کو کس باپ کا دل اٹھا سکتا ہے کیا اس کی آنکھوں میں عالم اندھیرہ نہ ہو جائے گا۔ کیا اس کے حواس باقی رہ سکتے ہیں۔ کیا سر پھوڑ کر نہ مر جائیگا۔ مگر واہ رے تحمل واہ رے ثابت قدمی! جناب علی اصغر علیہ السلام آپ کے ہاتوں پر شہید ہو گئے اور آپ شکریہ کے کلمات کہے فرمایا کہ الحمدللہ میں اپنے بار سے سبکدوش ہو گیا۔ یہ قربانی بھی قبول ہو گئی۔ مجھے خوف تھا کہ مبادا جسطرح حضرت اسمعیل علی نبینا کی قربانی کا ذوق پورا نہ ہوا کہیں یہاں بھی ایسا نہ ہو اور مجھ کو افسوس کرنا پڑے تیرا شکر ہے کہ تو نے اس ناچیز ہدیہ کو بھی قبول کر لیا۔ بھلا بتلائیے اکسی باپ کا ایسا بھی دل ہے کہ بیٹا مارا جاوے اور آپ سجدۂ شکر بجا لائیں۔ بیشک کربلا کا جانگداز واقعہ ایک راز ہے۔ ایسا راز جسے قیامت تک کوئی فاش نہیں کر سکتا۔ صبر و شکر کی ایک اور مثال دیکھئے۔ آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ اور شمر لعین آپ کے سینۂ مبارک پر سوار ہوا تو حضرت کے لب ہائے مبارک کو حرکت میں دیکھ کر سمجھا کہ آپ اس شقی کو بد دعا دیتے ہیں۔ ملعون نے کان لگا کر سنا تو آپ فرما رہے تھے، "اے میرے رب اے میرے خالق تو فرما چکا ہے" اوفوا بعھدی اوف بعھدکم" میں تو اپنا وعدہ پورا کر چکا مگر اب تیرے وعدہ پورا کرنے کا وقت ہے۔ اے میرے خالق میری شہادت پر میرے نانا کی امت کو بخش دے"۔ بخدا سچ بتلائیے کیا اب بھی کوئی حد باقی رہ گئی۔ حقیقت میں صبر و ضبط کی جس منزل تک حضرت امام حسینؑ پہنچے تھے، وہاں تک فخر نوحؑ و ذکریا۔ افتخار ایوبؑ و یحییٰ بھی نہ پہنچ سکے۔ کیا امتحان کا کوئی پہلو اٹھا رکھا ہے۔ جس میں امام مظلوم نہ کامیاب ہوئے ہوں۔ خاصان خدا میں

کہیں ایسی مثال نہیں ملتی اور جناب آدم علیہ السّلام سے لیکر حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام بزرگوں کے حالات اور واقعات پڑھیئے تو کہیں یہ خصوصیت نظر نہیں آئے گی۔ تمام دنیاوی مصائب وشدائد کا خاتمہ امام مظلوم پر ہو گیا۔

تم پر نہ ہوتے تھے یہ جفاؤ ستم حسینؑ ❊ اے کاش! بھینکے جاتے جہنم میں ہم حسینؑ
ہم رہتے کاش حشر میں بے دستگیر ہی ❊ ہوتے نہ ابتلا کش کے تیرے قلم حسینؑ
ہو جاتے خاندان محبّوں کے سب تباہ ❊ رہتے وطن میں چین سے تیرے حرم حسینؑ
اقرار پر کٹا دیا سر تو نے یا امام ❊ بخشش کو بس تھا بیچ میں تیرا قدم حسینؑ

حضرت علی کے زرّیں اقوال

از جناب مرزا محمد باقر خانصاحب

خاموشی بہت سارے سوالات کا ایک جواب ہے۔

تقریر کی خوبی اسکا اختصار اور معقولیت ہے۔

بیان کی بہتری اس کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔

خاموشی انسان کی محافظ اور اس کے عیوب کی پردہ دار ہے۔

زیادہ بات چیت انسان کے وقار کو گھٹاتی ہے، اور وہ عوام کی نظروں میں ذلیل وخوار رہتا ہے۔

گفتگو ایک ایسی دوا کی مانند ہے جو اگر کم مقدار میں دی جائے تو مریض کو شفا حاصل ہو۔ اور زیادہ مقدار اس کی ہلاکت کا باعث بنے۔

جتنی مختصر گفتگو ہو گی اتنی ہی کم نکتہ چینی ہو گی۔

کہنے والے پر نظر نہ کرو بلکہ جو وہ کہتا ہے اس پر نظر رکھو۔

زندگی فانی ہے اور اس فنا میں حیات ابدی مضمر ہے۔

خواہشات میں اضافہ کرنا گویا اپنی زندگی کو برباد کرنا ہے۔

موت سے پہلے، موت کے خیال کو دل میں جگہ دو۔

موت انسان کو عالم فانی سے جدا کرتی اور عالم بقا سے ملاتی ہے۔

موت کی یاد ہمیشہ تازہ رکھنا دنیاوی کلفتوں سے نجات حاصل کرنا ہے۔ (ترجمہ)

خاص محرم نمبر

نذرِ نیاز

از جناب [illegible] علی [illegible]
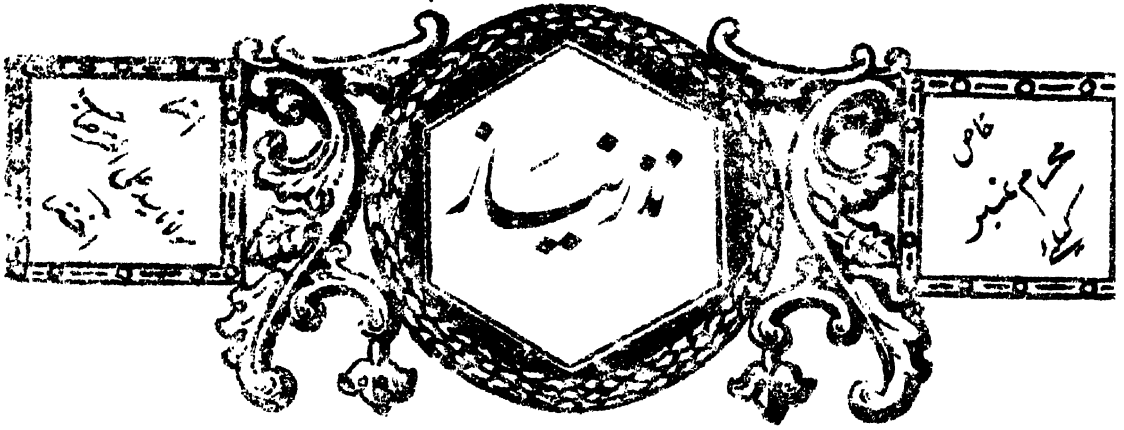
چلا ہوں سوئے مدینہ اختر دلِ شکستہ کی نذر لیکر ✤ یہ کیوں کہوں میں کہ میری فریاد آستانے اثر نہیں ہے
امید میری امید کیا ہے، مآل ہے اُن کی بخششوں کا ✤ اگرچہ ہوں خستہ حال لیکن یہ بارِ غم روح پر نہیں ہے
تہی ہے دامن، نظر پشیماں، گناہ کی تیرگی جبیں پر ✤ یہ سب ہی قلب اُن کے لطفِ عمیم سے بے خبر نہیں ہے
زمانۂ ناشناس نے وہ ستم کئے ہیں دلِ حزیں پر ✤ کہ از پئے نذر بھی تو باقی سوائے خونِ جگر نہیں ہے
حضور! ہر چند یہ سمجھتے ہیں اپنی غفلت شعاریوں کے ✤ کہ دورِ گیتی کے اقتضا پر ابھی ہماری نظر نہیں ہے
مگر وہ احساس کامگاری ہے جس کی بنیاد ایں یقیں ہے ✤ کہ بہرِ خدام بارگاہی جہاں میں خوف و خطر نہیں ہے
جو اعتمادِ کرم کے گہرے نقوش سینوں سے محو کر دے ✤ زمانہ اتنی گراں نشینی سے آجتک بہرہ ور نہیں ہے
اسی نے دی شانِ بے نیازی اسی نے بخشا سکون کامل ✤ نہیں تو دنیا کی ہم عنانی کچھ ایسی پیچیدہ تر نہیں ہے
حضور کے التفات پر ہے اب اِن غلاموں کی شرم [illegible] ✤ جنھیں زمانہ تو اور سے ہے یہاں تو اپنی خبر نہیں ہے
بہار آئی بھی اور گئی بھی جلی بھی شمعِ طرب بجھی بھی ✤ قفس میں ہے دردمند بلبل اسے کچھ اسکی خبر نہیں ہے
وہی ہیں زینت کے ساز و ساماں وہی صدف ہے وہی ہیں [illegible] ✤ مگر نظر ڈھونڈتی ہے جسکو وہ آب و تابِ گہر نہیں ہے
اگرچہ ذرات نجد میں ہے نہاں وہی پیچ و تاب اب تک ✤ مگر خموشی بتا رہی ہے کہ قیس آشفتہ سر نہیں ہے
کبھی جو پامال خارِ دشت تک کو عنبریں کر کے چھوڑتی تھی ✤ وہی صبا گلفروش اب بھی ہے تو مگر اسقدر نہیں ہے
سحر ہوئی آفتاب چمکا حیات [illegible] مسکرائی ✤ وہ ہم کہ اس بزمِ شب پرستی میں [illegible] اہتمامِ سحر نہیں ہے
حسینؑ کا واسطہ اب اٹھئے کہ ظلمتیں بڑھتی جا رہی ہیں ✤ [illegible]
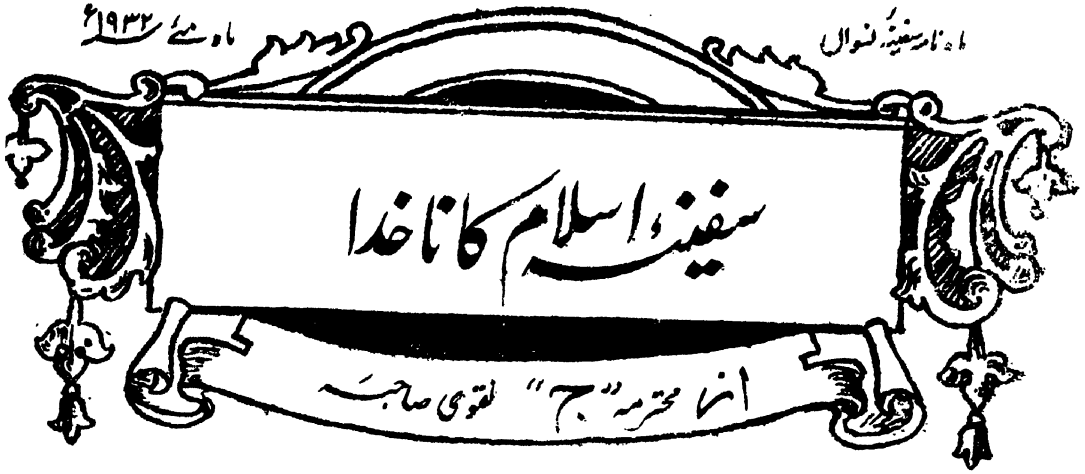
"حسینؑ"

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا؟؟ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے!!

رسول اللہؐ کے اس برگزیدہ نواسہ کا نام سنتے ہی انسانی دل و دماغ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ۔ جس کا اظہار الفاظ میں بمشکل ممکن ہے ۔ اور جس کی تعریف کے لئے نہ زبان میں یارا ہے نہ قلم میں طاقت ۔ وہ ہستی، جس کی ذات پر خود رسول اللہ کو ناز تھا اور آپ جسکی شان میں فرماتے تھے "حسین منّی وانا من حسین" جبتک کہ دور شمس و قمر کا سلسلہ ہے ۔ دنیا کا ذرہ ذرہ عالم وجود میں باقی ہے ۔ سیاروں کی گردش، دنیا کا نشیب و فراز، موسم کا تغیر و تبدل واقعات و حادثات کا مرور صفحہ ہستی سے ناپید نہیں ہوا، شہادت امام حسینؑ کی دلگداز داستان دلوں سے محو نہیں ہوسکتی! جس کے دل میں رسول اللہ کی محبت ہے اس کا دل حسینؑ کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا! جس نے آغوش نبیؐ میں پرورش پائی ۔ جس کی محبوب ترین نشستگاہ دوش رسول رہ چکی ہو ۔ جس نے آیات ربانی کی فضا میں سانس لی قرآن ناطق کے سایۂ عاطفت میں جس نونہال نے نشو و نما پائی ۔ جس کے چہرۂ نور کو ایکبار دیکھ لینے سے رسول اللہ کی ساری کلفتیں دور ہوجاتی تھیں ۔ اسلام کے عمارت کی بنیاد جس کے خون سے مستحکم ہوئی ۔ رسول اللہ کے لگائے ہوئے باغ کو

جس پر خزاں آچکی ہوتی، اگر حسینؑ اس کی باغبانی کا بیڑا نہ اٹھاتے۔ اسکو اپنے خون جگر سے نہ سینچتے۔ اس کی نگہداشت کے لئے اپنی اور اپنے سارے خاندان کی جان نہ دیتے۔ اسلام حسینؑ کی برگزیدہ ہستی کا مرہون منت ہے۔ جو لوگ اسلام کا سچا درد اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کا بانی حقیقت میں کون تھا۔ یہ کشتی ڈوب جاتی، ایک تنکہ کا بھی اسکو سہارا نہ ملتا۔ یہ گلستاں اجڑ کر کھنڈر ہو جاتا۔ اگر حسینؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ جس کی عیش پرستی کا ڈنکا بجا ہوا تھا۔ جو دولت کے نشہ میں چور تھا۔ جو خدا اور بندگان خدا کے حق کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ جس کی نظروں میں بیت المال اپنی خود میراث تھی۔ اور جسکا تصرف یہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ احکام خدا کی جس کے نظروں میں کچھ وقعت نہ تھی۔ اگر امام حسینؑ اس کے ہاتھ پر بیعت قبول کر لیتے۔ اس کو خلیفہ مان لیتے تو آج اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ آپ نے دین اسلام کی خاطر دنیا کو خیرباد کہدیا۔ جسکی نظیر ملنی دشوار ہے۔ دنیا اب اگر ہزار بار بگڑ کر بنی تو بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

محرم ان کے لئے جو اس کے راز ہائے سربستہ کو بے نقاب کرتے ہیں اور اس کے باطنی پہلو پر غور و خوض کرتے ہیں اپنے اندر ایک قیامت خیز ہنگامہ پرور جذبہ رکھتا ہے اور ان کے لئے بھی وہ کچھ کم ہیجان انگیز نہیں جو اس کی ابجد سے ناواقف ہیں! اس کے احساس کے لئے ایک رونے والی آنکھ اور ایک دکھے ہوئے دل کی ضرورت ہے۔ اس زبردست ایثار، اس بے مثل قربانی کا سبب کیا تھا۔؟ ایک سوال ہے جس میں ایک دنیا کا مول پوشیدہ ہے۔ آپ نے اپنی جان ایثار نفس، اتفاق و محبت، صدق و صفا کی راہ میں قربان کر دی۔ اس مقام کو ان میں فساد کو ٹھکرا کر راہ خدا میں قربان ہو گئے۔ دنیا کی محبت اور دولت کی کشش ان لوگوں کو بھی جو رسول اللہ کے کلمہ گو تھے۔ حسینؑ سے برگشتہ کر دی۔ وہی لوگ جو رسول اللہ کا دم بھرتے تھے رسول اللہ کے پیارے نواسے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور کس غربت و کس مپرسی کے عالم میں آپ کی جان لینے کے درپئے ہو کر آپ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے۔ اس داستان خونیں سے تاریخ کا ایک ایک صفحہ رنگین ہے ؎

دو عالم نقد جاں در دست دارند
ببازارے کہ سودائے تو باشد

آج اس واقعہ کو ہو کر تیرہ سو برس ہو چکے لیکن ابتک بھی اس جانکاہ واقعہ کا اثر ربع مسکوں میں باقی ہے۔ نہ صرف کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ اس غم سے آشنا ہے بلکہ صحرائے عرب کا بسیط حصہ بھی جہاں چوطرف سناٹا ہے۔ حسینؑ کے پیارے نام سے گونج رہا ہے۔ اس سے گذر کر ہر وہ رقبۂ زمین جہاں پر مسلمان آباد ہیں۔ حسینؑ کی ہستی سے اس طرح واقف و آشنا ہیں جسطرح رسول اللہ کی رسالت سے!!

اگر حسینؑ کا وجود نہوتا۔ اس مقدس ہستی کے پرتو سے دنیا کے ظلمت کدہ میں اگر کسی وقت نور نہ برستا تو آج اسلام کو کون پوچھتا؟ دین اسلام کا وہ چراغ جو ٹمٹما رہا تھا کبھی کا بجھ جاتا آج اُس کی لگن میں خاک کی چنگاریاں بھی نہوتیں۔ رسول اللہ کا اسلام اصل میں حسینؑ کا اسلام ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

شاہ است حسین وشاہ شاہست حسینؑ ❊ دین است حسین دین پناہ ست حسینؑ
سرداد نداد دست در دست یزید ❊ حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

دشت کربلا کا وہ دل ہلا دینے والا منظر۔ وہ تین دن میں سارے خاندان کی تباہی، وہ خاندان نبوت پر نزول مصائب عترت رسول کی بے چادری و بےحرمتی، کیا دنیا اس الم انگیز داستان کو بھول سکتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے حقیقت، جس پر آسمان اگر قیامت تک روتا رہے تو بھی اس کا عوض ناممکن۔ ہاں جبتک آفتاب میں حرارت، قوس و قزح میں رنگینی، ستاروں میں جھلک شفق میں سرخی، آفتاب عالمتاب میں شعاعیں، چاند میں خنکی و روشنی، ابر میں سایہ، بجلی میں بیقراری اور چمک، پھولوں میں شادابی، اور مہک، چڑیوں میں چہچہے کلی میں خموشی، درخت میں وقار، پہاڑوں میں تمکنت، آبشار میں روانی، موجوں میں بے چینی وتڑپ، راتوں میں تاریکی یہ سب جبتک باقی ہیں اسوقت تک حسینؑ کی محبت ان دلوں سے فراموش نہیں ہوسکتی جو اس کی ہستی کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے ایثار کا خیال دلوں کو حرص و ہوس سے بری۔ خود غرضی سے مستثنیٰ کر دیتا ہے صراط مستقیم پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے دنیا کی محبت سے نفرت دلاتا ہے ایک شعلہ کیطرح زندگی کے چراغ کو بھڑکا کر حوادث دنیا کے آگے چلے جانا اور خدا کے حکم سے اس کی نذر حوادث کر دینا یہ سبق ہمیشہ کے لئے یاد رکھکر فنا فی اللہ ہو جانا — یہ تھا حسینؑ کی زندگی کا مقصد

ترا چناں کہ توئی ہر نظر کجا بیند ❊ بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک!

آج اس واقعہ کو ہوکر تیرہ سو برس ہو چکے لیکن ابتک بھی اس جانکاہ واقعہ کا اثر ربع مسکوں میں باقی ہے۔ نہ صرف کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ اس غم سے آشنا ہے بلکہ صحرائے عرب کا بسیط حصہ بھی جہاں چوطرف سناٹا ہے۔ حسینؑ کے پیارے نام سے گونج رہا ہے۔ اس سے گذر کر ہر وہ خطۂ زمین جہاں پر مسلمان آباد ہیں۔ حسینؑ کی ہستی سے اس طرح واقف و آشنا ہیں جسطرح رسول اللہ کی رسالت سے !!

اگر حسینؑ کا وجود نہ ہوتا۔ اس مقدس ہستی کے پرتو سے دنیا کے ظلمت کدہ میں اگر کسی وقت نور نہ برستا تو آج اسلام کو کون پوچھتا؟ دین اسلام کا وہ چراغ جو ٹمٹمارہا تھا کبھی کا بجھ جاتا آج اس کی گفن میں خاک کی چنگاریاں بھی نہ ہوتیں۔ رسول اللہ کا اسلام اصل میں حسینؑ کا اسلام ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

شاہ است حسین و شاہ شاہ است حسینؑ ⁂ دیں است حسین دین پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید ⁂ حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

دشت کربلا کا وہ دل ہلا دینے والا منظر۔ وہ تین دن میں سارے خاندان کی تباہی، وہ خاندان نبوت پر نزول مصائب عترت رسول کی بے چادری، وہ بے حرمتی، کیا دنیا اس الم انگیز داستان کو بھول سکتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے مصیبت، جس پر آسمان اگر قیامت تک روتا رہے تو بھی اس کا عوض ناممکن۔ ہاں جبتک آفتاب میں حرارت، زمین میں تزئین رنگینی، ستاروں میں جھلک شفق میں سرخی، ماہتاب عالمتاب میں شعاعیں، چاندنی میں خنکی و روشنی، ابر میں سایہ، بجلی میں بیقراری اور چمک، پھولوں میں شادابی، اور مہک، چڑیوں میں چہچہے، کلی میں خموشی، درخت میں وقار، پہاڑوں میں تمکنت، آبشار میں روانی، موجوں میں بے چینی و تڑپ، راتوں میں تاریکی یہ سب جبتک باقی ہیں اسوقت تک حسینؑ کی محبت ان دلوں سے فراموش نہیں ہوسکتی جو اس کی ہستی کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کے ایثار کا خیال دلوں کو حرص و ہوس سے بری۔ خود غرضی سے مستثنیٰ کر دیتا ہے صراط مستقیم پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے دنیا کی محبت سے نفرت دلاتا ہے۔ ایک شعلہ کی طرح زندگی کے چراغ کو بھڑکا کر حوادث دنیا کے آگے چلے جانا اور خدا کے حکم سے اس کے نذر ہو جانا دنیا کو یہ سبق ہمیشہ کے لئے یاد رکھ کر فنا فی اللہ ہو جانا — یہ تھا حسینؑ کی زندگی کا مقصد

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند ⁂ بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک !

نواب سر سالار جنگ بہادر رئیس اعظم

اے شہید کربلاؑ اے راحتِ جانِ نبیؐ ٭ نورِ چشمِ فاطمہؑ اے جوہرِ تیغِ علیؑ

اے سراپا جوشِ حق اے پیکرِ عزم و ثبات ٭ اے اساسِ زندگی اے مرکزِ نظمِ حیات

تیرے پائے استقامت میں ذرا جنبش نہ تھی ٭ لاش تڑپا کی اگرچہ اکبرِ مظلوم کی

تو نے کب باطل کے آگے سر کیا تھا اپنا خم ٭ اصغرِ گلرو کے ننھے سے جنازے کی قسم

خشک ہونٹوں نے ترے دریا بہائے صبر کے ٭ حق پرستی نے تری ویراں کئے ظلمت کدے

کربلا کی ریت فردوسِ حقیقت بن گئی ٭ آبشارِ زیست تیرے خوں کی اک اک دھار تھی

تیری خودداری نے کھولا دہر میں رازِ حیات ٭ ریت کا تودہ تری نظروں میں تھی موجِ فرات

موت کی دھمکی ڈرا سکتی ہے مسلم کو کہیں ٭ تو نے بتلایا کہ حق باطل سے دب سکتا نہیں

ایک اک ذرہ پہ تو نے کھینچ دی تصویرِ عشق ٭ کربلا کی خاک گویا بن گئی تفسیرِ عشق

تیرے افسانہ میں مضمر عظمتِ ہستی کا راز ٭ اک زمانہ ہے کہ تیری ذات پر کرتا ہے ناز

فاتحِ ملکِ جفا اے کامگار و ارجمند! ٭ تو نے سطحِ زندگی کو کر دیا کتنا بلند!!

بارک اللہ! دولتِ دنیا کو تو سمجھا حقیر ٭ سچ تو یہ ہے تیرا منت کش ہے انسانی ضمیر

تیرا افسانہ سکونِ قلبِ پریشاں کیلئے
تیری قربانی سبق ہے اہلِ ایماں کیلئے
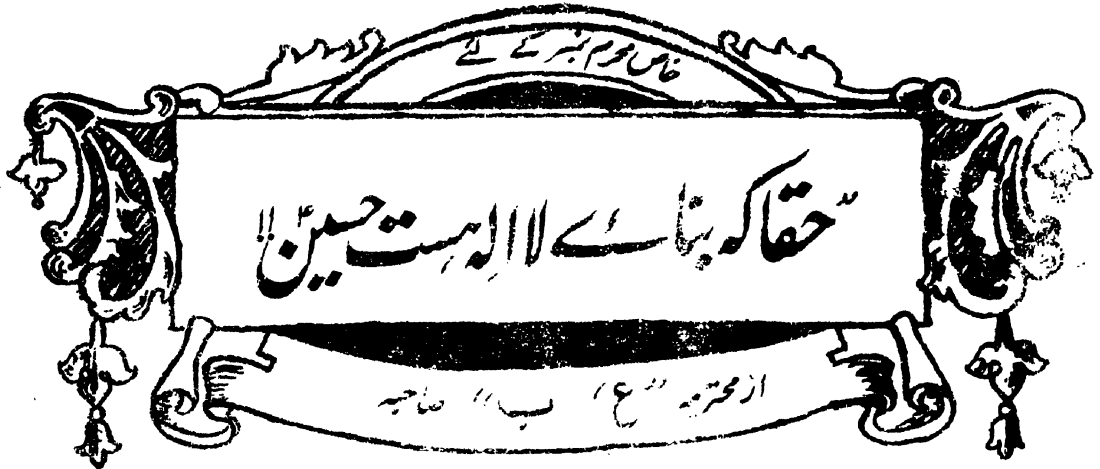
جناب رسالت مآب کو وفات پائے ابھی نصف صدی کا زمانہ بھی نہیں گذرا کہ سرمایہ داری کا دور شروع ہوا۔ حاکم وقت یزید قرار پاتا ہے جس کے دولت و ثروت کی کوئی انتہا نہیں۔ حلال حرام ہو چکا ہے اور حرام حلال۔ شراب خواری علانیہ عشرت کا بازار گرم ہے۔ ہر فرد اس فکر میں ہے کہ کسی صورت مقرب حاکم وقت ہو جائے اور دولت ہاتھ آئے۔ نوبت یہ پہنچی ہے کہ بے گناہوں کے سر بعوض زر کثیر دربار یزید میں طلب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد کو دربار یزید سے حکم ملتا ہے کہ فرزند رسول حسین علیہ السلام کا سر پیش کرے اس خدمت کے عوض میں ملک رے جاگیر دی جائے گی۔ ابن سعد پھولا نہیں سماتا ہے اور اس خدمت کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔

اللہ اللہ وہ حسینؑ جس کو پیغمبرؐ اسلام نے اپنی زبان چسا چسا کر پالا۔ اور اپنے نواسے حسینؑ کی خوشنودی کے لئے خود اونٹ بنے اور اپنی زلف عنبرین کو مہار بنا کر حسینؑ کے بہلانے کے لئے ہاتھ میں دی اسی پر منحصر نہیں حسینؑ کے مچلنے پر کہ دوسرے عرب کے اونٹ بولتے ہیں ہمارا اونٹ بولتا نہیں خود پیغمبرؐ اسلام اونٹ کی آواز کی نقل فرمائے لیکن حسینؑ کی دلشکنی آزردگی منظور نہیں۔ حسینؑ کی آنکھ سے ایک آنسو وہ بھی لڑکپن کے زمانہ میں نکلتا ہے تو پیغمبرؐ اسلام کے سینکڑوں آنسو بہجاتے ہیں۔ یہ کوئی ہمارے پیغمبرؐ کا ذاتی فعل نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ہمارے پیغمبرؐ کے متعلق تو خداوند عالم کا ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارا پیغمبرؐ کوئی بات نہیں کرتا نہ کوئی فعل ہمارے پیغمبرؐ سے وقوع میں آتا ہے۔ تاوقتیکہ ہمارا حکم نہیں ہوتا۔

پس ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ حسینؑ کی نازبرداری منجانب اللہ بحکم خدا ہمارے پیغمبر فرمارہے ہیں اور اپنی امت کو بایں ارشاد اپنے نواسے اپنے فرزند حسین علیہ السلام کے فضائل سمجھاتے ہیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے میرا گوشت اور خون حسینؑ کا گوشت اور خون ہے اور حسینؑ کا گوشت اور خون میرا گوشت و خون ہے۔ جس نے حسینؑ کو تکلیف دی اس نے مجھ کو تکلیف دی جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا کو تکلیف دی جس نے خدا کو تکلیف دی وہ کافر ہوا۔ یہ فرمان پیغمبری صرف حسین علیہ السلام کے زمانۂ لڑکپن کے لئے نہ تھا کیونکہ نابالغ بچے کی دلداری تو ہر قوم کا فرد بلالحاظ مذہب و ملت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے پیغمبر نے اپنے فرزند اپنے نواسے حسینؑ کی تکلیف سے بلالحاظ سن و سال ارشاد فرمایا ہے۔ باوجود پیغمبر اسلام کے اس تاکیدی فرمان اور ارشادات کے امت اسی حسینؑ کا سر بعوض جاگیر ملک رے قلم کرنے طیار ہو جاتی ہے نہیں معلوم ایک حسینؑ میں ایسی کونسی قوتیں پنہاں ہوتی ہیں کہ صرف ابن سعد اور اس کی دس ہزار فوج ایک حسینؑ کا سر تن سے جدا کرنے کیلئے کافی نہیں خیال کی جاتی بلکہ ایسے متعدد فوجی حکام مع اپنی کثیر فوج کے زر و جواہر حاصل کرنے میدان کربلا میں ایک حسینؑ اور (۷۲) رفقائے حسینؑ کے مقابلہ میں آپہنچتے ہیں۔

بیشک یہ حسین علیہ السلام کا ہی حوصلہ تھا امام علیہ السلام کی ہی ہمت تھی کہ زر ہے نہ جواہر ہیں نہ فوج ہے نہ کوئی امید فوج کے فراہم ہونے کی نہ حکومت کا ذرہ برابر خوف ہوتا ہے نہ شبطانی فوج کا۔ اگر خوف ہے تو صرف اپنے خالق حقیقی کا اور فکر ہے تو اپنے خدا کے احکامات کو قایم و برقرار رکھنے کی اور دھن ہے تو اسلام کو دشمنان اسلام کے حملہ سے محفوظ رکھنے کی ؎

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ
دین است حسینؑ و دیں پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

اگر ہم ٹھنڈے دل سے ذرا سر جھکا کر غور کریں تو ضمیر خود بتلائے گا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ساتھ ہی دین اسلام زندہ ہو گیا ورنہ چند سالوں کا تبلیغی دین اسلام اسی وقت فنا ہو گیا ہوتا۔ اگر خدا نخواستہ امام حسین علیہ السلام دست یزید پلید پر بیعت فرما لیتے۔ عرب کے جہلا

جب دیکھتے کہ رسول خدا کا برگزیدہ نواسہ خود طائع احکامات یزید پلید ہوگیا ہے تو قوم کی قوم یزید کی طائع ہوجاتی اور احکامات خدا ورسول پس پشت ہوجاتے۔ حتیٰ اینکہ نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور رفقائے حسین علیہ السلام کا دین اسلام پر وہ احسان ہے کہ اس کا بدل بجز خلاق عالم کے ممکن نہیں کہ کسی اور ہستی سے ادا ہوسکے احسان کا بدلہ احسان ہوا کرتا ہے۔ اگر ایسے برگزیدہ شہید راہ خدا کے شہادت کی یادگاریں قوم کی جانب سے قائم کیجاتی رہیں تو قوم نے اپنا حق ادا کیا لیکن یہ کوئی بدلہ امام حسینؑ کے احسانات کا نہیں ہوسکتا۔

امام علیہ السلام نے روز عاشورہ صبح سے نماز ظہر تک اپنے بہتر نفوس کے ساتھ چالیس ہزار اشقیائے فوج یزید پلید سے جہاد فرمایا ہے ان چند گھنٹوں میں آپنے شجاعت۔ سخاوت۔ مروت۔ صبر۔ شکر۔ رضا وتسلیم۔ رحم۔ کرم۔ عبادت کی وہ وہ بے نظیر مثالیں قائم فرمائے ہیں کہ قیامت تک کسی ہستی سے ممکن نہیں۔ ہر ایک کی تفصیل بتلائی جائے تو ایک عظیم دفتر کی ضرورت ہے۔ مختصراً حضرت کے صبر وشکر رحم وکرم کا واقعہ جس کا ناقل خود شمر لعین ہے تحریر کیا جاتا ہے۔

جب تمام عزیز واقارب اصحاب وانصار حتیٰ اینکہ حضرت کے ششماہا صاحبزادے جناب علی اصغر علیہ السلام نے بھی جام شہادت نوش فرمالیا۔ حضرت نے ایک مختصر سا آخری جہاد بنفس نفیس فرمایا صدہا اشقیائے کوفہ وشام کو واصل جہنم فرمانے کے بعد نہیں معلوم حضرت کو کیا خیال آیا کہ ذوالفقار یعنے تلوار کو نیام فرمالیا۔ جب فوج یزید نے دیکھا کہ حضرت نہتے زخموں میں چور۔ پیاس کی شدت سے مجبوراً اپنے ذوالجناح کی گردن پر تکیہ فرمائے ہوئے ہیں۔ بزدلوں نے ہزاروں کی تعداد میں تیر اور نیزے برسانا شروع کئے لیکن اس پر بھی کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ حضرت کے قریب آئے حضرت زخموں اور شدت پیاس سے مجبور ہوکر زمین پر بحالت بے اختیاری تشریف لائے اور پھر سنبھل کر سجدے میں تشریف لے گئے شمر لعین موقعہ دیکھ کر بارادۂ ذبح خنجر لئے قریب آگیا۔ تیروں کا اسقدر حضرت پر انبار تھا کہ شمر قریب نہیں ہوسکتا تھا ملعون نے کئی تیر حضرت کے جسم مبارک سے خود نکالے اور ذبح کے لئے آمادہ ہوگیا۔ لیکن دیکھا کہ حضرت کے لب ہائے مبارک متحرک ہیں ملعون خیال کیا کہ شاید ہمارے حق میں بددعا فرمارہے ہیں اپنا کان

حضرت کے قریب لے گیا۔ سنا کہ حضرت نے اپنے خالق حقیقی کا شکر فرما رہے ہیں کہ اے خدا میں تیرا ایک عبد فقیر ہوں فدیے تو بہت سارے تیری بارگاہ میں پیش کئے اور خود بھی ابھی حاضر ہوتا ہوں لیکن تیرے لایق میرا کوئی فدیہ نہیں ہے۔ اب یہ تیری بندہ نوازی پر موقوف ہے کہ تو ان میرے فدیوں کو قبول فرمالے۔ مالک میرے میں نے تیرے فضل سے اپنا وعدہ پورا کیا اب تو اپنا وعدہ پورا کر میرے نانا محمد مصطفےٰؐ کی امت کو بخش دے۔ بجز صبرو شکر اور اپنے نانا کی امت کو دعائے خیر سے یاد فرمانے کے کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے روز عاشورہ کے انتہائے مظالم اٹھانے پر بھی کبھی بددعا فرمائی ہو بلکہ اپنے جانشین اپنے صاحبزادہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو آخری رخصت کے وقت اور اپنی عزیز بہن ثانی زہراؑ جناب زینبؑ کو یہ وصیت فرمائے کہ خواہ کیسے ہی مظالم تم پر ٹوٹ پڑیں لیکن بددعا نکرنا بعد شہادت امام علیہ السلام۔ جب شمر ملعون معہ اپنے ماتحتین کے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو جو شدت بخار سے فرش تھے۔ سنگین سنگین دوہری بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑنے لگا۔ جناب زینب علیہ السلام سے دیکھا نہ گیا۔ آپ چاہتی تھیں کہ بال کھول کر بددعا فرمائیں لیکن اُس حالت پریشانی میں جناب امام زین العابدین نے اپنی پھوپی جناب زینب علیہ السلام کو جو نصیحت فرمایا ہے اُس کو شاعر نے بطرز نوحہ نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کیسا صبر اور کیا تحمل آل محمدؐ نے پایا تھا اور کتنا خیال امت محمدی کا تھا۔

دیتے تھے عابدؑ صدا ہ بال نہ کھولو پھوپی ۔ تم کو میرا واسطہ بال نہ کھولو پھوپی۔
کام یہ امت کا ہے وہیاں شفاعت کا ہے ۔ بن کے بگڑ جائے گا بال نہ کھولو پھوپی

یہ شان ہے آل محمدؐ کی کیا کوئی قوم کیا کوئی تاریخ ایسی تمثیل پیش کرسکتی ہے۔ خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے اسلام اور پیروان اسلام کو امام حسینؑ جیسا ہیرو عطا فرمایا ہے جس پر اسلام کو فخر ہے، روز قیامت تک ایسا ہیرو پیدا نہیں ہو سکتا۔
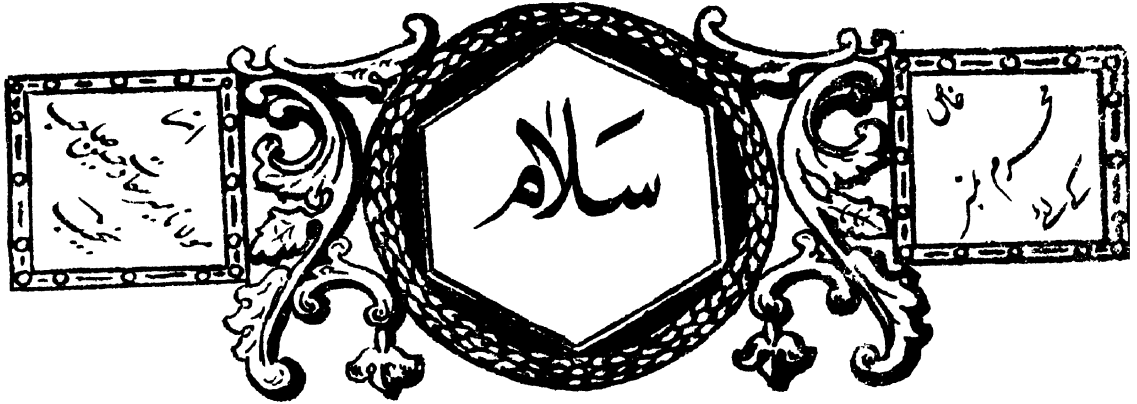
"ع، ب"

[illegible] بزم [illegible]

سلام

از — جناب مولانا سید [illegible] صاحب — نجیب

قیامت ہے کہ پانی بند ہو آلِ محمدؐ پر ❖ رہے جاری طیور و وحش پر، اور دام پر دد پر
دُرِ اشکِ غمِ سرور کی آب و تاب کیا کہنا ❖ تفوق ہے اُسے یاقوت پر لعل و زمرد پر
وہ دل ٹکڑے ہو جس میں غم نہ ہو اولادِ حیدرؑ کا ❖ وہ آنکھ اندھی ہو، جو گریاں نہ ہو آلِ محمدؐ پر
نہ وہ عظمت ہی خسرو کی نہ وہ شوکت ہی دارا کی ❖ اُداسی ہے کہ بس چھائی ہوئی ہے اُن کے مرقد پر
ارے غافل تجھے تو خاک میں اک روز سونا ہے ❖ نہ کر منعم غرور اتنا رواق و طاق و گنبد پر
ترقی خود کرو تم اکتسابِ علم و حکمت سے ❖ وہ ناداں ہیں جو ہیں بھولے ہوئے نامِ اب و جد پر
ملاقاتِ احبا چار دن کی زندگی تک ہے ❖ نہیں آتا کوئی، بھولے سے بھی افسوس مرقد پر
بناتا گر نہ حضرت کو تو یہ عالم ہی کب ہوتا ❖ ظہورِ قدرتِ حق، حصر تھا تخلیقِ احمدؐ پر
بوقتِ جنگ عباسؑ جری کو تھی یہی حسرت ❖ کہ شمرِ بے حیا اے کاش آ جائے کہیں زد پر
ورودِ ابنِ شبیرِ حق سے فوجوں کا یہ عالم تھا ❖ کہ جیسے آہوؤں کا حال ہو ضیغم کی آمد پر
دلِ سجادؑ کی حالت یزیدِ نحس کیا جانے ❖ خبر آزاد کو کیا جو گذرتی ہے مقید پر
جوانوں کی نگاہیں دید سے جنکی جھپکتی تھیں ❖ عجب کچھ شان تھی طفلی میں بھی عونؑ و محمدؑ پر
شہادت پائی جب شہ نے تو گردوں سے ندا آئی ❖ جگر شبیرؑ ہی کا تھا تحمل ظلمِ بے حد پر
نشانی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کے خونِ ناحق کی ❖ نہیں ہیں یہ شفق کی سرخیاں چرخِ زبرجد پر
یہ کیسا انقلابِ دہر ہے کیا قہر ہے گردوں ❖ زمیں پر سیدِ سجادؑ اور تاری ہو مسند پر!
کہوں کس منہ سے حضرت کے لگے تھے زخم کس کس جا ❖ قدم پر، بازوؤں پر، ناصیہ پر فرق پر خد پر
چڑھا جب شمرِ بد صدرِ شہِ والا پر تو شور اٹھا ❖ یہ کیسا ظلم، کیا بیداد ہے بے جرم سیدؐ پر
غضب ڈھایا ستمگر نے کہ شہ کو کر دیا عُریاں ❖ کوئی بجلی گرا دیتا فلک جمالِ مرتد پر
تصدق تیری رحمت کا مجھے بھی بخش دے یا رب ❖ خداوندا تری بخشش ہے یکساں نیک اور بد پر
نجیبِ خستہ جاں کے دل میں بھی شوقِ زیارت ہے ❖ الٰہی اسکو بھی پہونچا شہِ والا کے مرقد پر

شہادت حضرت امام حسین علیہ السّلام کا جانگداز واقعہ سنہ ۶۱ھ کا ہے۔ یہ وہ حادثۂ جانکاہ ہے کہ اگر ہر مسلمان غم امام میں آنسو بہائے تو باعث ثواب ہے۔ کیونکہ امام عالی مقام کے پیارے نانا نے جبرئیل علیہ السلام سے شہادت کی پیشگوئی کو سماعت فرما کر آنسو بہائے تھے۔

امام عالی مقام شہنشاہ کونین تاجدار مدینہ کے لاڈلے نواسے تھے۔ اس محترم ہستی کے مقدس آغوش مبارک کو مقدس نبیؐ کے پاک ہونٹوں نے چوما تھا جن کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ جو حسین سے محبت رکھے وہ میرا محب اور جو ان کا دشمن وہ میرا دشمن ہے۔ یہ ارشاد نبوی حضرت امامؑ کی بزرگی و عظمت کی انتہائی دلیل ہے۔ رسول اکرم کا لاڈلا۔ فاتح خیبرؓ کا نور نظر۔ خاتون جنتؑ کا جگر گوشہ اپنے ہی نانا کی امت کے ہاتھوں دشت نینوا میں بھوکا پیاسا خدا کی مرضی کے مطابق اسلام کی عظمت و وقار کو قائم رکھنے کے لئے شہادت کبریٰ کا عظیم الشان رتبہ حاصل کرتا ہے۔

سیاست دانوں نے شہادت حسینؑ کے متعلق متعدد سیاسی حاشیہ نگاریاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امام محترم نے تاج و حکومت کی خاطر بیعت یزید سے انکار کیا۔ مگر ان متعصب کوتاہ نظر سیاست دانوں کو کیا اسکا علم نہیں کہ ایک مرتبہ امام محترم نے ہدایا و پیشکشی معاویہ کو ٹھکرا دیا جسکی خدا پرستی یہ تھی کہ پاپیادہ پچیس حج کئے اور ایک ہزار رکعت روزانہ پڑھتے تھے۔

ایک سائل بارگاہِ امام حسین کے دروازہ پر آیا اور یہ اشعار لکھ بھیجے۔ ....

لم یبق لی مما یباع بجنسه ✦ فکفاك مظهر حالتی عن مخبری
ما یقیت ماء وجهه ضننها ✦ من ان یباع فقد وجدت المشتری

یعنے میں بے وسیلہ مفلس ہوں اور جو خریدنے کے لئے بھی میرے پاس قیمت نہیں اب صرف عزت باقی رہ گئی ہے اور اُس کا خریدار نہ رہا کہ اب میں اس کو بھی بیچنے پر آمادہ ہوں.... جواب آنے میں تھوڑی سی دیر ہوئی تو سائل نے مندرجۂ ذیل اشعار بھی لکھ کر روانہ کردیے۔

ماذا اقول اذا رجعت وقیل لی ✦ ماذا اصبت عن الجواد المفضل
ان قلت اعطانی کذبت وان اقل ✦ بخل الجواد بماله لم یحسن

یعنے آپ کے دروازہ سے واپس ہوں گا تو لوگ پوچھینگے کہ امام نے تجھے کیا عطا کیا میں کیا جواب دوں گا اگران سے کہوں کہ امام پاک نے مجھ سے سلوک کیا تو یہ جھوٹ ہے اور اگر یہ کہا کہ کچھ نہیں دیا تو مناسب نہیں......... غرض یہ وہ اشعار تھے سائل کے جس کی وجہ سے اس کی کلفت دور ہوگئی۔ اور ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شاعر عرب نے ایک نظم بارگاہِ امام میں پیش کی امام علیہ السلام نے اسی وقت چار ہزار درہم مرحمت فرمائے۔

یہ شان سخاوت و بے نیازی رکھنے والا فرد کس طرح بھی دولت وحکومت کی لالچ نہیں کرسکتا۔ یزید سے بیعت نہ کرنے کا اصلی سبب صرف یہی تھا کہ آپ اسلام کی عظمت پر سیاہ داغ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ ساری دنیا پر روشن ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت امام حسنؑ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ حضرت معاویہ اپنی حیات تک شام کے بادشاہ رہیں گے اور ان کے بعد جمہور۔ جس کو خلیفہ منتخب کرے وہ بادشاہ ہوگا مگر امیر معاویہ نے معاہدہ کا لحاظ نہ کیا اور اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لوگوں سے کرائی اس طرح اس معاہدہ کی خلاف ورزی سے جذبۂ جمہوریت کو (جو اسلام کے لئے باعث فخر و ناز ہے) نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ دوسری بات یہ تھی کہ یزید فاسق و فاجر تھا شراب علانیہ پیتا تھا۔ اس کے اکثر اعمال خلاف شرع تھے۔ حضرت امام حسینؑ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ یزید کی بیعت سے اسلام کے جذبۂ جمہوریت کو مٹائیں۔ آپ کا ہرگز یہ منشا نہ تھا فاسق و فاجر ظالم و مغرور کے ہاتھوں بیعت کرکے استبدادیت کی لعنت اسلام میں شروع کریں چنانچہ اسی مطمح نظر کی خاطر امام عالی مقام نے مکہ و مدینہ چھوڑا۔ اسلام کی عظمت و محبت

آپکے فلک الطبر غیر معمولی تھی۔ کیوں نہ ہو آپ اس عالی مرتبہ نبی کے نواسے تھے جس نے راہ حق میں مصیبتیں جھیل کر آوازِ حق و صداقت دُنیا کو سنائی۔ اور محنتِ شاقہ سے پیامِ حق کی اشاعت کی اور دُنیا کی ظلمت کو دور کیا اور اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر دیا۔ کیا اس عالی مرتبہ شہنشاہ کونین کے پیارے شہزادہ کا فرض نہیں تھا کہ باغِ اسلام کی آبیاری اپنے پاک خون سے کر کر اس کو جملہ آلائشوں سے پاک کر دیتے

امام عالی مقام نے مکہ معظمہ کو اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ یزید کی افواج کا ڈر تھا۔ بلکہ آپ نہ چاہتے تھے کہ آپ کی وجہ سے افواج یزیدی کعبہ کی بیحرمتی کریں۔

مدینہ طیبہ کو آپ نے خیرباد اسوجہ سے نہیں کیا کہ آپ پر یزید کا رعب طاری تھا بلکہ اس لئے کہ روضۂ نبوی کی بے ادبی ہوگی۔ آپ حکومت و فرمانروائی سے اسقدر بیزار تھے کہ آپ نے یزید کو کہلا بھیجا کہ بیعت پر مجبور کرے اور آپ کو ہندوستاں کی طرف جانے کی اجازت دیدے۔ مگر یہ کیسے ہوتا۔ خدا کو تو یہ منظور تھا کہ قربانی کی مثال مسلمانوں کے لئے قائم کر دے۔ چنانچہ ویسے ہی اسباب قدرت نے پیدا کئے۔ اہالیان کوفہ نے حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ وہ دغا کی کہ مسلمانوں کے ماتھے پر ہمیشہ کے لئے یہ کلنک کا ٹیکہ رہیگا کہ نانا کے امتی اس کے نواسہ کو دھوکا دیں۔ افسوس۔ کوفہ والوں نے آپ کے پاس ڈیڑھ سو خطوط روانہ کئے کہ اگر آپ کوفہ تشریف لائیں تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ کوفیوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو امام محترم جانب کوفہ چلے۔ مگر دعوت دیکر مہمانوں کے ساتھ کوفیوں نے دغا کی۔ جب امام عالیمقام کوفہ کے قریب پہنچے تو سارے کوفی یزیدی فوج میں شامل ہو گئے۔ آپنے ذرّہ برابر بھی پریشانی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اہلبیت سے ارشاد عالی ہوا کہ۔ الحمد للہ مشیت الٰہی کی تکمیل کا یہی مقام ہے۔

دریائے فرات کے کنارے دشت نینوا میں کربلا کے مقام پر امت محمدی کو زندہ جاوید کرنے والا امام۔ عالم اسلام پر صدق و حق کا اعلان کرنے والا امام۔ فسق و فجور کا صبر کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنے والا امام اپنے نانا کی امت کے گناہوں کے مقابلہ میں بھوکا و پیاسا شہید ہونیوالا امام برضا و رغبت خود حق کی پیشگوئی کی تکمیل کے خاطر خیمہ زن ہوا۔

میدان حق و صداقت کے نبرد آزما صرف (۷۲) تھے۔ اور بقول ناسخ التواریخ ۲۳۷

ابن زیاد کی فوج کم از کم بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ اکیاون ہزار تھی۔ اہلبیت کا ایک فرد ایک ہزار اشقیا سے مقابلہ کرنے آمادہ تھا۔ ۷ محرم سے ظالموں نے مظلوم اہلبیت پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ بیعت یزید کرو ورنہ قتل کئے جاؤ گے محبان حسینؑ اندازہ کرو کہ اگر موسم گرما میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈا پانی نہ ملے تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے۔ تو دشت عرب کے لق و دق میدان میں جہاں کی گرمی و تپش آفتاب مشہور ہے پانی نہ ملے اور پھر جبکہ دریائے فرات کا صاف وشفاف پانی سامنے موجیں مار رہا ہو تو پیاس کی شدت کا کیا حال ہوگا۔ مگر صبر ورضا کا شہزادہ انتہائی صبر واستقلال کے ساتھ حق وصداقت کی خاطر تکالیف ومصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دس محرم کو زوال کے بعد جنگ کا آغاز ہوا۔ امام علیہ السلام نے ابن زیاد کی افواج کو مخاطب کرکے نہایت ہی عالمانہ خطبہ دیا۔ عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ ظلم وشقاوت کو چھوڑنے کی طرف متوجہ کیا۔ آل رسول واہلبیت امام کی عظمت یاد دلائی مگر ظالموں کے کان پر جوں بھی نہ رینگی بلکہ نہایت ہی شقاوت قلبی کے ساتھ نوجوان اور بوڑھوں کو یکے بعد دیگرے جام شہادت پلایا۔ حتیٰ کہ اصغرؑ پیارا چھ مہینہ کا دلارا پیاس کی تکلیف میں نشانۂ تیر بنا۔ آسمان وزمین پر ایک تہلکہ بپا تھا کہ اسلام کی صداقت پر دنیا میں دوسری قربانی ہو رہی ہے ایک وہ قربانی تھی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب دلائی مگر یہ سچی قربانی ہے جو ۱۰ محرم کو دشت کربلا میں ظہور پذیر ہوئی۔

خاتم النبیینؐ نانا کے عظیم الشان نواسہؑ کو شہادت کبریٰ کا مرتبہ ملا دنیا کے سامنے اطاعت الٰہی صبر ورضا کی بہترین مثال پیش کردی جو قیامت تک اسلام کی روح بنی رہے گی۔ اور اسلام جیسے آج تیرہ سو سال سے اس صبر ورضا کے مجسمہ کی یاد تازہ رکھ کر ہر سال نئی روح اپنے جسم میں محسوس کرتا ہے ویسے ہی انشاء اللہ تاقیامت اس رسول پاک کے نواسے کے صدقہ میں اسلام زندہ رہیگا اس نظریہ کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

مذہب اسلام صبر و رضا صداقت حق پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کا فرض ہے کہ مشیت الٰہی پر گردن خم کر دے صبر و رضا اپنا مسلک قرار دے۔ حق و صداقت مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہو اگر آلِ رسولؐ کا یہ درخشاں ستارہ ان اوصاف اسلامی کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتا۔ صداقت یزید کی بیعت کر لیتا۔ آزمائش خداوندی کے وقت صبر و رضا کو چھوڑ دیتا تو یقیناً اسلام کو وہ دوامی زندگی نصیب نہ ہوتی۔ جس پر آج ہم مسلمانوں کو فخر ہے۔ خداوند حقیقی کو یہ منظور تھا کہ وہ جیسے رسول محترم کی زندگی کو مسلمانوں کے لئے نمونہ بنا دیا ویسے ہی رسول کے محبوب ترین نواسہ کو شہادت کا تاج پہنا کر اسلام کی عظمت کو برقرار رکھے۔

مسلمانو! شہادت حسینؑ پر سیاسی حاشیہ نہ چڑھاؤ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو عین رضائے الٰہی کے موجب ہوا۔ جس کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا کہ وہ ہستیاں جو اسلام کی سچی محبت رکھتی ہیں کس طرح مذہب کا وقار و احترام قائم رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اہلبیت کے معصوم بچے پاک و اطہر بیبیاں جس صبر و استقلال کے ساتھ مشیت الٰہی کے سامنے جھک گئیں ہم مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے بہترین درس ہے۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی ہم اپنے مذہب کے خاطر ایثار کریں تو الحمد للہ بیڑا پار ہے۔

خداوند بطفیل رسول ہاشمی و شہدائے کربلا ہمیں جلتر ہمت۔ ایثار و صداقت۔ و ایمان عطا فرما آمین۔

ضروری اطلاع:۔ "محرم نمبر"

ماہ مئی و جون کا یکجائی نمبر ہے۔ لھذا آیندہ مہینہ کے پرچہ کا انتظار نہ فرمائے۔ جولائی میں "سفینہ" "میلاد نمبر" شایع کریگا۔ رجب میں "سالگرہ نمبر" اور اس کے بعد ہی نونہال نمبر نکلے گا۔ "میلاد نمبر" کے پہلے بہتر مضمون پر ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا۔ تفصیل "احوال مائیں ملاحظہ"

مینیجر
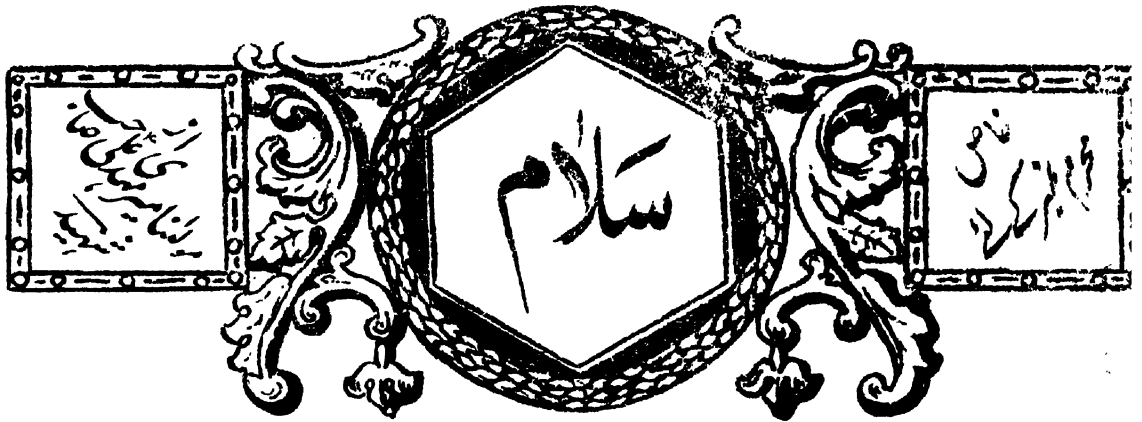
جگر میں داغ دل میں اُلفتِ شبیرؑ رکھتے ہیں ✤ ہم اک پہلو میں قرآں ایک میں تفسیر رکھتے ہیں

زمیں پر ہاتھ پہلے ٹیکے یعنی زلزلہ روکا ✤ تہِ خنجر گلا اب حضرتِ شبیرؑ رکھتے ہیں

جدھر کروٹ بدلنی چاہتے ہیں حضرت عابدؑ ✤ اوٹھا کر ہاتھ سے پہلے اودھر زنجیر رکھتے ہیں

شہید اپنا کفن خاکِ شفا سے ہمنے لکھا ہے

دکھا دیں گے سرِ محشر کہ یہ تحریر رکھتے ہیں
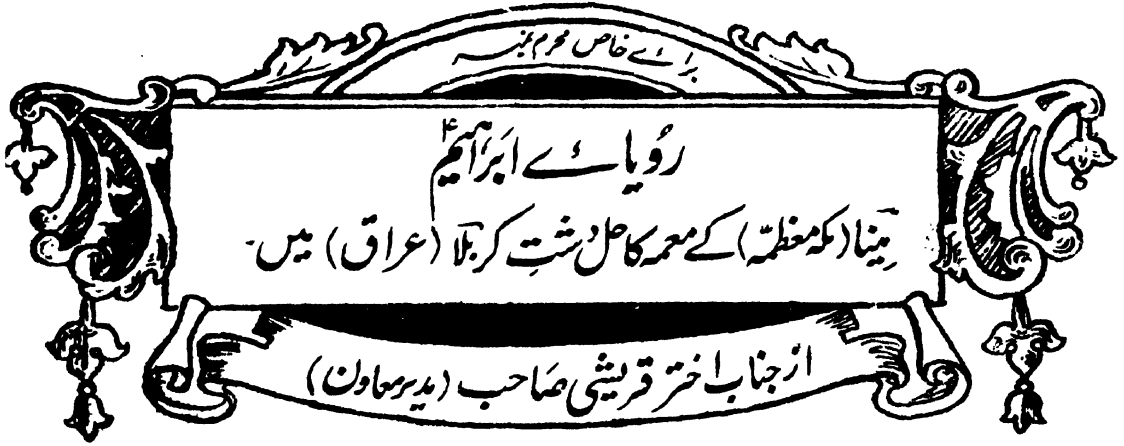
حضرت ابراہیمؑ اجمال تھے، اور حضرت محمد مصطفےٰؐ اس اجمال کی تفصیل۔ حضرت اسمٰعیلؑ ایک آرزو تھے اور ایک عزم، اور حضرت امام حسینؑ اس عزم و آرزو کی عملی تعبیر۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو شہید ہونے سے اس لئے بچا لیا گیا کہ اُن ہی سے ایک نسل پیدا ہونے والی تھی، لیکن جب اُس نسل یا امّت کو خطرہ لاحق ہوا تو حضرت امام مظلومؑ کی قربانی منظور کر لی گئی۔ جس امّت کے لئے جگر گوشۂ ابراہیمؑ کو بچایا گیا۔ اس کی بقا اور سرسبزی کے لئے حضرت محمد مصطفےٰؐ کے خون کا آخری قطرہ قربان ہو گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ عزم جہاد کا غنچۂ ناشگفتہ تھے، اس لئے محفوظ رہے، حضرت حسین ایک شاداب پھول بن کر میدان میں آئے اور توڑ لئے گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کا ولولۂ قربانی، حضرت حسینؑ کی شہادت پر منتہی ہوا۔ اور امّت کی بقاء کا راز یہ ہوا کہ مسلمان خواہ اسمٰعیلؑ کی طرح زندہ رہے اور خواہ حسینؑ کی طرح (راہ حق میں) شہید ہو، اس کی زندگی، اور موت دونوں ملّت کے لئے ہوں۔"

مینا کے غیر آباد اور ویران میدان میں، ایک صبح، جب کہ ساری دنیا نیند کے میٹھے میٹھے مزے لے رہی تھی، ہاں! اُسی وقت جبکہ خورشید خاور اپنی تمازت انگیز روشنی کے ساتھ رونمائی کیا چاہتا تھا! .... کہ ایک ضعیف لیکن مقدس ہستی جو عجیب وغریب ہتیار سے مسلح تھی، نمودار ہوئی، اس دلی صفت ہستی کے وارد ہونے کے اسباب غیر ظاہر تھے! کسی نہ کسی مخصوص مہم کے گھرے انہماک کی وجہ اس کو تھوڑا سا آرام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُس کی ظاہری حالت، اس کے دلی جوش اور ولولہ کی آئینہ دار تھی اور شکل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنے فرض کی انجام دہی میں ایک لحظہ کی تاخیر بھی اس کے لئے باعث صد اضطراب ہو رہی ہے۔ آیا وہ اپنی ذاتی اغراض کے انجام پر تلا ہوا تھا، یا کسی دشمن سے انتقام لینا چاہتا تھا، یہ اس کے بشرے سے عیاں نہ ہو سکا!

گر نہیں! .... میں وہاں کیا دیکھ رہا ہوں! .... ایک بچہ! .... ایک نوجوان!!.... رب السّموات آخر یہ کون ہوں گے؟

ضعیف :- "میرے پیارے بچے! یہ کس قسم کی تاخیر ہے؟"

نوجوان :- پیارے ابّا! نہیں کسی قسم کی تاخیر نہیں۔ خدا کے لئے عجلت فرمائے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں کسی طرح کا تامل نہ کیجئے، ....

آہ! ...... باپ اور بیٹا ...... ! الٰہی ..... یہ کیا معاملہ ہے؟ .... یہ ہتیار کس لئے؟ .... یقیناً بعید از فہم! .... اور سراسر!!

اُس مقدس ضعیف کا نام اور کام غیر ظاہر تھا۔ وہ نو عمر لڑکا بخدا .... خوبصورتی، نوجوانی، ایثار اور دلیری کی کیسی سچی عدیم النظیر مثال تھی۔ کیا؟ .... یہ قربانی کی تیاری تھی؟ کسی آسمانی حکم کی تعمیل میں! الٰہی! ایک نوجوان، خوبصورت، اور کمسن، اور یہ جوش سرفروشی.... ننھا سا دل اور بڑھی ہوئی اُمنگیں! شمشیر سے گھائل ہونے کی پرواہ نہیں۔ اپنی عزیز ترین جان کو آسمانی حکم کی تعمیل میں قربان کرتے ہوئے ذرہ برابر بھی ہراس کا اظہار نہیں!!!

یہ میرے لئے ایک معمہ تھا، ایک چیستاں، جس کا حل....... میں نے خیال کیا کہ قریب کی جھاڑیوں میں چھپ جاؤں...... ہاں! اور دیکھوں کہ کیا ہونے والا ہے؟ اس لئے کہ اُس محترم ضعیف کا ہر ایک فعل مافوق العادت اور عمیق ترین راز کا حامل تھا!......

یہ کیا...... ؟ لڑکا کمال عقیدت اور سچے دل کے ساتھ اپنی مُہوم تا پا سر بسجود ہوا!..... اور باپ!!...... اے حاکم الحاکمین!...... کیا عجب منظر!..... شمشیر بُرّاں لخت جگر کے حلقوم کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی ہے......... اُف! کیا بھیانک منظر!...... (میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا) اُوہ...... کیسا مہیب واقعہ! پناہ بخدا! کس قدر ہیبتناک نظارہ!———

مجھ سے رہا نہ گیا...... قریب تھا کہ چلا اُٹھوں! "خبردار! خبردار!! اے بزرگ محترم! بس، بس ہاتھ روک لو، ورنہ..........."

اُس ضعیف نے اپنی تلوار کو زمین پر انتہائی غصہ کے ساتھ پھینکدیا، اور اس کو بیوفا اور بے ایمان کہنے والا ہی تھا کہ تلوار سے یہ صدا اٹھی "اے خلیل اللہ! تو مجھے حکم دے رہا ہے کہ ذبح کروں اور اس خالق ذوالجلال کا (جس کے حکم کی تعمیل کو تو نے اپنا فرض جانا) میرے لئے یہ حکم ہے کہ ذبیح تو کجا ایک خراش بھی آنے نہ پائے"!۔

اب بھی یہ سارا معاملہ میری سمجھ اور عقل سے بالاتر رہا۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ یہ ایک قدرتی راز ہے، اس میں دخل دینے کی کس میں جرأت ہو سکتی ہے......... مجھے منتظر رہنا اور دیکھنا چاہئے کہ کیا ہونے والا ہے؟...... دفعتہً...... آسمان سے ایک مقدس بھیڑ، قدرتی نور اور روشنی کے ساتھ اس جگہ اُترا.....

کیا یہ تمام خواب تو نہیں تھا...... نہیں! ہرگز نہیں!!..... تعجب اور حیرت کا کون مقام ہے، جس نے اس مشت خاک کو جان اور قوت تکلم عطا کیا ہے، وہی اس تلوار کو بھی گویائی کی طاقت بخشا، اور آسمان سے زمین پر بھیڑ اُتارا ہے۔

اُس محترم بزرگ نے بھیڑ کو لئے ہوئے اُسی جگہ واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس کا لڑکا رسی کے ان تمام مضبوط بندھنوں سے بالکل آزاد کر دیا گیا ہے، جن میں وہ اس آسمانی تحفہ کو پکڑ لانے سے قبل بندھا تھا۔ اور لڑکا بالکل آزاد کھڑا ہے .... ضعیف کو یہ نظارہ نہ بھایا .... اُس کی آنکھوں سے حیرت اور ندامت کے آنسو رواں ہوئے۔ یہانتک کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا ......

چاروں طرف بالکل خاموشی طاری تھی! ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہر چیز سے گویائی اور حرکت نابود ہوتی جارہی ہے! .... لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ہوا کی سنسناہٹ نے زمین اور آسمان ایک شور برپا کر دیا۔ .... یہ شور بڑھتا ہوا ایک صدا .... ایک غیبی آواز .... میں مبدل ہو گیا۔ آواز دور ...... اور بہت دور سے آرہی تھی .... ندا آئی ..... "اُے میرے خلیلؑ! تو اب آہ و زاری نہ کر، کیوں کہ تو اپنے جگر گوشہ اسمٰعیلؑ کو ذبح نہ کر سکا! بجائے اس کے میں نے تیری ہی نسل میں سے ایک کی قربانی کو دین ملت کی فلاح کے لئے منظور کر لیا ہے ...... اُس کی یہ قربانی "شہادت عظمیٰ" ہوگی ...... !"

اب ضعیف کے ہوش و حواس درست ہو چکے تھے ......

ہاتفِ غیبی نے سوال کیا "اے اللہ کے دوست! تو کس کو زیادہ عزیز رکھتا ہے؟"

ابراہیمؑ نے بصد ادب عرض کیا "خلّاق عالم! جو تیرا محبوب ہے۔"

ندا آئی کہ "کیا محمدؐ کی آل و اولاد و ذرّیات کو بھی تو عزیز رکھتا ہے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "پروردگار! میں اپنی آل و اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں"

وحی نازل ہوئی کہ "اے ابراہیمؑ اوپر دیکھ!!

اس حکم کی تعمیل میں ابراہیمؑ نے آسمان کی طرف دیکھا .....

آسمان اور زمین کے درمیان جو مجازی پردے حائل تھے، وہ حکم رب سے یک دم اٹھا لئے گئے اور ابراہیمؑ نے وہاں کیا دیکھا؟ ....

فکشف الغطا یوم عاشورہ

(پردے ہٹا دیئے گئے، اور ابراہیمؑ نے وہاں عشرہ کا دن دیکھا۔)

آفتاب کی تمازت سے جلتے ہوئے میدان کربلا میں تیروں کی بارش کے باوجود ابراہیمؑ نے تمام مسلمانوں کو خدائے واحد کی عبادت میں مشغول دیکھا۔ خورد سال بچے شدت تشنگی کی وجہ اپنی سوکھی زبانوں سے ہونٹوں کو ترکر رہے تھے۔ اور شہیدوں کے سردار حضرت امام حسین علیہ السلام کے وفادار اور اُن کے شیر دل بھائی حضرت عباسؑ، ان کے نوجوان اور حسین فرزند حضرت اکبرؑ دشمنوں کی فوج کو کاٹ کر آگے نکل جانے اور اُن معصوم اور پردہ نشین مظلوموں کے لئے تھوڑا سا پانی لانے کی دلیرانہ سعی کر رہے تھے۔ یہانتک کہ ان شجاعانِ میدان میں سے ایک ایک نے یزید کی فوج کے ہزارہا آدمیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر دلیرانہ انداز میں حسینؑ کی اعانت، حق کی پاسبانی، اور خدا کی راہ میں شہادت کا جام نوش کیا۔ ان تمام مصائب و آلام میں حضرت سید الشہداء حسینؑ کا غیر متزلزل اور عظیم ترین صبر قابل قدر تھا۔ اور باوجود آپ کے عزیز ترین اقربا کی شہادت و نیز چھ ماہ کے خورد سال معصوم علی اصغرؑ کی موت کے آپ نے صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اُن شقی القلب دشمنانِ دین کے دل کسی طرح بھی پسیجنے نہیں پائے اور اُن کی طرف سے امام ہمامؑ پر مزید مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جانیکا ارادہ ہو رہا تھا۔

حضرت حسینؑ کے رفقاء کے رونے اور آہ و بکا کے فلک شگاف نعرے، اور میدان جنگ کے خونین مناظر نے حضرت ابراہیمؑ کے جسم کا خون منجمد کر دیا۔ اور میدانِ کربلا کے خونی تالاب میں شہداء کے سروں کا تیرنا، اور اپنی آیندہ نسل کے بے سرے جسموں کو یزید پلید کی وحشی فوج کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے کچلا جانا دیکھ کر آپ بے اختیار ہو گئے، آنکھیں بجائے آنسو کے خون اُتر آیا..... ہاتھ یکبارگی آسمان کی طرف بلند ہوئے.... اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان نے بارگاہِ رب میں اس کے دوست کا یہ معروضہ پہنچایا کہ "اے رحمان و رحیم اپنی امت کو بخشدے!" اُسوقت کائنات کا ہر ذرہ خوفناک اور مہیب صدمات کو محسوس کر رہا تھا..... کہ..... مہیب اور ہیبتناک آوازیں تمام فضا میں گونج اٹھیں، اور شہیدوں کے سردار حضرت امام حسینؑ..... کی شہادت کا اعلان کرنے لگیں..... بخدا! قیامت تک..... امام مظلوم انسانی تاریخ کے خونین اوراق پر ایک عدیم النظیر..... ایک عظیم ترین شہید کے لقب سے مشہور رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق　٭　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔　　(ترجمہ)

فاطمہ بنت عبداللہ
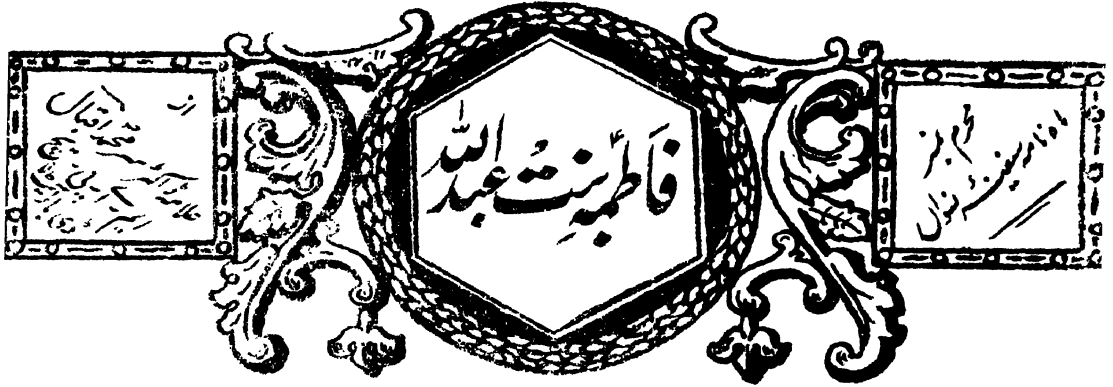
(عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی)

فاطمہؓ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ❊ ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی ❊ غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ❊ ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ❊ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہؓ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے ❊ نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے ❊ ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں ❊ پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں ❊ آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور ❊ دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور

جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے ❊ جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

(ماخذ)

خاص محرم نمبر کے لئے

مصیبتِ عظمیٰ

از محترمہ کبریٰ بیگم صاحبہ مسز ڈاکٹر آقا سید حبیب اللہ صاحب شیرازی

امام حسینؑ کی مصیبت ہے جس میں تمام عالم، آسمان و زمین، عرش و کرسی، لوح و قلم، حور و غلمان، حیوانات و نباتات اور اشجار و انہار روئے ہیں اور تا قیامت روتے رہینگے۔

اے آقائے مظلوم کے رونے والو! روز عاشورا اس غم سے ہوا میں تموج پیدا ہوگیا۔ آفتاب میں گہن لگ گیا۔ ملائکہ نے تسبیح و تہلیل چھوڑ دی ارض و اشجار سے خون جاری ہوا آسمان و زمین کے درمیان تاریکی چھاگئی زمین کو زلزلہ ہوا پہاڑ مضطرب اور شق ہوگئے دریا طلاطم میں آگئے۔ اور مچھلیاں دریا سے باہر نکل پڑیں تھیں۔

اے عزائے امام مظلوم میں اشک خونیں بہانے والو! ضبط گریہ ماتم سبط خیرالوریٰ شہید جور و جفا مظلوم دشت کربلا میں کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر آجتک امام حسین علیہ السلام جیسا کوئی غریب شہید، مظلوم صفحہ ہستی پر نہ گزرا ہے نہ گزریگا۔ خیال تو کیجئے کہ مولا نے روز عاشورا صبح سے عصر تک کیسے کیسے صدمے اٹھائے مسلم ابن عوسجہؓ حبیبؓ ابن مظاہرؓ حرؑ ابن ریاحیؓ، وہبؓ کلبیؓ، عونؑ و محمدؑ، قاسمؑ ابن حسنؑ، عباسؑ علیؑ اکبرؑ جری، اصغرؑ معصوم، عبداللہؑ صغیر، اس طرح (۷۲) عزیز و انصار کا مرنا دیکھا ان کی لاشیں اٹھائیں۔ چنانچہ ان مصیبتوں کو سرزمین پاک ایران کا ایک جلیل القدر شاعر کہتا ہے جس کا ہر شعر اک دلخراش مرثیہ ہے۔ ....

گردشِ چرخ کجا صاحبِ توقیر کجا / ناگنہ کرد کجا شدّتِ تعزیر کجا

ہر چہ بر آلِ نبیؐ آمدہ روزِ عاشور / تابِ تقریر کجا قوتِ تحریر کجا

گشتہ پامال تہ سُمِ ستوراں قاسمؑ / گل کجا صرصرِ آتشکدہ تاثیر کجا

قطع شد بازوے سرزور ز مشک آب بریخت / جہد عباسؑ کجا خواہش تقدیر کجا

رفت برباد شباب علیؑ اکبر بہ سناں / داغ فرزند کجا آں پدر پیر کجا

برکف شاہ علی اصغرؑ ناداں جاں داد / تیرِ سہ شعبہ کجا گردنِ بے شیر کجا

بود شبیر سراپا ز جراحت پُر درد / آں تنِ نرم کجا نیزہ و شمشیر کجا

از لعابِ دہنِ احمدِ مرسلؐ پرورد
لب کجا سنگ کجا حلق کجا تیر کجا

"مس کبرا حبیب اللہ بمبئی"

میلاد نمبر کے پہلے

بہترین مضمون پر "منجانب ادارہ" ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا۔ مقابلہ میں صرف خواتین ہی شرکت فرماسکیں گی، تفصیلی حالات "احوال ما" میں پڑھیے۔
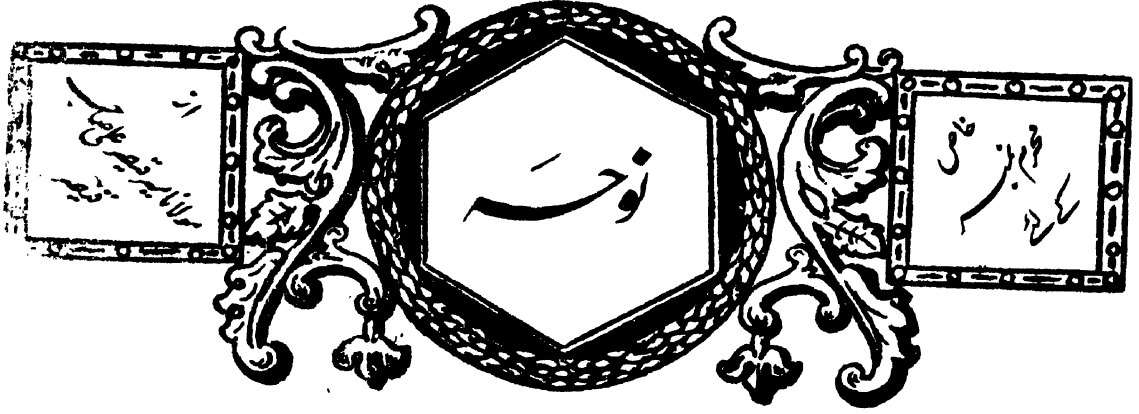
لاشِ اصغرؑ پہ یہی کہتی تھی ماں پیٹ کے سر! میرے بے شیر پسر!!
تو تو دنیا سے گیا ماں کو بنایا مضطر! میرے بے شیر پسر!!
تو نہ دنیا میں جیا۔ ستم اعدا نے کیا
میرے بے شیر پسر
تجھ کو پانی نہ دیا۔ خون گردن پہ لیا
کمسنی پر تری ظالم کو نہ رحم آیا ذرا۔ اے مرے ماہِ لقا
تیر بھی مارا جدا تن سے کیا تیرا سر! میرے بے شیر پسر
تھا تو محنت سے پلا۔ آئی تجھ پر یہ بلا
میرے بے شیر پسر
ہائے کچھ بس نہ چلا۔ چھد گیا تیرا گلا
سوتا اب کیوں ہے پڑا دھوپ میں میرے جانی۔ لگیا کیا پانی
جھولا خالی ہے پڑا آ! کہ سُلائے مادر۔ میرے بے شیر پسر
خوں بھرا کُرتا اتار۔ مجھ کو ماں کہہ کے پکار
میرے بے شیر پسر
ماں ہو لاشے کے نثار۔ میرے بھولے دلدار

کوئی منت بھی بر آنے نہ پائی تیری تھی یہ حسرت میری
کہ بناؤں تجھے زوّار جناب حیدر! میرے بے شیر پسرا!
سال بھر کا نہ ہوا۔ اے میرے ماہ لقا
میرے بے شیر پسر
کھا گئی تجھ کو قضا۔ ہائے پھولا نہ پھلا
پھر مرے پاس کب آئیگا ذرا منھ سے تو بول۔ اپنی آنکھوں کو تو کھول
ننھی سی لاش کے اس صدقہ ہو میرے دلبرا میرے بے شیر پسرا!
شب کو ڈرتا نہ کہیں۔ اے مرے ماہ جبیں
میرے بے شیر پسر
اے میرے ماہ مبیں۔ اے میرے طفل حسین
اوس کے جو کچھ کہ مقاصد ہیں وہ سب بر لا دئے کہہ کے پیغمبر سے
متفکر ہے بہت اب تیرا ذاکر قیصر! میرے بے شیر پسرا!

معزز معاصر رہبر دکن

کی رائے ہے کہ "ادارت ..." نسوانی ترقی کو، مشرقی قابل غور روایات نسائی کے ساتھ وابستہ رکھنا چاہتی ہے۔ اس لئے یہ پرچہ ہماری لڑکیوں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا۔ ایسے پرچوں کی ناقدری قومی خودکشی کے مرادف ہوگی ......

(رہبر مورخہ ۱۶ ار تیر ۱۳۴۱ف م ۲۱ مئی ۱۹۳۲ء)
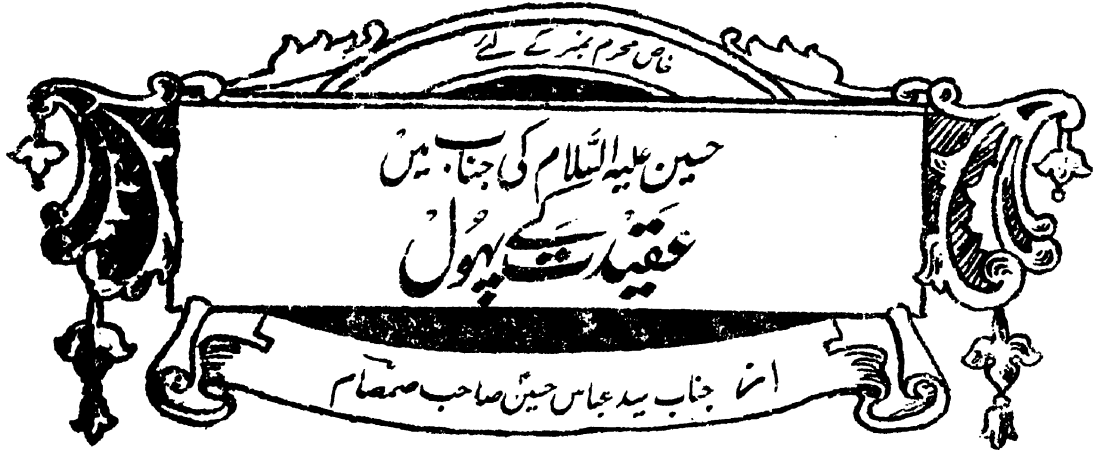
اس کشتی امت کو غرقاب بلا سے بچانے والے! اے ارض نینوا میں مصیبت پر مصیبت اٹھانیوالے! اے اپنے عزیز اور رفقا کو راہِ حق میں کٹانے والے اور صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بھرے گھر کو دو پہروں میں لٹانے والے! اپنے دوستوں اور عزاداروں کا سلام لے۔

اے باغ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھول، اے جانشین رسولؐ! اے یادگار زوج بتولؑ! دنیا تیرے اور تیرے نام کے شرف بزرگی کی قائل رہی ہے اور رہے گی واقعا جو اتمام کہ تو نے دشت کربلا میں کیا ہے وہ صفحۂ روزگار پر یادگار رہیگا اور تا قیام زمین و آسمان خون کے آنسو رولاتا رہیگا۔ حسینؑ آقا تیرے صبر و رضا پر صرف بشر ہی کیا سارے جن و ملک فدا و نثار ہیں

اے شہیدوں کے سردار! اے بہترین طاعت گزار! اے خدائے پاک کے فرمانبردار! تیری عبادت، عبادت تیرا تقویٰ، تقویٰ تیرا صبر، صبر تیری رضا، رضا اور تیری وفا، وفا ہے تو نے مولا! خداوند پاک کی وہ اطاعت و فرمانبرداری کی کہ ملائکہ مقربین سے نہ ہو سکی تو نے میدان کربلا میں صبر کے وہ جوہر دکھائے جنھوں نے انبیائے ماسلف کو حیران و پریشان کر دیا۔ اگر تیرے بزرگوار غیر فرار حیدر کرار نے زور شمشیر سے اسلام کے نام کو روشن فرما کر دنیائے اسلام پر احسان کیا تو تو نے بھی اس نام کو برقرار رکھنے کے لئے جو خدمات عالیہ بجا لائے وہ تا قیامت یاد رہیں گے۔

اے اوّلین مجاہد اسلام! اے مومنین و مومنات کے امام! اے مالک خدائی! اے اسلام کے فدائی! تو نے رسول مقبولؐ کی گنہگار امت کی بخشائش کے لئے درگاہ ایزد منان میں کیسے کیسے گراں بہا ہدیہ پیش کئے کہ عقل انسانی دنگ اور حیران ہے۔ مولا تو نے ایسے اصحاب جو جناب رسالتمآب کے اصحاب سے کسی طرح کم نہ تھے۔ قاسم ابن حسنؑ جیسے بھتیجے عونؑ و محمدؑ جیسے بھانجے عباسؑ جیسے برادر اور علی اکبرؑ جیسے فرزندوں کی قربانی ہم گنہگاروں کے لئے قبول فرمائی۔

اے سید معصوم! اے آقائے مظلوم! افسوس صد افسوس کہ ہم سے تیرے خدمات عالیہ کا شکریہ جو کسی طرح ان خدمات کے لایق ہو کیونکر ادا ہو سکے۔ یہ ہماری ناپاک آنکھوں کے آنسو جو تیرے غم میں جوش محبت سے بہا رہے ہیں۔ اور بہاتے رہیں گے ان سے تیرے اُن خدمات عالیہ کا جن سے دنیا کی تاریخیں بھری پڑی ہیں ہرگز شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

رُباعیات

از جناب پنڈت راج ناراین ارمان دہلوی

آئینۂ قلب کو جلا دیتا ہے ؛ سب ہستی اوہام مٹا دیتا ہے
عرفاں میں کرامات ہے ارماںؔ ایسی ؛ یہ عبد سے معبود بنا دیتا ہے

اس درد کا کوئی نہ مداوا نکلا ؛ دل خون ہوا تو درد دل کا نکلا
تھی جان سوا وہ چلی ہے ارماںؔ ؛ اچھا ہوا ایک یہ بھی کانٹا نکلا
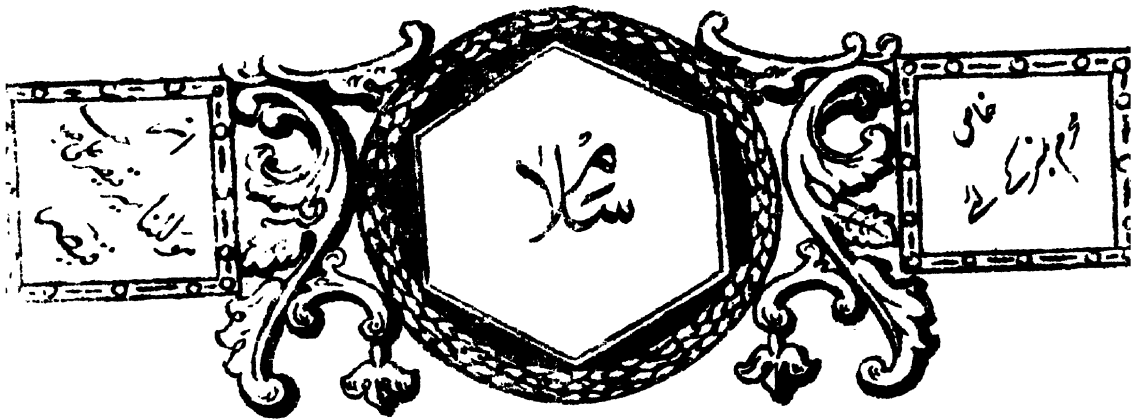
سر سرور کو جو نیزہ پہ چڑھایا ہوگا ؎ مجرئی خلق میں محشر نظر آیا ہوگا۔
متولد ہوئے حیدر حرم خالق میں ؎ یہ شرف اور کسی نے نہیں پایا ہوگا
قول معصوم ہے واجب ہے بہشت اُس کے لئے ؎ جس نے آنسو غم سرور میں بہایا ہوگا
فوج جسطرح سے چھائی تھی شہؑ والا پر ؎ نہ کبھی ابر بھی اس طرح سے چھایا ہوگا
دیکھ کر سوئے فلک کہتی تھی رو کر صغراؑ ؎ پھر بھی ملنا مجھے بابا سے خدایا ہوگا؟
ایک بجلی سی شہؑ دیں پہ گری ہوگی ضرور ؎ نیزہ اکبرؑ نے کلیجہ پہ جو کھایا ہوگا
سینۂ شاہؑ پہ سوتی تھی سکینہؑ ہر دم ؎ چین بالائے زمیں کیا اُسے آیا ہوگا
اہلِ کوفہ کی طرح اور کسی امت نے ؎ آل کو اپنے نبیؐ کے نہ ستایا ہوگا

خوف قیصر تجھے کچھ مرقد و محشر کا نہیں
تیرا حامی اسدؑ اللہ کا جایا ہوگا۔
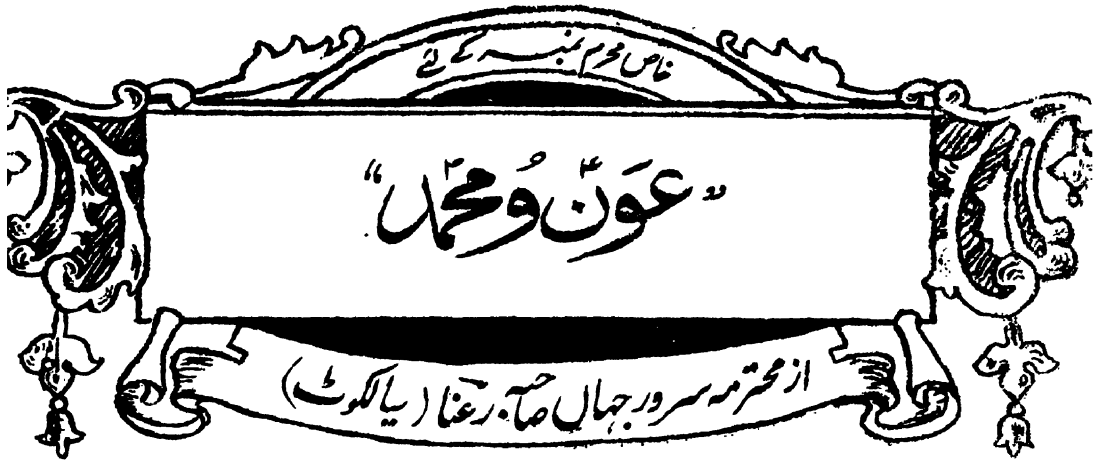
آہ! کون ایسا شخص ہوگا جو کربلا کے قیامت انگیز واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہوگا۔ اس مصیبت خیز سفر میں امام حسین علیہ السلام کی خواہر محترمہ بی بی زینبؑ معہ اپنے دونوں چاند سے بچوں عونؑ و محمدؑ کے ہمراہ تھیں بچوں کی عمریں اس وقت نو اور دس برس سے متجاوز نہ تھیں، لیکن شہادت حاصل کرنے کا وہ پاک جذبہ جو خاندانِ سادات کے ہر فرد کے سینہ میں مشتعل ہو چکا تھا۔ ان دونوں معصوموں کے بحرِ دل میں بھی طوفان بپا کر رہا تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام کے متعدد ہمراہی جامِ شہادت نوش کر چکے۔ اور اپنی شیریں جانیں شمع صداقت پر پروانہ وار نثار کر چکے تو عونؑ و محمدؑ کے سینوں میں جو چشمہ دیر سے اُبل رہا تھا۔ پھوٹ نکلا۔ دونوں بھائی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت حاصل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ اتنے میں فضّہ لونڈی حاضر ہوئی۔ اور عرض کی

"آپ کو بی بی زینبؑ یاد فرماتی ہیں"۔ دونوں لال ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن دیکھا ماں کا چہرہ غصّہ سے تمتما رہا ہے۔ دست بستہ کھڑے ہو گئے اور ناراضگی کی وجہ دریافت کی۔

بی بی زینبؑ نے کہا۔

"میں صبح سے تم دونوں کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ کہ اب آتے ہو اور شہادت کی اجازت مانگتے ہو طلب کرتے ہو۔ لیکن دوپہر ہونے کو آئی۔ اور تمھیں اس کا بالکل دھیان نہیں! خاندانِ سادات کے شگفتہ پھول ظالم یزیدیوں نے پاؤں تلے مسل ڈالے۔ امام کے فدائیوں نے اپنی جانیں ان پر

نثار کردیں۔ پیارے بھائی کی اولاد اپنے بابا پر فدا ہوگئی۔ مجھے آرزو ہے کہ تم بھی اپنے بچوں کو ماموں پر فدا کر دو۔"

یہ سن کر عونؑ و محمدؑ نے معصومانہ انداز سے جواب دیا۔ پیاری امی! ہم تو صبح سے شہادت کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ ہمت نہیں پڑتی۔ کہ ماموں سے اذنِ جنگ حاصل کرسکیں۔ اچھی امی! آپ ہمارے حال پر رحم کریں اور ہمیں ماموں سے اجازت دلوا دیں۔"

بی بی زینبؑ معصوم بچوں کے اس جذبہ سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آنکھوں سے سیلاب اشک بہ نکلا۔ بچوں سے کہا "چلو میں اجازت دلوا دیتی ہوں" دونوں کو لیکر بھائی کے پاس گئیں اور عرض کی۔

"بھائی! بہن ایک عرض لیکر آئی ہے۔ امید ہے کہ بے آس نہ کروگے۔ پیارے بھائی! اسوقت میرے پاس اور کچھ نہیں۔ جس سے آپ کی مدد کرسکوں۔ مرد نہیں جو میدانِ جنگ میں جاکر دشمنوں کو ان کی شرارتوں کا مزہ چکھاؤں۔ یا مشکیزہ لیکر دریا سے پانی لاؤں۔ اور تشنہ لبوں کی پیاس بجھاؤں البتہ اسوقت یہ دونوں بچے حاضر ہیں۔ ان کو شرکت جنگ کی اجازت دو۔ اور ماں جائی کا دل رکھ لو۔"

امام عالی مقام بہن کی اس دلدوز تقریر سے آبدیدہ ہوگئے۔ "بہن ان شگوفوں کو اچھی طرح کھلنے دو۔ تاکہ یہ اپنی معنبر خوشبو سے دنیا کو مہکا سکیں۔ ان کی عمریں نیزے کھانے کی نہیں ہیں۔ ماموں کے گھر پر انہوں نے جو تکالیف برداشت کیں وہ کیا کم ہیں۔"

لیکن زینبؑ نے بصد عجز و انکساری بھائی کو رضامند کر ہی لیا۔ اسوقت بی بی زینب نے دونوں بچوں کو دیکھا اور کہا۔

"جگر کے ٹکڑو! سدھارو! خدا تمھارے ان ننھے ننھے ہاتھوں میں اتنی طاقت دے کہ عمر و شمر کے سر قلم کرو۔"

آہ! کس قدر روح فرسا سانحہ تھا! کہ ایک فوج کثیر کے مقابلہ میں دو چاند سے بچے مصروف جنگ تھے۔ جو اپنی ہمت سے بڑھ کر شجاعت دکھلا رہے تھے۔ بلور سے بازو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے مہتاب سے چہرے زخمی ہوگئے۔ ظالم یزیدیوں نے خاندانِ سادات کے ان قیمتی موتیوں کو بھی جلد ہی چکنا چور کردیا۔ اور اس طرح ایک وفاشعار بہن نے اپنے لخت جگر بھائی پر نثار کرکے اُف تک نہ کی ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے ؛ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔

جب مدینہ میں نہ پایا کچھ بھی چین ✤ گھر کو چھوڑا، آرہے مکے میں حسینؑ
واں بھی پہنچے گھات میں اہلِ نفاق ✤ تب کیا قصد آپ نے سوئے عراق
یہ خیال آیا کہ ہو کر قتلِ عام ✤ ہو نہ ضائع حرمت بیت الحرام
الغرض گذرے سفر میں پانچ ماہ ✤ بستیوں میں تھی نہ جنگل میں پناہ
یوں رہے کوہ و بیاباں میں رواں ✤ آج اُس منزل پہ ٹھہرے کل وہاں
پوچھتا رستہ میں زاہد جب کوئی ✤ ہے کدھر کا قصد اے سبطِ نبیؐ
آپ فرماتے تھے جاتا ہوں اُدھر ✤ حق تعالےٰ کی مشیت ہے جدھر

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(منقول)
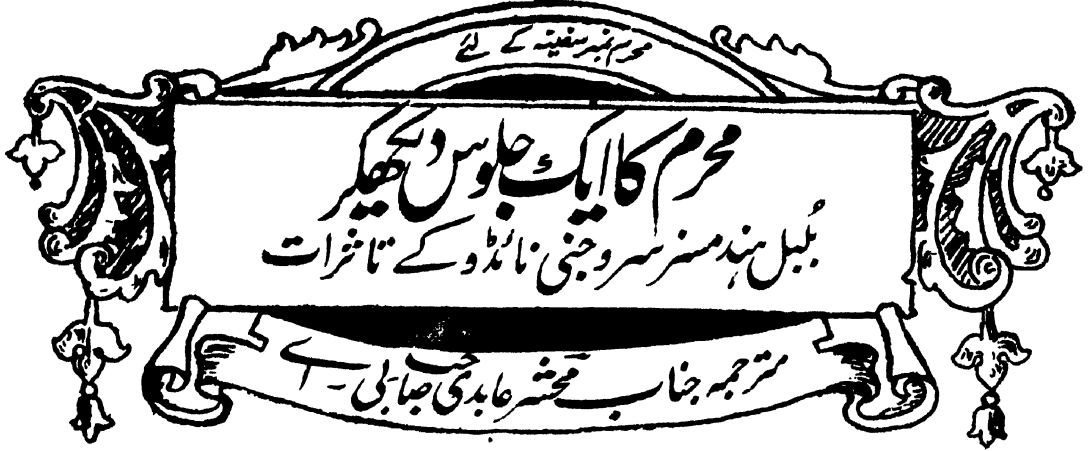
(نوٹ) عرصہ ہوا جب میں نے ٹائمز آف انڈیا (ویکلی) کے کسی پرچہ میں مسز سروجنی نائڈو کی ایک نظم بعنوان بالا پڑھی۔ جو محرم کے زمانہ میں شائع ہوئی تھی۔ شاعرۂ باکمال نے یہ نظم محرم کے کسی ماتمی جلوس سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ مجھے یہ نظم بہت پسند آئی۔ میں اس کا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ تاکہ پبلک کو معلوم ہو سکے کہ "محرم" کے غمناک واقعات ایک غیر مسلم ہستی کے دل میں کسقدر گہرے تاثرات پیدا کر دیتے ہیں۔ میں نے نظم کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ البتہ ترتیب میں ردو بدل کی گئی۔ تاہم انگریزی نظم کا کوئی لفظ ایسا نہیں چھوڑا جس کا مطلب یا ترجمہ اس نظم میں نہ آگیا ہو۔

محشر

تاریکیٔ شب کی طرح سیہ، ملبوس میں ننگے پاؤں سے ؛ کرتے ہیں تجھے جب یاد غم و آلام سے سب شیدائی ترے

اور سوچتے ہیں قربانی کو، جو دین کی خاطر تو نے کی ؛ سیلاب کی مانند آنسو کی آنکھوں سے جھڑی سی لگ جاتی

کر دیتے ہیں دھندلا آنکھوں کو یاد آکے ترے افسانے ؛ اور مرثیوں کو پڑھ پڑھ کر ہو جاتے ہیں سب دیوانے

پھر پیٹ کے سینوں کو اپنے شدت سے وہ ماتم کرتے ہیں

فوارۂ خوں رہتا ہے رواں "حسینؑ و حسنؑ" سب کہتے ہیں
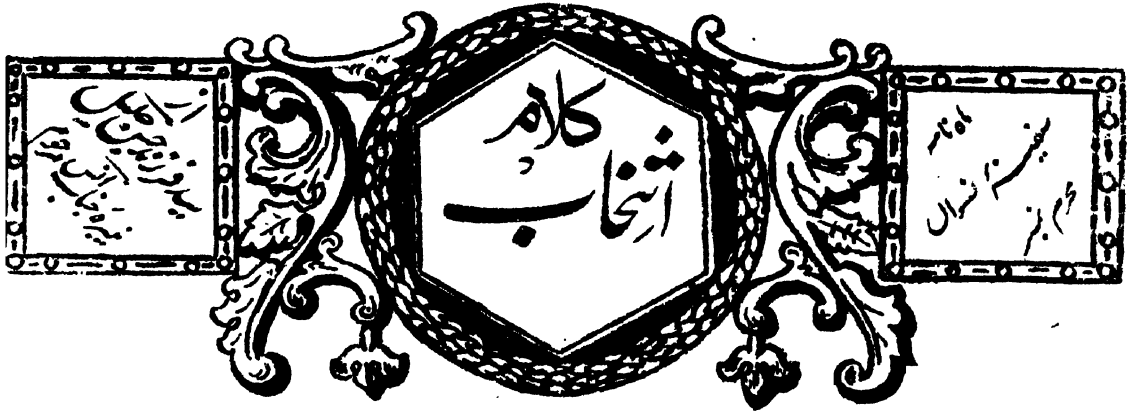
یہ بند اُس مقام کے ہیں کہ جناب امام حسینؑ بعد شہادت علی اصغرؑ خیمے میں اہل حرم سے رخصت ہو کر جناب سکینہؑ کو لیکر جناب سید سجادؑ بیمار کربلا کے پاس آخری رخصت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

---

(۱)

لگا کے چھاتی سے بیٹی کو پھر بچشم پُر آب　　چلے وہاں سے لئے اُس کو مضطر و بیتاب
جہاں تھے سید سجادؑ واں پھر آئے شتاب　　تپِ شدید سے بیمار کا تھا حال خراب
کہا کہ لشکرِ غم ساتھ لائے ہیں سجادؑ!　　اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں سجادؑ!!

(۲)

ہلا کے شانہ کہا پھر یہ بادلِ ناشاد　　کہ غش سے آنکھ تو کھولو ہم آئے ہیں سجادؑ
خبر تو لو کہ پدر پر ہوئی ہے کیا بیداد　　ہمارے سر کے طلبگار ہیں ستم ایجاد
عزیز اور رفقا قتل ہو گئے پیاسے!　　نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ!!

(۳)

سُنا جو غش میں ہوئی گوش زد صدائے پدر　　تڑپ کے کھول دیں عابدؑ نے آنکھیں گھبرا کر
پڑی جو باپ کے چہرہ پہ خستہ جاں کی نظر　　ادب سے ہاتھ کو رکھا اٹھا کے ماتھے پر
کہا کہ آپ ہیں فرطِ عطش سے آنکھ کھلی　　اٹھایا آپنے آکر تو غش سے آنکھ کھلی

(۴)

تپ شدید سے اور درد سر سے ہوں بیتاب　　زباں بھی خشک کئی روز سے ملا نہیں آب
مصیبت آپ کی سُن کر دلِ حزیں ہے کباب　　نہیں مجال کہ اٹھکر پھروں میں گرد جناب
مدد کو آپ کی میداں میں جا نہیں سکتا!　　پڑا ہوں ایسا کہ سر بھی اٹھا نہیں سکتا!!

جواب میں جناب امام مظلومؑ فرماتے ہیں

کہا حسینؑ نے رو کر خدا کا شکر کرو　　نہ رنج و غم میں ہو مضطر خدا کا شکر کرو
گلہ نہ لاؤ زباں پر خدا کا شکر کرو　　دکھوں میں صبر ہے بہتر خدا کا شکر کرو
بشر کو اس بلاؤں سے ٹل نہیں سکتا!　　خدا نہ چاہے تو پتا بھی ہل نہیں سکتا!!

ذوالفقار کی تعریف

جہاں میں صاعقہ کردگار ہے یہ تیغ　　ہے شعلہ بار مگر آبدار ہے یہ تیغ
بلند مرتبہ گردوں وقار ہے یہ تیغ　　جو اتری چرخ سے وہ ذوالفقار ہے یہ تیغ
عدیل اس کا جہاں میں نہ اس کا ثانی ہے　　علیؑ کو دی ہوئی اللہ کی نشانی ہے

بکروئی ذوالجناح کی تعریف

خرام وہ ہے کہ سبزہ بھی پامال نہ ہو　　فرس گیا ہے ادھر سے یہ احتمال نہ ہو
پھرا کرے سارے جہاں میں تو خستہ حال نہ ہو　　چمن میں بار قدم سے گل و بال نہ ہو
نہ بکسے پھول کی پتی بھی پاؤں سے پس کے
اسی کے نقش قدم میں شکلوں پہ نرگس کے

(نیرنگ خیال)

ماہنامہ سفینہ کے لئے

مجلسِ عزا

از محترمہ عظیم النسا بیگم صاحبہ (ورنگل)
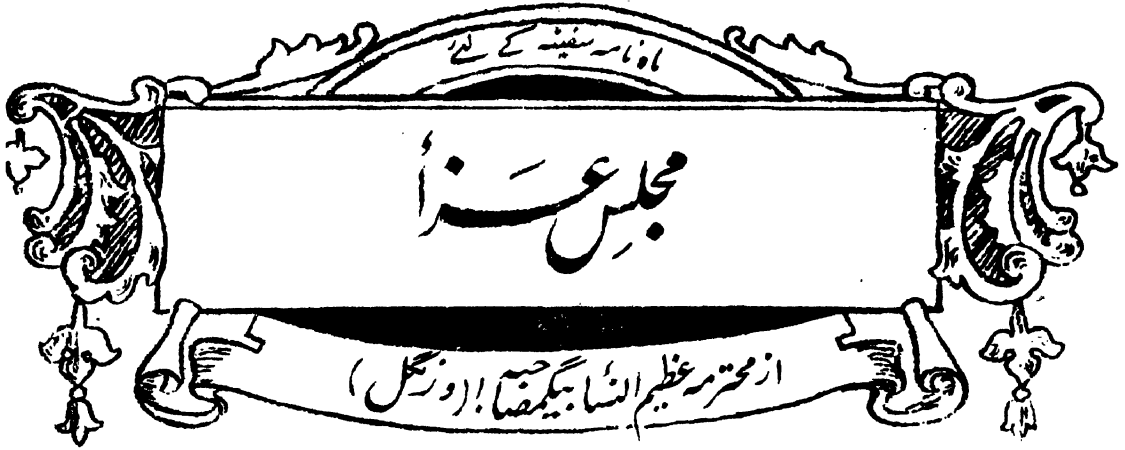
(نوٹ)

محترم بہن مدیرہ سفینۂ نسواں کی حسب خواہش امید ہے کہ کافی سے زاید مضامین واقعات کربلا و سیرت شہیدانِ کربلا کے متعلق لکھے جائینگے۔ لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ جب کثرت سے اس قسم کے مضامین درج رسالہ ہوں گے تو مجھے کچھ اصلاحی مضمون لکھنا چاہئے۔ یقین ہے کہ میری یہ کوشش مشکور ہوگی۔

ممانی جان کہنے لگیں چلو! جلدی تیار رہی ہو۔ سنتی ہو! آٹھ بج رہے ہیں۔ اور بیوی تم ابھی تک کپڑے ہی بدل نہ چکیں۔

"میں بالکل تیار ہوں" میں نے جواب دیا۔ اور اس کے دس منٹ بعد میں اور ممانی جان دونوں ایک معزز نواب صاحب کے گھر پہونچے۔ یہ میرے لئے بالکل پہلا موقعہ تھا کہ میں دکن کی کسی مجلس عزا میں شریک ہوی۔ ممانی جان مجھے اپنے ساتھ لئے ہوے ایک بہت بڑے ہال میں پہونچیں جو حیدرآباد کی بیگمات سے پر تھا۔ میں سراپا دریاے حیرت میں غرق ہوگئی۔ جب میں نے انھیں ریشمی ملبوسات میں بنے ٹھنے دیکھا۔ گو کپڑے سبز و سیاہ رنگ کے تھے اور اکثر بیگمات آبی اور کاسنی رنگ کے کپڑے پہنے ہوے تھیں۔ مگر سب کے چہروں پر بہ افراط پوڈر ملا ہوا تھا۔

آڑی ترچھی مانگیں نکلی ہوئی تھیں۔ اور اکثروں کے کان بھی بالوں سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے اور جوڑے باندھے ہوئے تھے۔ زینت دوبالا کرنے کے لئے "ہیرپن" بھی آگے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا آگے کی طرف جو نظر پڑی تو ع

اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

دو تین بیگموں کی چوٹیاں ہی بالکل ندارد تھیں۔ میں نے ممانی جان سے پوچھا کہ آیا یہ بیمار ہو گئی تھیں یا کیا سبب ہے کہ چوٹیاں ہی ندارد ہیں۔ ممانی جان نے کہا۔ "بیٹا! نئی فیشن کی لیڈیاں اب اس طرح بال کٹوانے لگی ہیں۔"

"بال کٹوانے لگی ہیں" خیر شکر خدا کا کہ ناکیں تو بچائے رکھی ہیں۔

ایک معزز بیگم نے ممانی جان سے پوچھا۔ یہ کون ہیں! ممانی جان نے جواب دیا۔ میری بڑی نند کی لڑکی ہے۔ ایک ہفتہ ہوا ان کو یہاں آئے ہوئے۔ سیالکوٹ ضلع پنجاب میں ان کے میاں جج ہیں۔ اتنے میں ایک بیگم جو لباس سے لکھنوی معلوم ہوتی تھیں۔ ممبر حدیث پڑھنے کیلئے تشریف لے گئیں۔ مجلس شروع ہوئی اور اسی طرح ختم بھی ہو گئی۔ مگر کسی بیگم کے آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی گرتا ہوا معلوم نہ ہوا۔ سب کے سب اختتام مجلس تک خاموش بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد تبرک تقسیم ہوا۔ اور ہم گھر واپس ہوئے۔

میں جب گھر واپس ہوئی تو بالکل سست و مغموم اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ بڑی آپا مجھے خلاف معمول اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ سلطانہ! کیوں آج سست کیوں ہو؟ کیا خدانخواستہ دشمنوں کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ یا مجلس میں کسی سے جھگڑا آئیں۔"

میں نے کہا۔ آپا! میں اب ایسی بھی پاگل نہیں ہو گئی کہ ایک ایک سے لڑتی پڑی پھروں گی۔ میں مجلس عزا میں گئی تھی نہ کہ لڑنے کے لئے۔ آپا کہنے لگیں۔ تو باہر نکلکر بیٹھو۔ کچھ باتیں کرو۔ دل بہلیگا۔ میں نے کہا آپا محرم کے مہینے میں دل بہلانے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ہم کو تو ہر وقت واقعات کربلا و مصیبت سیدالشہداء کو یاد کر کے مغموم رہنا چاہئے۔ آپا نے کہا۔ تو اچھا تھوڑی دیر حدیث ہی پڑھو ہم سب سنیں گے۔ تمھیں ثواب ملیگا۔

میرے دل میں بات نہ رہ سکی۔ میں نے کہا۔ آپا! یہاں کا دستور بھی کچھ تم نے دیکھا۔ اے کاش کہ

تم بھی آج مجلس میں جائیں تو وہاں کی بیگمات کے بناؤ سنگار کو دیکھ سکتیں۔!

آپا نے پوچھا۔ بناؤ سنگار؟ یہاں کی بیبیاں بناؤ سنگار کر کے مجلس عزا میں آتی ہیں؟

ہاں اور کیا۔ ممانی جان کہنے لگیں۔ یہاں کا دستور ہے۔

اچھا دستور ہے۔ ایسے دستور کو پانچ سلام۔ میں کبھی اب کسی مجلس میں نہ جاؤں گی۔ وہاں جانے سے تو گھر میں بیٹھ کر حدیث وغیرہ پڑھ لینا لاکھ درجہ بہتر ہے۔ توبہ۔ لاحول ولا قوۃ! کیا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ عزادارانِ امام اور اس طرح بناؤ سنگار کریں۔ نام کو مجلس ہوتی ہیں۔ بس اور کچھ نہیں

نہیں بیوی! ممانی جان نے کہا۔ اکثر بڑی بوڑھیاں جو ہیں وہ بہت سوگ کرتی ہیں۔

مگر وہ بہت ہی کم ہیں۔ جب ہم امام کے عزادار ہیں تو ہم کو سچے دل سے ان کے غم میں گریاں اور غمگینوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ فرض کیجیے ممانی جان! اگر میں مر جاؤں تو کیا آپ میرے دسویں بیسویں میں اسی طرح بناؤ سنگار کر کے آپا کے پاس جانا بہتر سمجھیں گی؟ بلکہ جب کبھی ہمارا کوئی رشتہ دار خدانخواستہ مر جاتا ہے تو ہم اسکا اتنا غم کرتے ہیں گویا اب ہم بھی اسی کے ساتھ مر جائیں گے۔ بناؤ سنگار تو ایک طرف شاید مارے غم کے تبدیل لباس بھی کرنا بھول جائیں گے۔ آپا! جب ہم ادنیٰ انسانوں کا اتنا ماتم کرتے ہیں تو ہمیں اپنے محترم رسول اکرم کے عزیز نواسے کا حد سے زیادہ غم کرنا چاہیئے۔ اور میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہم روزانہ بے شمار مرثیے نوحے اور حدیث پڑھتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ ماتم کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہم کو ماتم و غم کرنا چاہیئے وہ ہمیں بالکل معلوم نہیں۔ غمِ امام میں ہم کو پریشان احوال اور غمگینوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ کیا مجلس و ماتم کرنے سے ہی ہم عزادار کہلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ہم کو سچے دل سے امام کا غم کرنا چاہیئے۔ ذرا یاد کیجیے۔ جب ہم واقعات کربلا کو پیش نظر رکھیں گے اور تین دن کی بھوک پیاس میں سبطِ رسول اکرم کو بے یار و مددگار شہید ہوتا ہوا خیال کریں گے۔ اور حرم محترم کی بربادی و تباہی کا منظر پیش رکھیں گے تو کس کا دل بناؤ سنگار کرنے کو چاہے گا۔ بناؤ سنگار تو خوشی کی تقریبوں میں زیب دیتا ہے۔ غم کی مجلس میں نہیں اور مجلس بھی کس کی؟ جس نے لاانتہا مصیبتیں اٹھا کر امت کی بخشش کے لئے اپنی اور اپنے اعزا و احباب کی جانیں راہِ خدا میں قربان کیں جس نے ہم گنہگاروں کے لئے اپنی جان دی۔ کیا ہم کو اس کا ماتم اس طریقہ سے کرنا چاہیئے!

ممانی جان کہنے لگیں ————

"اور بیوی جو ذرا کپڑے ٹھیک سے نہ پہنو تو کوئی ہماری پرواہ بھی نہ کریگا۔ بات کرنا تو الگ۔ ماتم زدوں کی سی صورت بنانے والوں کی دنیا میں عزت نہیں۔"

نہ ہوا کرے عزت۔ دنیاوی عزت کے خواہاں بیوقوف ہیں۔ ہم کو تو ہر صورت میں وہی کام کرنا چاہیئے۔ جس میں خدا اور رسول کی خوشنودی ہو۔

بُو نہ ہو تو رنگ کیا؟

یگانہ آرٹ

سنتا ہوں کہ ہم زباں ہے تو بھی
ہر پھیر ہے معرفت کا پہلو بھی
وہ بات بھی کیا بیاں سے باہر ہے
جب پیاری کوئی تشبیہ نہ ہو بو بھی

حضرت میرزا یگانہ لکھنوی
سب رجسٹرار عثمان آباد
(دکن)
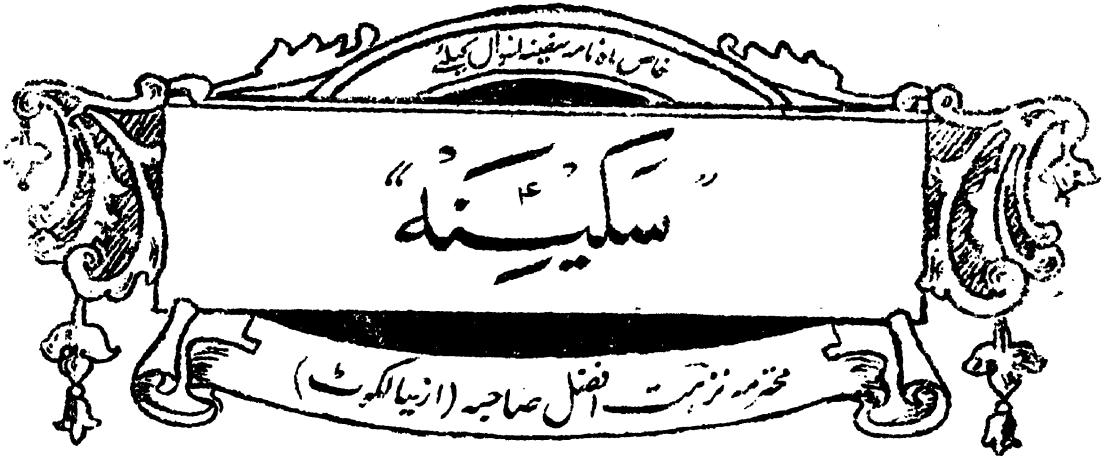
جناب سکینہؑ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔ رباب بنت امراؤ القیس کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ خدا نے آپ کو لاثانی حسن و جمال دیا تھا۔ آپ کو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی گئی تھی۔ جس نے آپ کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اسوقت آپ خاندان نبوت کی ایک واجب التعظیم اور شائستہ خاتون ہونے کے علاوہ بہت بڑی اور اس پایہ کی شاعرہ بھی ثابت ہوئی ہیں کہ وہ مشہور شعرائے عرب جنکا مثل آج تک عربی نظم کو نصیب نہیں ہوا۔ اپنی باہمی "لڑائیوں" شاعروں کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور اپنے کلام کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔

سیدنا امام حسینؑ کو آپ سے خاص اُنس تھا۔ کسی حالت میں آپ کو جدا کرنا گوارا نہ کر سکتے تھے۔

جناب سکینہ کا عقد امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے سے ہوا۔ افسوس ابھی اس مبارک عقد کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا، کہ کربلا کا واقعہ پیش آیا۔

کون مسلمان ہے جو واقعہ کربلا سے ناآشنا ہے؟ موسم گرما کے دن جبکہ تمازت آفتاب کی وجہ سے گھر سے قدم نکالنا دشوار ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہ، اللہ کا پیارا اپنے خاندان کے افراد اور چند مخلص ارباب کے ہمراہ کوفہ کی طرف جاتا نظر پڑتا ہے۔ گرمی کے دن خوف کا راستہ پانی کی کمی پہاڑوں کی غضبناک دھوپ۔ اور صحرا کی جھلستی ہوئی لو سادات کے اس چھوٹے قافلہ کے ارادہ میں حائل نہیں ہوتی۔ نہ منزل پر راحت ملتی ہے۔ نہ راستہ میں آرام نصیب ہوتا ہے۔ پسینہ میں تر بتر

ہو رہے ہیں چاند سے چہرے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے ہیں، .... آہ! ان ایام میں صحرا کے جانور بھی گھر نہیں چھوڑتے۔ نازوں کے پالے پھول سے بچے شدتِ گرمی سے کمھلا گئے ہیں۔ شبیر کی پیاری سکینہ کئی بار خوف و ہراس سے غش کھا چکی ہے۔ کبھی رو رو کر اپنے نازبردار بابا سے سفر کے اختتام کے بارے میں استفسار کرتی ہے۔ کبھی گھبرا کر محل سے صحرا کی جانب تکنے لگتی ہے۔ پھر خوف سے مغلوب ہو کر پھوپی کی گود میں سر ڈال دیتی ہے۔

اُف! کربلا کا میدان نظر پڑتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس میدان میں تھوڑی دیر کے لئے قیام کرنا پسند کرتے ہیں، خبر نہ تھی کہ یہ قیام ہمیشہ کا قیام ہوگا۔

"شاہ دیں" نے رات عبادت میں بسر کی۔ دسویں محرم الحرام کی سحر ایسی منحوس سحر تھی جس نے بھرے گھر کی صفائی دکھا دی۔ نہ دولت رہی نہ بضاعت، باپ سے بیٹے، بھائی سے بھائی جدا ہو گئے۔ بھوکے پیاسے پانی کی بوند کو ترستے شہید کئے گئے۔ دریا پر تا پاک یزیدیوں کا پہرہ تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام سے سکینہ کی تشنہ لبی دیکھی نہ گئی۔ مشکیزہ لے کر دریا پر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن بی بی کو چچا کی جدائی گوارا نہ ہوئی۔ اندیشہ تھا کہ ظالم راستہ میں شہید نہ کر دیں۔ چچا کا دامن پکڑ کر بصد عجز کہا۔

"پیارے عمو! مجھے پیاس منظور ہے۔ لیکن آپ کی جدائی منظور نہیں۔ مجھے بابا کا مددگار اب کوئی نظر نہیں آتا۔ جان سے پیارے بھائی ظالموں نے شہید کر دئے۔ نہ پیارے چچا جان! پیاس اچھی ہے لیکن آپ کا جانا اچھا نہیں"۔

نادان سکینہ کو کیا خبر تھی کہ شہادت چچا کی قسمت میں ازل سے لکھی جا چکی ہے۔

دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار سے قدم آگے بڑھا چکا تھا۔ امام حسینؑ کے سب عزیز و رفیق جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اب ان کی باری تھی۔ اپنی پیاری بہن زینبؑ سے رخصت ہونا امام علیہ السلام کے لئے نہایت دشوار تھا۔ تاہم دل کو قابو میں کیا اور بہن کو صبر و ضبط کی تلقین کی اور کہا۔

"ماں جائی! اب نہ رو۔ صبر کرو۔ صابر کا رتبہ اعلیٰ ہے۔ عزیز بہن۔ کیا بھائی کے غم میں جان گنوا دو گی؟ اگر تم نے رو رو کر جان کھو دی تو گھر بالکل خالی ہو جائیگا۔ جان سے پیاری سکینہ اس صدمہ سے جاں بر نہ ہو سکے گی۔ علی اکبر کے صدمہ نے ہی تم کو بے حال کر دیا ہے۔ زیادہ رنج نہ کرو۔ پیاری زینب!

ہیں مر کر بھی تمہارا یہ احسان نہ بھولوں گا۔ کون بہن ہے۔ جو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بھائی پر قربان کر دیتی ہے۔ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ بس اب یہی بہتر ہے کہ ہمت کو کام میں لاؤ۔ اور مجھے جانے کی اجازت دو دیر ہوتی ہے۔ اچھا ہمشیر۔ خدا حافظ و ناصر!!"

پھر غم و یاس کی مجسمہ سکینہ کو قریب بلایا۔ سینہ سے لگایا۔ پیار کیا۔ امام زین العابدین کو جو بوجہ علالت جام شہادت سے محروم رہ گئے تھے۔ پند و نصیحت فرمائی۔ سیدانیوں کو ان کے سپرد کیا۔ بیوی پر آخری نگاہ ڈالی خیمہ سے رخصت ہو گئے۔ ....

آہ!! اس کے بعد کیا ہوا؟ ملعون یزیدیوں کے خنجر نے جناب سکینہ کو ہمیشہ کے لئے بابا جان کا داغِ یتیمی دیکر بے یار و مددگار کر دیا۔ شوہر ہمشیر شہادت کا جام پی چکا تھا۔

اُف! وہ وقت آگیا۔ جب آپ کو مظلوم باپ کے ساتھ، اپنے پیارے شوہر کی لاش بھی کربلا کی خاک پر چھوڑ کر یزید بن معاویہ کے سامنے جانا پڑا۔ اس واقعہ پر اس جگر خراش سین کو دیکھ کر مسلمان جسقدر بیتاب ہوں بجا ہے۔ کہ سید الشہداء کا سر مبارک ایک سنہری طشت میں یزید کے سامنے رکھا ہے۔ وہ چھڑی سے آپ کے دندانِ مبارک پر ضربیں لگا رہا ہے۔ خاندانِ سادات کی غم زدہ بی بیاں اسی حالت میں پیش کی جاتی ہیں جن میں سب سے آگے جناب سکینہ نے اپنے پیارے بابا جان کا سر اس حال میں دیکھا۔ دل بے قابو ہو گیا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آیا۔

یزید کو قدرے اپنی سفاکانہ غلطی کا اعتراف ہوا۔ جناب سکینہ سے معذرت چاہی اور کہا کہ "اگر میں معرکہ کربلا میں موجود ہوتا تو ہرگز یہ انجام نہ ہوتا۔

کربلا کے دلدوز واقعہ کے بعد آپ بھی سیدانیوں کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔ آپ کو یہ صدمات ایسے پیش آئے تھے کہ کسی وقت ان کو فراموش نہ کرسکتی تھیں۔ ہر وقت وہی سین نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ تاہم آپ میں ضبط و استقلال حد سے زیادہ تھا۔ باوجود ان سب واقعات کے آپ نے ان دنیاوی مصائب کو، ہیچ اور ناچیز خیال کیا۔ اور اس عالم جاوداں کے اجر جمیل پر بھروسہ کرکے ہمیشہ اپنی زندگانی اطمینان سے بسر کی۔

اند نوں اسلام اور اس کے سادے اعلیٰ دور میں بیوہ کا نکاح کلنک کا ٹیکہ نہ تھا۔ اس بناء پر جناب سکینہ کے متعدد نکاح ہوئے۔

---
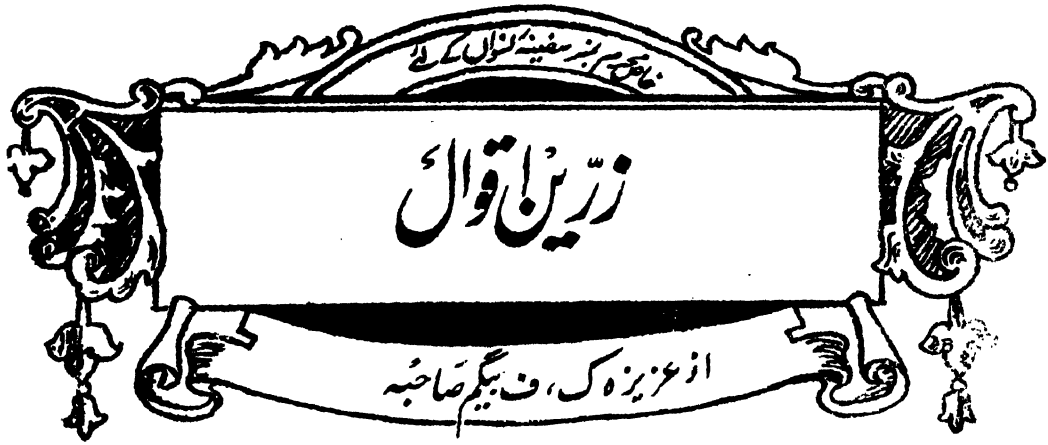
(۱) ہر شخص اپنی قسمت کا آپ خود معمار ہے۔
(۲) طلوعِ سحر سے پہلے ہی گھری تاریکی چھا جاتی ہے۔
(۳) زندگی ایک شمع ہے۔ ایسا شمع جس کو ہوا کا ایک ادنیٰ سا جھونکا بجھا سکے۔
(۴) بگڑی ہوئی قسمت بن سکتی ہے۔ مگر بگڑا ہوا چلن سدھرنا محال ہے۔
(۵) بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں کی عزت تمھیں ہر دل عزیز بنا دے گی۔
(۶) صابر اور شاکر کی زندگی ایک خوشحال زندگی ہے۔
(۷) اپنے آپ کو اوروں پر فوقیت دینا گویا دنیا کی نظروں میں خود ذلیل ہونا ہے۔
(۸) ہر چیز کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے مگر محبت اور "ایثار" دونوں لاقیمت چیزیں ہیں۔
(۹) "سچی محبت" وہ پاک جذبہ ہے، جس سے انسان معبودِ حقیقی تک کو پا سکتا ہے۔
(۱۰) "سچی محبت" کی ایک نظر سارے تکالیف اور کلفتوں کو بھلا دیتی ہے۔
(۱۱) جسم فانی ہے، مگر روح اور عمل غیر فانی!
(۱۲) دنیا میں کسی کے کام آؤ کہ تمھارے بعد تمھارا نام باقی رہے۔
(۱۳) خدا اس نیک دل کا بھلا کرے جو میرے محبوب کو بطورِ تحفہ میرے پاس بھیجتا ہے۔ ک، ف بیگم

[1]

اے مردِ خدا! فتنۂ اغیار سے ہشیار — ہشیار ہو! ہشیار ہو! ہشیار ہو! ہشیار
ہم تجھ سے نہ کہتے تھے کہ ہونے کو ہے پیکار — لے، آگئی وہ سر پہ چمکتی ہوی تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہے پھر فتنۂ چنگیز جہاں میں — اور تو ہے ابھی تک اثرِ خوابِ گراں میں
صیّاد کمینوں میں ہے، ناوک ہے کماں میں — پیشانیٔ دوراں پہ ہیں شبخون کے آثار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

اب تک روشِ خدمتِ اغیار نہ چھوڑی — تو نے رسنِ سبحہ و زنار نہ چھوڑی
آشفتگیٔ اندک و بسیار نہ چھوڑی — افسوس ہے! اے جنسِ غلامی کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

شیون کبھی بلبل کو گوارا نہیں ہوتا — جب تک گلِ رنگین کا اشارا نہیں ہوتا
بے آگ جو چڑھتا ہے وہ پارا نہیں ہوتا — بے وجہ نہیں کشمکشِ سبحہ و زنار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

مرہم ہے بہت دور ابھی زخم رسیدہ — افسوس ہے! اے صاحبِ اوصافِ حمیدہ
گرگ دہن آلودہ، و یوسف نہ دریدہ — اے مصر کے بازار میں جلوے کے خریدار

[1] جوش صاحب کی یہ نظم بہت دیر سے وصول ہونے کی وجہ آخری صفحات میں جگہ پا رہی ہے، جس کا "ادارہ" کو افسوس ہے۔

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ابتک تری محرومیٔ تقدیر وہی ہے — بدلے ہوئے الفاظ ہیں تقریر وہی ہے
گو روپ تو زلفوں کا ہے زنجیر وہی ہے — ہر حلقۂ کاکل میں ہے زنجیر کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ہشیار ہو! اے مومنِ آشفتہ مقدر — ناواقفِ مردانگیٔ آلِ پیمبرؐ
چلتا نہیں کیوں طرزِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر — اے سب سے بڑے صاحبِ ہمت کے عزادار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

جگنے میں یہ لذت ہے نہ مرنے میں مزا ہے — ہنسنے میں یہ راحت ہے نہ رونے میں مزا ہے
جو حق کے لئے جان کے کھونے میں مزا ہے — سنتا بھی ہے اے عمرِ دو روزہ کے خریدار!

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ناداں ترے حصے میں نہ دنیا ہے نہ عقبیٰ — افسوس ترے سر میں ہے جس راہ کا سودا
اس راہ پر اے رہروِ افسردہ تمنا — نایاب ہے نقشِ قدمِ حیدرِ کرار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

ممبر پہ ترے یہ نظر آتے ہیں جو ذاکر — باطن میں ہیں بشاش، پریشاں ہیں بظاہر
یہ چست عباؤں میں ہیں لپٹے ہوئے تاجر — ان اہلِ تجارت سے خدا کیلئے ہشیار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یکرنگ جو ہے، جیت ہے دنیا میں اسی کی — اے صید کشاکش! یہ دورنگی نہیں اچھی
یا اپنے کفِ پا میں لگا بیٹھ کے مہندی — یا جامۂ ہستی کو بنا خون سے گلزار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

دم بھر تو کبھی غور کر اے خفتہ مقدر — مادہ مجھے قدرت نے بنایا ہے کہ تو نر
یا اوڑھ لے اے زہرہ جبیں مقنع و چادر — یا کھینچ لے اے مردِ خدا! میاں سے تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یا بزمِ تمنا میں دکھا عشوۂ پُر فن — یا رَن میں کچھ اس شان سے آ گرج اُٹھے رَن

یا گوندھ کے چوٹی کو، پہن ہاتھ میں کنگن — یا سر سے کفن باندھ کے مرنے پہ ہو طیّار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

یا بزمِ عروسی میں بنا کاکل و گیسو — یا عرصۂ جرأت میں دکھا قوتِ بازو

یا رقص کی محفل میں بجا ناز سے گھنگرو — یا جنگ کے میداں میں سُنا تیغ کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

معزز معاصر سالار (ہفتہ وار) بمبئی کی رائے

نقد و نظر

سفینۂ نسواں کے نام سے ماہواری رسالہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ہے۔ ہمارے سامنے اس کا پہلا نمبر ہے۔ مقصد اعظم یادگار ازدواج و مواصلت خاندان آصفی و آلِ عثمانی کو قائم رکھنا ہے۔

اس نمبر میں ۵ عدد بلاک کی عمدہ تصاویر دی گئی ہیں۔ اور رسالہ کو محنت سے ایڈٹ کیا ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ ۲۰×۲۶/۸ پر مشتمل ہے۔ ہم اس رسالہ کی ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ عورتوں میں علمی ادبی، اخلاقی، مذاق پیدا کرنے کے لئے سفینہ کا اجرا ملکی خدمت ہے۔
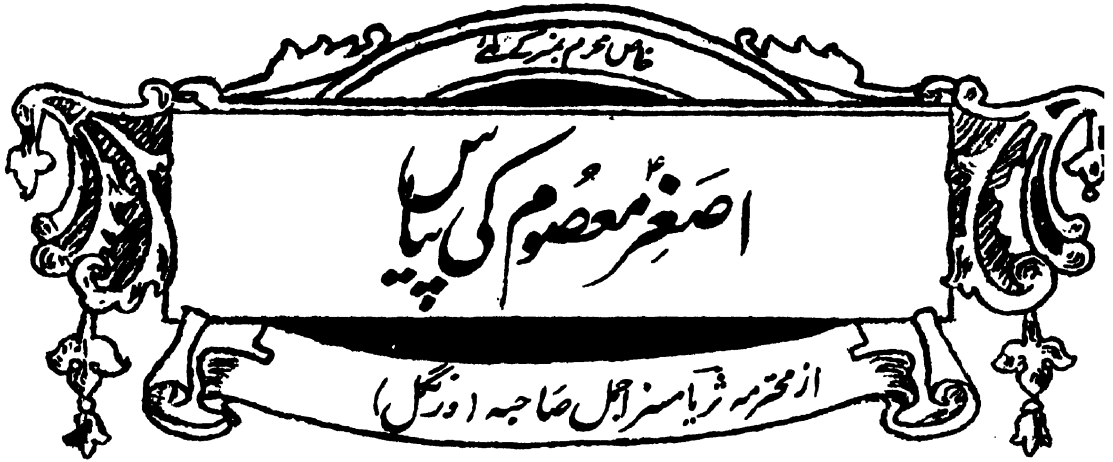
شہر کوفہ ہے اور خدا کے پیارے نبی صلعم کے جگر پاروں پر الم انگیز ساعتیں گذر رہی ہیں لعینوں نے زمین کربلا کو میدانِ حشر کر دکھانے کی ٹھان لی ہے۔ نہر فرات پر اشقیا نے اپنا پورا پورا قبضہ جمالیا ہے۔ شہر کے ہر کوئیں اور ہر چشمہ پر یزیدیوں کا تسلط قائم ہے غضب ہے کہ خدا کی نعمت سیال جو خالق کون و مکان نے اپنی مخلوقات کے لئے بہم پہنچائی ہے، اور جس کے تصرف کی ہر ذی روح کو آزادی ہے، لعینوں نے غصب کر کے اپنی بنالی ہے۔

اصغرؑ معصوم کا شدت تشنگی سے برا حال ہے۔ اس کی ننھی سی زبان پر پیاس سے کانٹے پڑ جاتے ہیں اور وہ باہر کھینچ آتی ہے۔ اور اپنی گلاب کی پنکھڑی جیسی زبان اپنے نرم و نازک ہونٹوں پر بار بار پھیرتا ہے، لیکن جب پیاس نہیں بجھتی ہے تو روتے اور بلکنے لگتا ہے اور اس کا چاند سا چہرہ پانی کے لئے مجسم سوال بنجاتا ہے اپنے جگر کے ٹکڑے کا یہ برا حال دیکھکر ماں کی آنکھوں کے تارے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس کی روح غش کرنے لگتی ہے۔ اس کے دل کے ٹکڑے اڑجاتے ہیں۔ وہ جگر مسوس کر رہجاتی ہے۔ گویا خدا کی اتنی وسیع کائنات میں پانی کی بوند بھی اس کے لئے ناپید ہے۔

آہ اے میرے معبود کسقدر غم انگیز امتحان ہے! وہ ننھی سی جان تشنگی سے بلبلاتی ہے. آسمانوں پر قیامت برپا ہے۔ افلاک لرز رہے ہیں، عرش کانپ رہا ہے، فرشتے تھرا رہے ہیں

رضواں گرم گرم آنسو بہا رہا ہے، غلماں ماتم کر رہے ہیں، حوریں داڑھیں مار مار کر رو رہی ہیں اور فردوس نقرئی صراحیاں لئے ہوئے آب کوثر لینے دوڑتی ہیں۔ فرشتے بلورین سبوچے سلسبیل بھر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زمین پر اتر کر اصغر معصوم کی پیاس بجھائیں۔ لیکن روک دئے جاتے ہیں اجازت نہیں ملتی۔

آہ! اے میرے مالک کتنا اندوہناک امتحان ہے۔!!

چمنستان آفاق کی ایک نوخیز کلی ایک قطرۂ آب کے لئے منہ کھولدیتی ہے! یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ابر باراں کا ایک ٹکڑا بالائے آسمان تھرانے لگتا ہے، اس کے دل میں ایک دریا شدت گریہ سے موجیں مارنے لگتا ہے۔ وہ برس پڑنے ہی والا تھا کہ روکدیا جاتا ہے۔ اجازت نہیں ملتی۔

آہ! میرے خدا کس قدر الم انگیز امتحان ہے!!

اس عالم امکان میں ایک ننھی ہستی پانی کے لئے ترس رہی ہے۔ رو رہی ہے پیاس سے زبان خشک ہوگئی ہے۔ حلق سوکھ گیا ہے۔ آواز بھر آگئی ہے۔ اس جگر پاش نظارے سے مادر زمین کا دل ہل جاتا ہے۔ اس کے سینہ میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے اور ساتھ ہی پانی کا ایک چشمہ ابلتے ابلتے رہجاتا ہے کیونکہ اجازت نہیں.........

آہ اے میرے اللہ کتنا جانگداز امتحان ہے!!

اصغر معصوم پیاس سے تڑپ رہا ہے! منہ سے آواز نکل نہیں سکتی۔ آنکھ سے پانی طلب کرتا ہے۔ سمندر اور دریاؤں میں طوفان برپا ہے۔ موجوں میں تلاطم ہے، نہریں ساحل سے سر ٹکرا رہی ہیں۔ ایک سیلاب عظیم امنڈ آنے کو ہے مگر اجازت نہیں۔

آہ اے میرے کردگار کسقدر صبر لیوا امتحان ہے!!

اب وہ پیاس سے نڈھال اور نیم جان ہوجاتا ہے۔ آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔ پتلیاں ٹھہر جاتی ہیں، کیونکہ ان میں حرکت کی سکت تک باقی نہیں رہتی۔

اس حالِ زار کو دیکھ کر ایک نوجوان شہسوار تڑپ کر اٹھتا ہے۔ تیغ وسپر، نیزہ وغیرہ سے مسلح ہوجاتا ہے، ایک مشکیزہ کندھے سے لگالیتا ہے اور ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہوکر دشمن کی فوج میں گھس پڑتا ہے، صفوں کو چیرتے اور درہم برہم کرتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے

نہر فرات پر صحیح و سالم پہنچ جاتا ہے ۔ وہ مشکیزہ کو پانی سے بھر کر مردانہ وار واپس ہوتا ہے۔ اس دلیری اور بہادری کو دیکھ کر دشمنوں کی زبانوں سے پہلے لمحہ میں بے اختیار نعرہ ہائے تحسین بلند ہو جاتے ہیں، دوسرے لمحہ میں اس یزیدی لشکر میں ایک ہلچل برپا ہوتی ہے۔ اور چار جانب سے اس شہسوار پر تیروں کی بارش ہوتی ہے وہ ہمہ تن جوش و خروش بنا ہوا تیروں کو روکتا ہے اپنے سے زیادہ مشکیزہ کو بچاتا ہے ۔ دشمنوں کی صف کو کاٹتا ہوا سرعت سے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے ۔ مگر ہر طرف سے گھیر لیا جاتا ہے وہ مشکیزہ کی حفاظت میں بری طرح زخمی ہو جاتا ہے ۔

بالآخر تیروں کی پیہم بوچھار سے مشکیزہ چھلنی چھلنی ہو جاتا ہے اور پانی کا ایک قطرہ بھی بچتا نہیں۔ اب وہ جوش غضب میں آکر زخمی شیر کی طرح حملہ آور ہوتا ہے ایک ایک وار میں کئی کئی لعینوں کے سر کٹ کٹ کر گرتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سروں کی بارش ہو رہی ہے ۔ یہ دیکھکر یزیدیوں کے حواس نکل جاتے ہیں ۔ غیب سے ایک آواز آتی ہے کہ "بس! تیرے صبر و رضا کی آزمائش مقصود ہے" اس کا سر جھک جاتا ہے اور ہاتھ سست پڑ جاتے ہیں، دشمنوں کو موقع ملتا ہے ہر جانب سے ایک جان پر پیہم وار ہوتے ہیں ۔ وہ شہسوار گھوڑے سے نیچے آتا اور جام شہادت نوش کرتا ہے۔ اس کی خبر خیمہ میں پہونچتی ہے، جہاں قیامت میں قیامت برپا ہو جاتی ہے ۔

آہ ۔ اے میرے پروردگار کتنا محشر انگیز امتحان ہے !!

شدت تشنگی سے جگر پارۂ حسین علیہ السلام کی جان سارے جسم سے سمٹ کر لبوں پر آجاتی ہے ۔ گردن کا منکا ڈھل جاتا ہے ۔ صرف لبوں پر خفیف سی حرکت باقی رہتی ہے، جس سے پانی پانی کی صدا مترشح ہوتی ہے ۔

اس الم انگیز نظارہ سے باپ کی روح تڑپ جاتی ہے ۔ وفور درد و کرب سے اٹھتے ہیں بچے کو اپنی گودی میں لیکر باہر تشریف لاتے ہیں اور دونوں ہاتھوں میں بچے کو لیکر بچشم تر ایک درد بھری آواز میں جو التجائے رحم کے تاثرات سے پُر ہوتی ہے ۔ یزیدیوں سے پکار کر فرماتے ہیں "اے خدا کے بندو! سنو! اگر تمہارا کوئی قصور کیا ہے تو میں نے کیا ہے نہ کہ اس معصوم نے، دیکھو یہ ننھی جان پیاس سے دم توڑ رہی ہے، خدا کے قہر سے ڈرو، اس معصوم ہستی پر رحم کھاؤ، للہ اب تھوڑا سا پانی اس بچے کے حلق میں ٹپکا دو کہ اسکی جان بچ جائے"۔ اس کے جواب میں لعینوں کے ترکش سے ایک تیر سنسناتا ہوا چھوٹتا ہے اور اصغر معصوم کے ننھے حلق سے پار ہو کر اسکی تشنگی ہمیشہ کے لئے بجھا دیتا ہے ۔ آہ ۔ اے میرے معبود کیا ہی قیامت خیز امتحان ہے ۔ !!

محرم کا مہینہ ہمارے ہاں اکثر گھرانوں میں غم کا پیام پہنچانے کے بجائے نوید مسرت لاتا ہے۔ کس قدر تعجب اور افسوس ہے کہ اس سراپا غم کے مہینہ میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

محرم ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ہمارے پیارے نبی کی آل اطہار پر طرح طرح کے مصائب توڑے گئے، کونسی مصیبت تھی جو نہ برداشت کی گئی، اور کیا آفت تھی جو نہ جھیلی گئی۔ ان الم انگیز واقعات اور حادثات کو پڑھیے تو دل کے ٹکڑے اڑ جائیں آنکھ سے خون رواں ہو، مگر میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ہاں بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ خوشیاں منائی جاتی ہیں اور رنگین کپڑے پہننا، شربت بنانا، کھچڑی پکانا ہی گویا ماہ محرم کا مقصد وحید قرار پاتا ہے۔

حیرت ہے اس بے موقع خوشی کے کیا معنی۔ ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے۔ کوئی شربت بنانے کی تیاری میں مصروف ہے کوئی اپنے بچوں کو فقیر کرنے کے لئے جھولی ڈال کر بھیک مانگنے نکلے ہیں کوئی بچوں کو فقیر کر کے انعام مانگنے لائے ہیں۔ غرض ہر طرح کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ بچیاں ہیں کہ ماں کے پاس چل رہے ہیں کہ ہمکو نیا لباس بناؤ تاکہ ہم فقیر ہوں دوسرے سب نیا پہن رہے ہیں۔ ہم کیسا پرانا پہنیں؟

لیجئے کیا خوب امام حسینؑ کا غم کیا جا رہا ہے۔ کسی کے آنکھ سے ایک غم کا آنسو نہیں گرا اور کسی نے درود شریف پڑھکر نہیں بخشا۔ مگر سب ہیں کہ امام حسینؑ کے نام پر بچوں کو فقیر کرنے اور شربت کے

طلبیا بنا بنا کر شہدائے کربلا کو خوش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ان کی جو سچی خوشی ہے۔ اسکو پورا کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ کیا فاتحہ شربت پر ہی ہوتی ہے؟ اگر آپ ایک پیسہ کی شکر منگا کر صدق دل سے فاتحہ دلائیں بھی تو ہو سکتی ہے۔ اور اگر دو سو بھی خرچ کئے جائیں تو وہی ہوگا۔ مگر ثواب تو ہر دو کا ایک ہی ہے۔ لیکن ہمارا دل تو اچھے اچھے پکوان پکا کر کھانا چاہتا ہے۔ نہیں بلکہ اپنے رشتہ داروں کو کھلانے میں مزا آتا ہے۔ مگر کسی غریب محتاج کو امام حسینؑ کے نام پر کچھ دینے دل نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو قرض لیا جائیگا مگر شربت کھچڑی اور فقیر ہونا نہیں رکیگا۔ اور بغیر دھوم دھام کی فاتحہ کئے کے وہ فاتحہ ہی قبول نہ ہوگی۔

اگلے سال کا ذکر ہے کہ ایک ماما ہمارے پاس نوکر تھی وہ محرم کی سات تاریخ کو میرے پاس آئی اور کہا بی بی اگر آپ بیگم صاحبہ سے کہکر اس ماہ کی تنخواہ پیشگی دلا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ میں نے کہا۔ اجی تم کو تنخواہ لیکر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا۔ پھر تنخواہ پیشگی مانگ رہی ہو۔ ایسی کیا سخت ضرورت ہے۔ اس نے کہا "وہ تنخواہ تو بچی کی فقیری کے کپڑے بنانے میں خرچ ہوگئی۔ اب شربت کھچڑی وغیرہ کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے" اس بچاری کی تنخواہ آٹھ روپیہ تھی۔ میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ اس طریقہ سے روپیہ بیکار مت برباد کرو۔ اگر ایکدم دو ماہ کی تنخواہ یوں خرچ کردوگے تو کیسا ہوگا۔ مگر اس نے سنا ہی نہیں اور کہا کہ بی بی امام مدد ہوں گے۔ آپ ایسا مت بولو میں ہر سال کرتی ہوں اگر اس سال نہیں کی تو کوئی ایک مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔ میں نے اس کو ہزار طریقہ سے سمجھایا بہت ساری مثالیں دیں اور خود ہماری بھی تمثیل پیش کی کہ دیکھو ہم کچھ نہیں کرتے سوائے فاتحہ دلانے اور غریب و محتاج لوگوں کو کھلانے کے۔

بجائے اس فضول خرچی کے تم کچھ پڑھکر حضرت امام حسین علیہ السّلام کی جناب میں بخشو اور حسب مقدور کچھ خیرات کرو۔ کیا امام حسینؑ نے ایسا فرمایا ہے کہ قرض کرو مگر زعفران ڈالا ہوا ملیدہ یا کا شربت روٹ کھچڑی وغیرہ پکا کر فاتحہ دلاؤ۔ وہ تو صبر و شکر کے بندے تھے۔ بھلا اُن کو روٹ اور شربت کہاں نصیب ہوا۔ وہ تو ایک ایک بوند پانی کے لئے تڑپ گئے، اور اپنی عزیز جانوں کو ہم گنہگاروں کی بخشائش اور امت کی سرسبزی کی خاطر فدا کر دیا۔

ہاں! فاتحہ اور خیرات کا صحیح مصرف یہ ہے کہ جو کچھ بھی میسر ہو اس کی فاتحہ دلائے، اور بجائے

اپنے عزیزوں کو کھلانے کے غریبوں کو کھلائیے روپیہ پیسہ سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کیجئے۔ اُن کے اس نازک وقت کو یاد کیجئے اور آنسو بہائیے۔ سوچئے کہ انھوں نے ہماری خاطر کیا کیا مصیبت، جھیلے اور کیا کیا تکالیف برداشت کئے اور اپنے جگر گوشوں تک کو ہم سیہ کاروں کی خاطر قربان کر دیا۔ اگر وہ چاہتے تو ان کے لئے کیا کچھ نہ تھا۔ مگر اُنہوں نے رضائے الٰہی کو مقدم جانا اور اسی پر تکیہ کئے رہے۔

بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ ہم محرم کے دس دن تک قرآن شریف کی تلاوت کریں درود پڑھیں روزہ رکھیں ہر وقت شہدائے کربلا کی مصیبتوں کو پیش نظر رکھیں۔ میں دل سے دعا کرتی ہوں کہ خدا ہم کو راہِ نیک پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم اپنے بزرگوں کی مبارک زندگیوں پر چلکر ان کے بتلائے ہوئے طور و طریق پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم میں پھر اسلام کا ڈنکہ بجا دیں آمین!

ہمعصر نظام گزٹ (ہفتہ وار) حیدرآباد دکن کی رائے

نقد و تبصرہ

"سفینۂ نسواں" ہمارے ہاں اس نام کا ایک ماہوار رسالہ تنقید کے لئے وصول ہوا ہے اس رسالہ کے مضامین میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے طبقۂ نسواں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کیا جائے۔ حیدرآباد میں آئے دن نئے نئے جرائد نکل رہے ہیں جس سے یہاں کی [illegible] ذہنیت کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔

ہمجولی کو نکلکر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اب ہمیں ایک نئے رسالہ کو دیکھنے سے مسرت ہوئی۔ یہ رسالہ شکل و صورت میں ہمایوں لاہور کی سائز پر ہے۔ اس کے مضامین زیادہ تر طبقۂ نسواں کے ہیں اور اس میں تصاویر کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت دولہن دردانہ بیگم صاحبہ اور حضرت دلہن فرحت بیگم صاحبہ کے تصاویر خاص ہیں۔ جو ابتک کسی ہندوستانی جریدے میں شائع نہیں ہوئے۔

کہ کیا ہم میں اب وہ استقلال اور وہ جوش قومی باقی ہے؟ کیا ہم میں صبر وضبط، اور "رضائے الٰہی پر راضی رہنے" کا وہ مادہ موجود ہے، جو ہمارے بزرگوں میں تھا؟ مگر نہیں! ہم کو اتنی فرصت ہی کہاں! جو ان کا مطالعہ کریں ہم کو اپنا عیش اتنی مہلت ہی کب دیگا، جو ان مبارک زندگیوں سے اپنی موجودہ خراب و خستہ حالت کا مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ ہم کیا تھے، اور کیا ہو گئے؟

یہ سچ ہے، جب کسی قوم پر ادبار و افلاس کی گھٹا چھا جاتی ہے، تو اس کے افراد میں کچھ ایسی بےحسی پائی جاتی ہے، کچھ اس طرح کا جمود گھر کر لیتا ہے کہ پناہ بخدا۔!! ان کے مستقبل پر جب نظر جاتی ہے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے، دل کانپ اٹھتا ہے کہ الٰہی خیر ہو!! جس مقدس مذہب کے سنگ بنیاد کو، اس کے بزرگوں نے، اپنے جگر گوشوں کی ننھی ننھی لاشوں پر رکھا ہو، اپنے برابر کے بھائیوں اور عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں آغوش لحد میں دیکر اسکو مستحکم بنایا ہو، جس پاک دین کے استحکام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی، اور زبردست سے زبردست ایثار کو قبول کیا ہو جس خدائی مذہب کی دیواروں میں مٹی کے ساتھ، بجائے پانی کے، اپنا اور اپنے عزیزوں کا خون ملایا ہو جس دین متین کی آبیاری اصغر پیارے جیسے ننھے کے خون نے کی ہو، کیا؟ اس مقدس مذہب کی دیکھ بھال ایسی ہی ہونی چاہئے۔ کیا، اس کا وقار ایسے ہی قایم رکھا جائیگا؟ کیا اس کی عظمت اور برتری کا قیام، اس غفلت اور جمود میں ممکن ہے؟ اس پودے کو جس کی جڑیں خون پی پی کر سارے عالم میں پھیل گئی ہیں اگر پانی تک بھی نہ دیا جائے تو پھر اسکا سرسبز اور شاداب ہونا محال نہیں تو پھر کیا ہے؟ ایسے درخت کے بارور ہونے کی توقع عبث، اور ایسی تمنا یقیناً فضول! خدا کے لئے جاگو! اٹھو!! اور دیکھو!!! کہ آج ہماری کیا حالت ہو گئی ہے۔ ہماری ملت کا "سفینہ" کس گرداب بلا میں جا پھنسا ہے؟ مصیبتوں کا دریا ہمارے اطراف موجیں مار رہا ہے، باد مخالف ٹوٹے پھوٹے "سفینہ" کو ہچکولے دے رہی ہے، زمانہ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر، ہمارا مذاق اڑاتے ہوئے ترقی کے اعلیٰ مدارج بسرعت طے کرتا جا رہا ہے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اب سے نہیں کوئی ایک صدی سے ہم پر تازیانے پڑ رہے ہیں مگر ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھتا نظر نہیں آتا ہم کچھ ایسی بےخبری کی نیند سو رہے ہیں کہ نعوذ باللہ قیامت کا صور ہی شاید ہم کو جگائے۔ اگر بےحسی، غفلت، اور جمود کی یہی کیفیت کچھ دنوں اور رہے، تو وہ وقت بھی قریب سمجھو جب، اسلام، در بدر بھٹکتے ہوئے کہتا پھریگا ؎

من از بیگانگاں، ہرگز نہ نالم ۔۔۔ کہ با من، ہر چہ کرد، آں آشنا کرد

خدارا عزیز بہنو! غفلت کی نیند بس ہو چکی، اب اٹھو اور متحد ہو کر راہ عمل پر گامزن ہو ؎

مصیبت میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں، نہ تقدیریں
جو ہو جوش عمل پیدا، تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
سر اقبال

کسی کا کیا بہتر خیال ہے کہ "عورت ہی ملک کی قسمت ہے" اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ملک یا قوم کے بننے یا بگڑنے کا مدار عورت اور صرف عورت پر ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو راہ نیک پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم میں وہ اگلا سا جوش پیدا ہو۔ آمین

کثرت کار کی وجہ گذشتہ پندرہ دن سے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ بخار اور نزلہ کی شدت نے ناک میں دم کر رکھا ہے اگر میں کچھ دنوں کامل آرام نہ لوں تو خوف ہے کہ یہ سلسلہ طویل ہو کر مجھے اپنے طبقہ کی خدمت سے محروم رکھیگا۔ اسی لئے میں نے "محرم نمبر" کو مئی و جون کا یکجائی نمبر قرار دیا ہے۔ آیندہ مہینہ کے پرچہ کا انتظار نہ فرمائیے، انشاءاللہ جولائی میں "**میلاد نمبر**" نکال کر میں اس کی تلافی کردوں گی۔ امید کہ ہمدردانِ "سفینہ" مجھے معاف فرمائیں گے۔

میلاد نمبر کی تیاری ابھی سے شروع کردی گئی ہے، اور مضامین ختم جون تک دفتر پر پہونچ جانے چاہئے۔ اس خاص نمبر کے پہلے بہترین مضمون پر بجائب "ادارہ" ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائیگا۔ مضامین فلسکیپ سائز کے کم از کم ۱۰ صفحات پر خوشخط لکھے جانے چاہئیں۔ حسب ذیل عنوانات میں کسی ایک پر آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیے۔

(۱) اسلام میں عورت کا درجہ۔ — اس عنوان کے تحت یہ دکھلانا ہوگا۔ کہ قبل رسالت دنیا میں عورت کی کیا حالت تھی؟ اور جب اسلام نے اس مظلوم طبقہ کو اپنی آغوش میں لے لیا تو اسکو کیا درجہ ملا؟ اور وہ کن مراعات سے سرفراز کی گئی۔

(۲) مسلم خاتون کا ماضی، حال اور مستقبل! — یعنی مسلم خواتین کا ماضی کیا تھا، اور موجودہ حالت کیا ہے؟ اور ان دونوں کے تقابل سے آئندہ دور کی نسبت اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرنا ہوگا۔ ماضی سے مطلب وہ دور ہے جب ہمارے کچھ بھلے دن تھے۔

(۳) عورت کی زندگی کے تین دور! — عورت بہ حیثیت ایک خدمتگزار فرمانبردار بیٹی کے، ایک وفا شعار اور ملنسار بیوی کے، اور ایک شفیق و رفیق ماں کے، اگر عورت اپنے ان تینوں دور کو کامیابی کے

کے ساتھ گذارنا چاہے تو اس کو کن طریق کار پر
عمل پیرا ہونا چاہئے۔ اپنی تجاویز پیش کرنی ہونگی۔

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ اس مقابلہ میں صرف خواتین ہی شریک ہوسکیں گی۔ اس خصوص کے تمام مضامین کم از کم ۲۰ر جون تک میرے نام آنے چاہئے۔ تاکہ "ادارہ" کے انتخاب کے بعد قطعی فیصلہ کے لئے ذیل کی محترم خواتین کے ہاں بھجوائے جاسکیں۔

محترمہ و معظمہ مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب (ایم، بی، سی، ایچ، بی اڈنبرا)
" " مسز مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قریشی (ناظم بندوبست، سرکار عالی)
" مکرمہ مسز صوفی صاحب ایم۔ اے علیگ (لکچرار محبوبیہ گرلس اسکول)
" " " "ج" نقوی صاحبہ۔
" " بدرالنساء بیگم صاحبہ (معلمہ) منشی فاضل (مددگار گورنمنٹ زنانہ ٹریننگ کالج بلدہ)

کوشش کی جائے گی منتخبہ مضامین کے علاوہ تمام مضامین درج رسالہ ہوں۔ میری یہ خواہش ہے کہ "میلاد نمبر" کے مضامین کی فہرست میں صرف خواتین ہی کا نام نظر آئے۔ اگر ملکی بہنیں توجہ کریں تو یہ امر کوئی مشکل نہیں۔

میں نے گزشتہ دفعہ "نونہال نمبر" کا تذکرہ کیا تھا، اس "خاص نمبر" کا مطالبہ بھی ملک کے گوشہ گوشہ سے ہو رہا ہے۔ مگر یہ میرے بس کی چیز نہیں۔ جب تک ایسے نونہالوں کے تصاویر (جو تندرستی و شگفتگی کا مکمل نمونہ ہوں اور جن پر مادر وطن آئندہ فخر کرے گی) مجھے حاصل نہ ہو جائیں۔ میں اس کو کیسے شایع کرسکتی ہوں! محترمہ بہن کریم النساء بیگم (دہ بمبئی) سے لکھتی ہیں کہ "نونہال نمبر" کا خیال بہت اچھا ہے، ضرورت ہے کہ ہماری ملکی بہنوں کو بچوں کی پرورش کے طریقوں سے واقف کرایا جائے میں اس نمبر کی کامیابی کے لئے دعا کرتی ہوں، آپ جو وقت چاہیں مجھ سے مجید کی تصویر طلب فرماسکتے ہیں۔ جس کی عمر صرف ۴ سال ہے اور میرے خیال میں اس کی صحت بھی اپنی آپ نظیر ہے۔ میں تمام بہنوں سے استدعا کرتی ہوں کہ وہ "سفینہ" کی ہر طرح مدد کرتی رہیں، تاکہ ہماری، باہمت بہن محترمہ مدیرہ رسالۂ مذکور کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور وہ ہر ممکن طریقہ سے ہمارے پسماندہ طبقہ کی اصلاح کرسکیں "نادار فنڈ" کے قیام سے تو آپ نے غضب

لڑکیوں کو شرمندۂ احسان بنایا ہے۔ دس روپیہ نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں اور دس نونہال نمبر کی کامیابی کے لئے تاکہ "سفینہ" کو زیادہ زیر بار ہونا نہ پڑے۔ حقیر رقم اگر قبول فرمائی جائے تو ممنون ہونگی۔

عزیز بہن کریم النساء بیگم کی میں شکر گزار ہوں آپ نے حقیر "سفینہ" کی نسبت جن بہتر خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ یقیناً میری حوصلہ افزائی کا باعث ہوئے۔ نادار فنڈ کی شرکت پر میں دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ بہتر ہوگا جو آپ چند غریب اور نادار لڑکیوں کے نام اور پتہ لکھ بھیجیں، تاکہ ان کے نام رسالہ جاری کیا جائے "نادار فنڈ" کا مقصد صرف یہی ہے کہ آفتاب علم کی نورانی کرنوں کو ملک کے تاریک ترین گوشوں میں پہنچایا جائے۔ اس سے ایک تو غریب لڑکیاں مستفید ہونگی۔ دوسرے "سفینہ" کی توسیع اشاعت کا سوال بھی بآسانی حل ہوگا۔

"نونہال نمبر" کے مضامین کے لئے حسب ذیل عنوانات مقرر کئے گئے ہیں:-

(۱) بچوں کی نگہداشت اور اُن کی پرورش کے طریقے!

(۲) یوروپین اقوام کی خوشحالی کا راز۔ بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال اور ان کی بہترین پرورش میں مضمر ہے۔

(۳) بچے کی پیدائش سے آٹھ برس کی عمر تک ماں کے کیا فرائض ہونے چاہیں۔

(۴) ملک و قوم کی قسمت کا دارومدار کیا اس کے نونہالوں پر نہیں؟

امید ہے کہ اہل قلم حضرات و خواتین ان عنوانات کے سوا اپنے بہترین تجارب اور قیمتی معلومات سے ملکی خواتین کو فائدہ پہنچائینگے۔ خصوصیت سے میں جناب ڈاکٹر لطیف سعید صاحب (ایم، بی، سی، ایچ، بی (اڈنبرا) جناب ڈاکٹر محمد عثمان خان صاحب (رکن اعلیٰ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ) اور جناب ڈاکٹر محمد عبدالرحمان خاں صاحب وغیرہ کی توجہ مبذول کرانے کی جرأت کرتی ہوں۔

بچوں کے تصاویر اور مضامین اگر مجھے ابھی سے ملنے شروع ہو جائیں تو انشاء اللہ میلاد نمبر کے بعد ہی نونہال نمبر پیش کروں گی۔

"نادار فنڈ" کے متعلق مکرم بہن عظیم النساء بیگم صاحبہ (مدوگار مدرسۂ تعلیم المعلمات تلنگی ورنگل) تحریر فرماتی ہیں کہ رسالہ "سفینۂ نسواں" وصول ہوا ہدیۂ تشکر قبول فرمائیے۔ اس کو اس آب و تاب اور کامیابی کے ساتھ نکلتا دیکھکر بے انتہا مسرت ہوئی "نادار فنڈ" کی تحریک سے مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ اس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے، اور قوم کے ایک غریب طبقہ کو آپکے دست مبارک سے فیض پانے کا موقع ملے"۔ آمین۔

"چار روپیہ ذریعہ منی آرڈر بھیج رہی ہوں" نادار فنڈ میں شریک فرماکر ممنون فرمائیے انشاءاللہ تعالیٰ میں کوشش کروں گی کہ بہت سی ہمدرد بہنیں اس میں شریک ہوں، تاکہ انھیں ثواب دارین حاصل ہو"۔ بہن موصوفہ کی ہمدردیوں کی میں رہین منت ہوں۔

عزیز بہن "ج" نقوی صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ ...... "سفینہ" کی صوری و معنوی خوبیوں کی جو میری نگاہوں میں وقعت ہے، قریب قریب ہر نگاہ حقیقت بین کی نگاہیں وہاں تک پہنچ سکتی ہیں۔ جو چیز سراپا حسن ہو اس میں قبیح کی تلاش جستجوئے گرد احمر سے کم نہیں۔ اب بتائیے کہ خرابی کہاں سے لاؤں۔ جس پرچہ کی ابتدا اس خوبی و احتشام سے ہو اس کا انجام سوچنے کی بھی کیا ضرورت؟ انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جبکہ "سفینہ" بام رفعت کی باکمال بلندیوں پر چمکتا نظر آئیگا"۔ بہن ممدوحہ کے عنایات پیہم سے سبکدوش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔ "سفینہ" کے بارے میں آپ کا یہ فرمانا ہے کہ جو چیز سراپا حسن ہو اس میں قبیح کی تلاش جستجوئے گرد احمر سے کم نہیں" یہ سچ ہے "بھلے آدمیوں کو ہر چیز بھلی لگتی ہے"۔

محترمہ بہن بدر النساء بیگم صاحبہ (مددگارہ گورنمنٹ زنانہ ٹرینگ کالج بلدہ) رنجیدہ ہیں کہ دکن کا ایک مخصوص "تنگ نظر اور کوتاہ بین طبقہ" "سفینہ" کو اپنی خاص نظروں سے دیکھتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جہاں دس بیس خیرخواہ پیدا ہوں وہاں دو چار بدخواہ بھی ضرور نکل آتے ہیں۔ میں مسرور ہونگی اگر محترم بہن کی رنجیدگی حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے اس مصرع سے دور ہوجائے۔

بدم گفتی و خرسندم، عفاک اللہ، نکو گفتی

"مدیرہ"

محترمہ و مکرمہ مصطفائی بیگم صاحبہ (مددگارہ محبوبیہ گرلس ہائی اسکول حیدرآباد) نے امسال "مدراس" یونیورسٹی کے امتحان "منشی فاضل" میں کامیابی حاصل کی ہے۔

آپ حیدرآباد کی پہلی خاتون ہیں، جن کے سر مذکورۂ امتحان کی کامیابی کا سہرا بندھا ہے۔ میں صدق دل سے بہن موصوفہ کی خدمت میں اس کامیابی پر "ناچیز" ہدیہ مبارکباد" پیش کرتی ہوں۔

مدیرہ

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (رائچور) نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

ہمارے ملک کی خوش نصیبی ہے کہ اب وہ دن قریب آرہے ہیں جبکہ دکن کی عورتوں کو علمی ساماں کی فراہمی کیلئے بیرون ملک للچائی ہوی نظروں سے دیکھنا نہ پڑیگا۔ الحمدللہ "سفینہ" ملک کے دریائے صحافت میں کامیابی کے کنارے عنقریب پہنچ جائیگا اور ملکی مستورات ساحل مراد پر آلگیں گی۔ بشرطیکہ خدا اسکو نظر بد سے بچائے۔ آپ کے رسالہ کے مقاصد سے مجھے دلی ہمدردی ہے، انشاءاللہ تعالیٰ بشرط فرصت اپنی بساط کے موافق آپ کی ہمنوائی کروں گا۔

خواتین دکن کے لئے تعمیری کام کی ضرورت ہے، آپ کے رسالہ سے توقع بندھتی ہے کہ وہ زمانہ قریب میں اس خصوص میں رہنمائی کرے۔ میرے گھر میں میری اہلیہ و نسبتی بہن عصمت کا مطالعہ کرتی ہیں، مگر کل سے میں ان کے خیالات میں تغیر دیکھ رہا ہوں۔ "سفینہ" ان کی آنکھوں کا تارا ہو گیا ہے۔ میری اہلیہ بھی متمنی ہیں کہ وہ آپ کے رسالہ کی خدمت کریں۔ "نونہال نمبر" کی تیاری شروع ہو تو مطلع فرمائیے تاکہ میں اپنے بچے نورالحسن اختر کی تصویر روانہ کروں، جس کی صحت الحمدللہ بہت اچھی، اور اس کی پیدائش کا دن دکن کا عظیم الشان تاریخی یوم ہے۔ یعنی وہ یکم رجب کو جبکہ شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کی سالگرۂ مبارک اور شہزادگان والاشان کا عقد مسعود تھا، پنجشنبہ کی صبح پیدا ہوا۔

میں اپنے مکرم دوست کا احسانمند ہوں۔ "سفینہ"، جن اعلیٰ مقاصد کا حامل ہے، انشاءاللہ آپ کے اشتراک عمل کے ساتھ وہ اس میں ضرور کامیاب ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ نونہال جہاں طبقۂ نسواں میں مقبول ہوا ہاں آپ حضرات کی دلی ہمدردیاں بھی اس کے شامل حال ہورہی ہیں۔ عزیز اختر کی تصویر یقیناً "نونہال نمبر" کی زینت کو بڑھائے گی، آپ ضرور روانہ فرمائیے جس کی تفصیل ہمیں کہیں ملے گی۔

"اختر قریشی"

گزشتہ نمبر میں "کراس ورڈز پزل" جو تبرک تھا۔ اس کے نتائج حسب ذیل رہے:۔

(پہلا انعام) مبلغ عـه روپیہ۔ مکرمہ جنابہ ادیب النسا بیگم صاحبہ بنت مولوی محی الدین احمد صاحب (سلطان پورہ)

(دوسرا انعام) سفینہ ایک سال کے لئے جاری رہیگا) مکرمہ جنابہ رقیہ بیگم صاحبہ (ہمشیرۂ محترمہ جناب مولوی رشید الدین احمد صاحب مہتمم تعلیمات صوبۂ ورنگل)۔

(تیسرا انعام) سفینہ چھ ماہ کے لئے جاری رہیگا) مکرمہ جنابہ بنت مولوی سید خواجہ محی الدین صاحب (دوم تعلقدار وظیفہ یاب کلکٹری)، نامپلی اسٹیشن روڈ)

محترمہ جنابہ مدیرہ صاحبہ تینوں بہنوں کی خدمت میں ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہیں۔ براہ کرم اپنا پورا نام اور پتہ معہ رسید کے دفتر پر بھیج کر انعامات حاصل فرما لئے جائیں۔

اس خبر نے مجھے بے انتہا مسرور کیا کہ دکن کے مشہور ادیب و مزاحیہ نگار اور میرے کرمفرما مولانا تمکین کاظمی کی زیر ادارت ایک ماہوار رسالہ "شاہکار" کے نام سے جاری ہونے والا ہے۔ میں اس نیک ارادے پر صمیم قلب سے مولانا موصوف کی خدمت میں "ہدیۂ تبریک" پیش کرتا ہوں۔

میری دلی ہمدردی "شاہکار" کے ساتھ ہے۔ اور امید کہ یہ دکن کی سرد مہری اور ذوق ادب سے بیگانگی کے باوجود دنیائے صحافت میں نمایاں جگہ حاصل کرلیگا۔

"سفینہ" بہت جلد دکن کے ایک "ادیب جلیل" اور "حضرت" کے بعض ایسے خطوط پیش کریگا، جن سے پبلک کو یہ معلوم ہوگا کہ لاہوری ساختہ "ادیب جلیل" اور "حضرات" کی تحریرات کا دوسرا رُخ کیا ہوتا ہے اور ان کے "در خاص" قلم کے نکلے ہوئے مضامین کا خود ان کی تحریر سے کتنی دور کا لگاؤ رہتا ہے۔ اسی سلسلہ میں بیرون دکن کے ایک "عظیم الشان" (ماہوار) رسالہ کے بعض تاریک پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

مجھے افسوس ہے کہ بزرگ محترم مولانا عبد الماجد صاحب (دریا بادی) مدیر مجلۂ "سچ" نے، باوجود متعدد یاددہانیوں کے اب تک کوئی تشفی یا غیر تشفی بخش جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ

ع ۔ میرا خاموش ہی رہنا مری گویائی ہے۔

مانا کہ اس سے قبل معزز معاصر رہبر دکن نے مولانا کا ایک جوابی مضمون شایع کیا تھا، مگر وہ بھی میرے اور دوسروں کے لئے وہی غیر تشفی بخش ثابت ہوا، خصوصاً نیاز صاحب کا پیچ اور مذہبی پردے کی آڑ نے اس کو (باوجود واضح ہونے کے) بعید از فہم بنا دیا۔ امید کہ مولانا ضرور ادہر توجہ دیں گے۔

حال میں ہمعصر رہبر دکن نے محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کی ایک تحریر شایع کی ہے، جس میں محترمہ موصوفہ نے مولانا شوکت علی کی شادی اور مولانا عبد الماجد کے طلاق دینے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس تحریر پر روشنی ڈالتے ہوے۔ ہمارے ہاں متعدد تحریریں وصول ہوئی ہیں جو انشاء اللہ بہت جلد درج "سفینہ" ہوں گی۔

"سفینۂ نجات" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ بغرض تبصرہ ہمارے ہاں ابھی وصول ہوا ہے، جو نوحہ جات، سلام، اور مرثیوں پر مشتمل ہے، جسکو دکن کی مشہور مضمون نگار و انشاء پرداز خاتون عصمت مآب صغرا ہمایوں مرزا (بیرسٹرایٹ لا) نے شایع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جناب شیخ ابو القاسم صاحب حسام کی ترتیب دادہ اسلامی جنتری بابتہ ۱۳۵۱ھ بھی وصول ہوئی ہے۔ جنتری مذکور کو متعدد قیمتی بلاک کی تصویروں سے زینت دی گئی ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ عدم گنجایش کے باعث ان دونوں پر کوئی مفصل تبصرہ نہ کیا جا سکا۔ انشاءاللہ کسی قریبی فرصت میں ان پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی۔

"سفینۂ نجات"، کی قیمت ۸ر ہے، اور صغرا منزل ہمایوں نگر (حیدرآباد دکن) سے مل سکتا ہے۔

"اسلامی جنتری" بمعاوضہ (کاغذ چکنا) ۶ر اور (کھرا) ۴ر میں مطبع حیدری چھتہ بازار سے طلب فرمائیے۔

اختر قریشی
(مدیر معاون)

صاحبزادہ میکش آغائی کا اظہار حقیقت
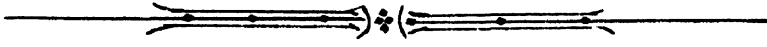
ہر چند روغن گلبہار کے متعلق توصیفی سطور تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے ان گنت محبان وطن نے اپنے تجرباتی فوائد سے پبلک کو اطلاع دی ہے تاہم حقیقت آشنا دل مانا اور اظہار حقیقت پر مجبور ہونا پڑا ورنہ میں کہاں اور عبارت آرائی کہاں چھوٹا منہ بڑی بات فی الحقیقت بہار گیسو کو یدقدرت نے سحر قدرت نے سحر آفریں اعجاز ودیعت فرمایا ہے جہاں اسکی نکہت پاش خوشبو ہر دلعزیز ہے وہاں اس کی تاثیر بھی عدم النظیر۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ اس کے استعمال نے بال گرنے موقوف کردئے درد سر زائل کردیا، تکلیف و تکان دور کردی اسکی عطر افشاں خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی دماغ کے لئے فرحت اور سکون کا موجب ہوتی اور فراہمی تسکین کا سبب بنتی ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے کہ اس کے موجد ملکی ہاتھ ہیں۔ یہ ایجاد بلا مبالغہ موجد کے لئے باعث صد ناز و افتخار ہے تو ملک کے لئے سرمایۂ ناز روغن **گلبہار** سے بالوں کی درازی اور سیاہی میں ایک گونہ اضافہ ہوتا ہے اور تقویت دماغ میں ازدیاد جس سے خواتین بھی اسی قدر متمتع و مستفیض ہو سکتی ہے جس قدر کہ ذکور اہل ملک اور محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ روغن گلبہار کو خود خریدیں اسطرح ایک ایسی ایجاد کی قدر افزائی ممکن ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ چند دن کا استعمال آپ پر اس کے تمام محاسن ظاہر کردیگا اور آپ اس کے فوائد سے خوش ہوں گے ان اصحاب مخلص کا شاکر ہوں جنہوں نے مجھے ترغیب دی اور دوسرے ان تمام ہیر آئل کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھا جس کی طوفان بے تمیزی حشرات الارض کی طرح دن دونی رات چوگنی زیادتی رہے۔

المشتہر،

منیجر گلبہار کمپنی

افضلگنج حیدرآباد دکن

ڈی شین کا
وائی ٹو فوڈ
(مرد، عورت، اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے)
وائی، ٹو، فوڈ، گوشت کی نسبت آٹھ گنا زیادہ مقوی ہے
کمزور لوگوں کے وزن میں اس کے تین ہفتہ کے استعمال سے (۷) پونڈ کا اضافہ ہوا ہے اور دو کا
استعمال سے ۴ پونڈ وزن بڑھاتا ہے، انسانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے رگ پٹھوں کی ساخت کی
خاطر "سل سالٹ" کو مناسب غذاؤں کے ذریعہ مہیا نہیں کر سکتا تاکہ اس کے جسمانی ضروریات پوری
ہوں اور دنیا میں انسانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنی مرغن اور ثقیل غذاؤں کو بخوبی ہضم نہیں کر سکتا
پس ایک قسم کے لوگ تو ہیں جو اپنی ضروری غذا کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور
دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کھاتے ہیں اسکو بخوبی ہضم نہ کر سکنے کی وجہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں اسلئے یہ
لازمی ہو گیا کہ جسم انسانی کو مصنوعی ذرائع سے جو قدرتی کے بالکل قریب قریب ہوں یہ غیر نباتی
نمک مہیا کئے جائیں۔ یہی "وائی ٹو فوڈ" کا عمل ہے۔ چنانچہ بچوں کے لئے، ضعیف اور ناتوا
کے واسطے وائی ٹو فوڈ ایک بہترین غذا ہے۔ اوپر کے دودھ پر پرورش پانے والے بچوں
کے لئے بھی یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیماروں کیلئے ایک بہترین غذا ہے۔ اس کا استعمال دق
اور اس کے مماثل دیگر امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرض کی حالت میں اس کا استعمال مریض
کے جسم میں سل (خانہ) کی عاملیت کو بڑھاتا ہے۔ جس کی بدولت مریض جلد صحت پاتا ہے
قیمت فی ڈبہ خورد ۸ ر۔ بذریعہ وی پی ۱۲ ر ڈبہ کلاں ۵ عہ بذریعہ وی پی ۱۴ عہ
ہر مشہور دوا فروش کے پاس سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
جے اینڈ جے، ڈی شین کن
رزیڈنسی روڈ متصل اکسلسیر تھیٹر حیدر آباد دکن
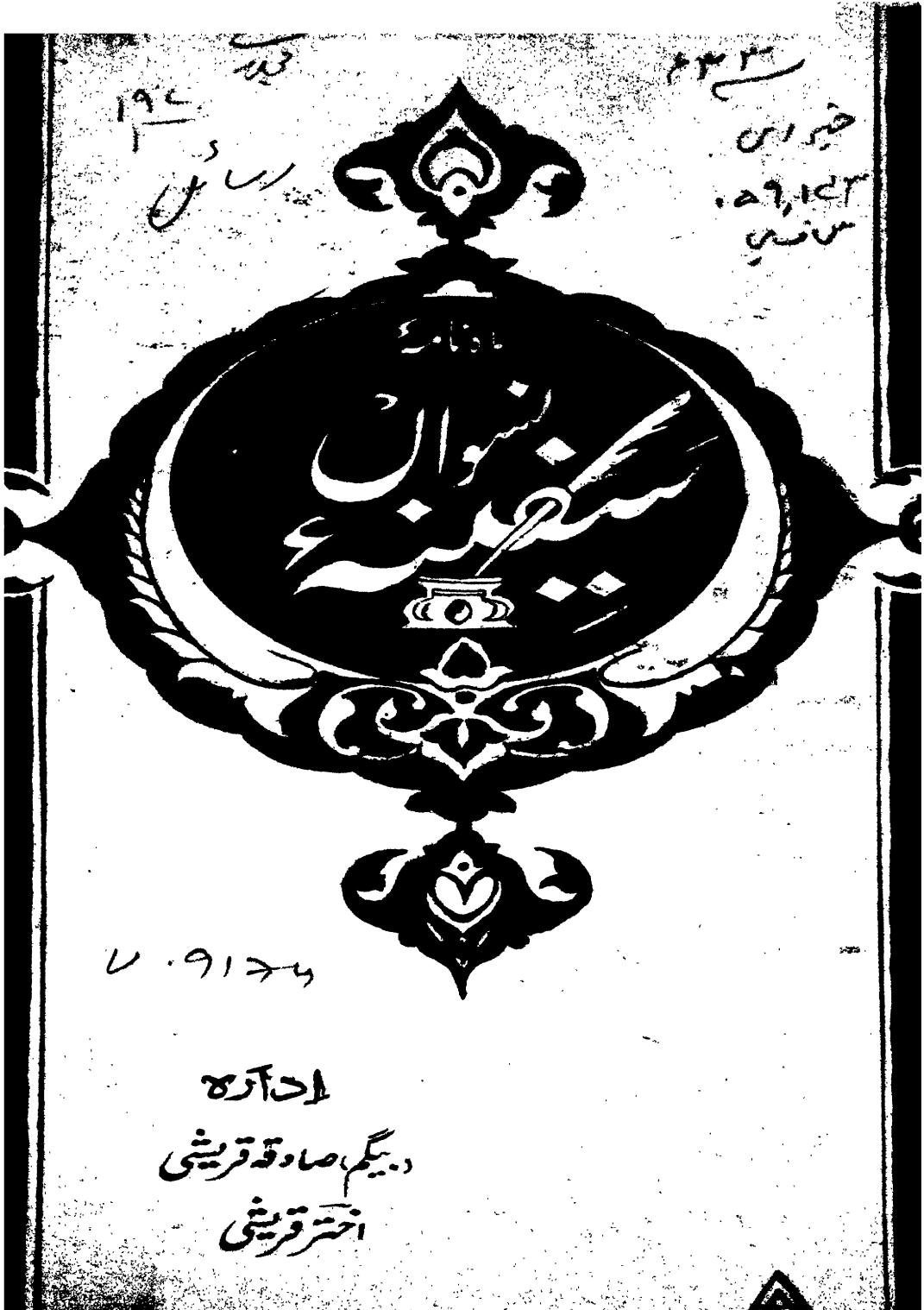
ماہنامہ
سفینۂ نسواں
ادارہ
بیگم صادقہ قریشی
اختر قریشی

مسعود دکن پریس کالی کمان حیدرآباد
یوں تو
فن کتابت اور
طباعت میں مطبع مذکور
عام پبلک سے خراج تحسین
حاصل کر چکا ہے اور اپنی پابندی
وقت اور خوش معاملگی سے خدا کا شکر
ہے کہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے ۔ ہمیں
اس بات کے اعلان کرنے میں مسرت ہے کہ مطبع
ہذا کے تحت سینما ایڈ پبلسٹی کا کام جاری ہو چکا ہے جس میں
ماہرین فن اشتہارات کے ذریعہ اشتہارات وغیرہ
تیار کر دیئے جاتے ہیں، دکانداروں کو دعوت
دی جاتی ہے کہ وہ اسطرف توجہ فرمائیں تاکہ
انکی شہرت میں چار چاند لگ جائیں
مہتمم
مطبع

بہ سفر رفتنت مبارکباد

بہ سلامت روی و باز آئی

(۰)

خبر ہے کہ ۹ر جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کو سفینہ کے اولین سرپرست و مربی حاتم دوران نواب سپہ سالار سرکار ذی وقار **سر سالار جنگ بہادر** ادام اللہ تعالیٰ عزو اقبالہ بغرضِ علاج عزیمت فرمائے یورپ ہونے والے ہیں۔ خدائے قدیر سے دعا ہے کہ نواب صاحب معز بہت جلد صحت و عافیت سے وطن واپس تشریف لائیں۔

دعا گوئے دولت

[illegible]

اختر قریشی

اڈیٹران سفینۂ ایران

اذکار و افکار

(از اختر فرشی)

رکھیو غالبؔ مجھے اِس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

گھٹّے کی تردید : پچھلے دنوں مقامی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ عثمانیہ کالج کے کسی پروفیسر تاریخ نے دکھنیوں کے طبقۂ ذکور کی کمزوری اور طبقۂ اناث کی شوخی کا سبب "گھٹّے" کا استعمال تبلایا تھا۔ اس بیباکی اور دیدہ دلیری کی کافی مذمت ہو چکی ہے اس لئے ہم اور کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتے۔ البتہ جو دکنی حضرات شمالی ہندوستان ہو آئے ہیں اُن سے التماس ہے کہ ان "تاریخی" پروفیسر صاحب کی خدمت میں یہ فرمادیں کہ ؎ تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی : تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے۔

اگرچہ حال میں ہمارا محکمہ معلومات عامہ سرکار عالی نے اس خبر کی تردید کر دیا ہے۔ لیکن ہمارے دل میں ایک کھٹک سی ہو کر ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔
رہبر نے اپنی کسی حالیہ اشاعت میں عثمانیہ کالج کے کسی متعلم کی ایک تحریر شائع کیا ہے۔ جس میں ارباب مجاز کو اس خبر کی کھلی تحقیقات کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر فی الحقیقت اس خبر کی صحت میں شبہ ہے تو پھر ایک کھلی تحقیقات کرنے میں کیا ہرج ہے؟ اُن طلبہ کے بیانات کیوں نہ لئے جائیں جن کی طرف مذکورۂ بالا تحریر میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سانپ کی گردن ڈسنے سے پہلے ہی کچل دینی چاہئے یہ ایک دو پر نہیں بلکہ تمام وابستگانِ دولت اور اہالیانِ دکن پر ایک کھلا اور مذموم حملہ ہے۔ ضرورت ہے کہ جلد از جلد اس کی تحقیقات کر کے بڑھتے ہوئے جذباتِ تنفر کو کم کیا جائے۔

برتھ کنٹرول : ہندوستان کے گوشے گوشے سے خبریں آرہی ہیں کہ وہاں کسی نہ کسی نوعیت سے خواتین کا اجتماع ہو کر کثرتِ اولاد کو قابو میں رکھنے کے رزولیوشن پاس کئے جارہے ہیں۔ اس تحریک کا مولد مغرب تھا۔ لیکن دیکھئے کہ وہی مغرب آج اس سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ وہاں

اس فاسد خیال کو مٹانے کے لئے طرح طرح کی کوششیں عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ اور یہاں کی عورتوں کو اس کا خبط ہو گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس تحریک کو قانونی شکنجے میں جکڑ دیا جائے۔ منع برتھ کنٹرول کی حمایت سے کیا کیا فوائد حاصل ہوئے اس کا اظہار تفصیل کا محتاج ہے اور ہماری عورتیں اس تحریک کو بروئے عمل لاکر کیا فائدے اٹھانا چاہتی ہیں۔ اس کا انحصار مستقبل پر ہے۔ یہاں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسی تحریکات ہندی عورتوں کے حق میں بہت مضر ثابت ہوں گی۔ برتھ کنٹرول کی مؤید خواتین ظاہر میں چاہے اس کے فوائد کچھ ہی تراش لیں۔ لیکن ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ عیاشی اور فحش کاری کا پروانہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ممکن ہے قبل از وقت ایسا سمجھ لینے میں ہم غلطی کر رہے ہوں مگر کیا کیا جائے۔ ان کی ہم جنس مغربی بہنوں نے مردوں کے آنکھوں پر کپڑا باندھ کر ان کو ہموار کر لیا۔ اور پھر وہ وہ گل چھرے اڑا رہے ہیں کہ پناہ بخدا۔

زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ دراصل تنزل ہے شیطانیت جب انسانیت پر غالب آ جائے تو وہی ہوتا ہے جو آج کل ہو رہا ہے۔ یہ فیوض و برکات ہیں مغربی تہذیب و تمدن کی دلدادگی کے۔ ابھی کچھ نہیں ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

پچپن سالہ عقل

مقامی روزناموں میں آج ہم چاہتے ہیں کہ ایک ایسے روزنامے کا ذکر کریں جو یہاں کا قدیم ترین جریدہ ہے۔ اس بزرگ اخبار کی پالیسی چاہے کچھ ہی ہو مگر اس کے ایک خاص کالم کی طرف ہم اس کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ اس کو انتہائی خلوص کے تحت قبول کرے گا۔

کہتے ہیں کہ انسان جب ضعیف ہو جائے تو قوائے عقلیہ بھی دھیرے دھیرے زائل ہوتے جاتے ہیں۔ نہ جانے یہ کہاں تک سچ ہے مگر جب ہم اس پچپن سالہ عقل والے روزنامے کے "نسوانی" والے کالم کو دیکھتے ہیں تو اس کہاوت کی صداقت کا یقین ہوتا ہے۔ اس عنوان کو دیکھتے ہی پہلے پہل ہم یہ سمجھے تھے کہ شاید یہاں نسائی دنیا کی ترقیات کو گنوایا گیا ہوگا۔ مگر مسلسل مطالعے نے ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ کالم حد درجہ کی گندگی اور بے باکیوں کو یہاں پھیلا رہا ہے۔ اس کالم میں جو خبریں ہوتی ہیں ان کو ہم یہاں پیش نہیں کر سکتے۔ ان اشارۃً اتنا بتلائے دیتے ہیں کہ فحش ترین واقعات اس کی زینت بنتے ہیں۔ اور پھر یہ خبریں نام نہاد "..... نیوز سروس" کی فراہم کردہ نہیں ہوتی ہیں بلکہ بڑی تلاش و جستجو اور چھان بین کے بعد ہندوستان کے مختلف اردو اخبارات سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ جس سے اس کے ادارے کے اعلیٰ مذاق کا ثبوت ملتا ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب کہ بری چیزوں کو دیکھ کر

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر (۳۰)

جنگل کی صبح اور دیہات کی شام

از

ہز اکسلنسی راجہ راجایاں مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت
صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

یہ سفینہ کی انتہائی خوش نصیبی ہے کہ ہز اکسلنسی نے ازراہ الطاف و کرم کے ساتھ ساتھ اس کو قلمی اعانت کا فخر بھی حاصل رہا ——— ذیل کا مضمون سر صدر اعظم بہادر کے حقیقت نگار قلم کا مرقع معرفت ہے۔ جس میں "عارفانہ مذاق" کی سرمستیاں جھلک رہی ہیں۔ ہز اکسلنسی کی ذات مجمع الصفات کسی توصیف یا تعرف سے بے نیاز ہے سطور ذیل کے مطالعے سے ظاہر ہوگا کہ قدرت کے حسین ترین مناظر کی مصوری الفاظ میں کس خوبی کے ساتھ کی گئی ہے کہ ایک مصور اپنی بیسیوں رنگ آمیزیوں کے بعد بھی ایسی دلکشی نہ پیدا کر سکیگا۔ ہز اکسلنسی ایک قادر الکلام شاعر بھی ہیں اور ایک باکمال مصور بھی اور یہاں ایک ہی وقت میں دونوں چیزیں جمع ہو گئی ہیں۔ شاعری یا مصوری کو سحر سے تشبیہ دی جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اور جب دونوں یکجا ہو جائیں تو ہم حیران ہیں کہ اس کو کیا کہیئے ؟

قدرت کے مناظر کا مطالعہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس سے وہی کیف اندوز ہوتے ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ ؎ برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ٭ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار ——— اور بعض اوقات یہ "ہوشیار" بھی چلا اٹھتے ہیں کہ ؎ ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے ٭ حیراں ہوں ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں ——— ذیل کے سطور سر مہاراجہ بہادر (مجمع الالقاب) کی ڈائری کا ایک ورق ہے جب کہ ہز اکسلنسی ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ کو اپنی جاگیر (فرخ نگر) شاد نگر تشریف لے گئے تھے۔ "جنگل کی صبح اور دیہات کی شام" کی نسبت خود ہز اکسلنسی کے الفاظ میں اس قدر اور عرض کرنا ہے کہ جو حقیقی لطف وہاں کی صبح اور شام کا

مجھے لادہ اس سے بالا ہے کہ الفاظ میں اس کا اظہار کرسکوں ۔ تاہم جو کچھ اس وقت میں نے لکھا ہے وہ میرے دلی جذبات کا فوٹو ہے"۔ اختر

---(۰)---

چشمِ بصیرت کے لئے صبح وہ بھی جنگل کی صبح ایک عجیب لطف اندوز دل افروز ہوتی ہے ۔ آج کی صبح کا سماں دیکھ کر شاعرانہ تخیل کے ذوق سے نہیں بلکہ عارفانہ مذاق سے ہم مست ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔ جنگل کی صبح کے خصوصیات ایک تاثیر رکھتے ہیں جو شہروں کی صبح میں نہیں ۔ ایران کی بلبل ہزار داستان کے نغموں کا ذکر سن کر ہم اس قدر خوش نہیں ہو سکتے جس قدر ایک جنگلی چڑیا کی آواز سے متاثر ہو سکتے ہیں سنبل وسوسن ونسرین ونسترن کا نظارہ دل ودماغ کو اتنا تروتازہ نہیں کر سکتا جتنا کہ جنگل کے خود رو پھولوں کا دلفریب نظارہ کر سکتا ہے ۔ شہروں میں انسان اپنی کارگری اور خود اپنے ہاتھ کے پیدا کئے ہوئے مناظر کے سامنے خدا کی اصلی نعمتوں اور قدرت کی اچھوتی کرشمہ سازیوں کو بھول گیا ہے ہم اس جنگل اور اس کی صبح وشام کو عرفانی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اور شہروں کی آبادی پر ترجیح دینے کے لئے اپنے جذبات سے کام لیتے ہیں ۔

کل میں جس وقت یہاں آیا تھا شام کا وقت تھا اُس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا ۔ دن بھر کے تھکے ماندے مویشی اور وہ بھی جو چرنے کے لئے سارے دن گھر سے باہر رہے تھے ۔ میدانوں اور جنگلوں کو چھوڑ چھوڑ کے گاؤں کی طرف چلے آتے ہیں اور جس طرح کوئی ذی ہوش انسان اپنا راستہ آپ ڈھونڈھ لیتا ہے اُسی طرح وہ بھی تہذیب ومتانت کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کی طرف آتے اور بغیر کسی کی رہبری کے خود ہی اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں ۔ گویا ہمیں تمدن کا سبق دے رہے ہیں کہ بیرونی کاموں میں کس طرح یکجہتی میں ملا جلا رہنا چاہیئے اور خانگی زندگی شروع کرتے ہی کس طرح الگ ہونا چاہیئے ۔ مویشیوں اور آدمیوں کی سرگرمی مستعدی دیکھ کے آزاد طیور بھی جوش میں آ کے اُن کے ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں گو اُن کو اُن دیہاتوں اور دیہاتیوں کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں مگر ان کی ایک دلچسپ زندگی پر فریفتہ ہو کے اُنھوں نے باوجود آزادی کے اُنھیں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی ہے ۔ اُنہیں کے آس پاس درختوں پر اپنا نشیمن بنا لیا ہے ۔ اور سب کو کاروبار چھوڑ کے گھر آتے دیکھ کے اُنھوں نے بھی اپنی سیر وتفریح کو چھوڑ کر نشیمنوں کا راستہ لیا اور ہر چہار طرف درختوں پر ہجوم کر کے وہ ہنگامہ مچا دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا نیچر کے دلفریب ایوان کے برجوں پر شام کی نوبت بج رہی ہے ۔

آخر آفتاب اُفق سے جا ملا رخصت ہونے والی آخری کرنیں زمین سے درختوں کی پھنگیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر گئیں اور وہاں ایک پل ٹھہر کر اوپر ہی اوپر آسمان پر پہنچ گئیں اور آسمان کے منہ پر شفق کا غازہ ملنے لگیں ۔

مشرقی اُفق سے تیرگی کی ایک چادر نمایاں ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف پھیل گئی۔ آسمان پر تاروں نے اپنی آنکھیں جھپکا جھپکا کر کھولنا شروع کیں۔ جن کا جواب صفحۂ زمین پر یوں دیا گیا کہ مکانوں میں مصنوعی روشنی کے چراغ روشن ہوئے اور گاؤں اور جنگلوں میں دہقانوں نے الاؤ روشن کیئے۔

یہاں نہ شہروں کے سے کلب ہیں نہ سوسائٹیاں نہ بذلہ سنجی کی صحبتیں ہیں۔ یہاں کے کلب یہی الاؤ ہیں جن کے گرد منکسر المزاج اور سادے مذاق کے دیہاتی بیٹھ کے لطفِ صحبت اُٹھاتے ہیں اور آبی و آبائی فصلوں اور زمین کی پیداوار کے حالات میں رائے زنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھاتے ہیں اور دن بھر کی تھکن مٹاتے ہیں۔

اب یہاں کی صبح کی سینری پر نظر ڈالیئے اس کا سماں کچھ اور ہی ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے ایوان مشرق سے صبح کا نور پھیلتا چلا آتا ہے جس قدر رات کی سیاہ چاندنی سمٹتی جاتی ہے اسی قدر رخ عالم پر نورانیت کا پوڈر بھرتا چلا آتا ہے۔ صحرا کی صبح کے سہانے وقت میں نیچر نے کچھ اس بلا کے جذبات بھر دیئے ہیں کہ عرفانی نظر مست ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس سہانے اور پر فضا وقت کی نیچرل کیفیت یوں تو شہروں میں بھی دلکش ہے مگر سرسبز اور پر فضا رقبہ یا کھلے ہوئے صحرائے لالہ زار میں تو عارفوں کے دل پر بجلی ہی گراتی ہے۔

بہارستان فطرت میں ہرے بھرے اور حدِ نظر تک کھلے ہوئے جنگل کا ایک عجیب مرتبہ ہے کیسا ہی معمولی منظر ہو لیکن اگر وہ کسی دلکشا صحرا یا پہاڑ پر نظر آتا ہے تو اُس میں عجیب دلفریبی پیدا ہو جاتی ہے حدِ نظر تک سبزہ زار مردہ دلوں کو زندہ کرنے کا دعویدار ہے۔ یہی صحرا ہے جس کا نظارہ انسان کو اپنی حقیقی بے بضاعتی کا دل ہی دل میں قائل کر کے کسی اور عالم میں پہنچا کر معرفت الٰہی کا سبق پڑھاتا ہے۔ آبادی کا ہر حصہ ایک خونی منظر ہے۔ سکندر کی ملک گیری۔ دارا کی جاہ پرستی۔ یزدجرد کی ہیمیت۔ جولیس سیزر کی خون آشامی۔ یزید کی شقاوت قلبی۔ چنگیز و ہلاکو کی جہاں سوزی و سفاکی سے قطع نظر کیجئے۔ ہمارے زمانے کی سلطنتوں کے مظالم و حشر انگیزیاں یہ سب آبادی ہی میں ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ جس کی نظیر ہمارے زمانے میں ایک جنگ یورپ ہی ہے۔

آبادی میں دنیا بھر کے گناہ ہوتے ہیں۔ شہری زندگی میں قلبِ انسانی زخموں سے لبریز ہوتا ہے شہری تکلفات لوازم حیات سمجھے جاتے ہیں۔ معیار معاشرت بلند اور بہت بلند ہوتا ہے۔ ضروریات زندگی کی گرانی عیش و عشرت کی فراوانی شہری زندگی کے اجزائے لاینفک ہیں۔ قتل و خون۔ غارت گری۔ حرص جاہ و شہرت۔ جذبۂ انتقام۔ توسیع مملکت۔ تعصب مذہبی اہل تدبیر کی واماندگیاں۔ بیچارگی غلامی

یہاں کی زندگی کا سرمایۂ ناز ہیں ۔ بخلاف اس کے شہری زندگی پر مرنے والے جنگل میں آکر سب کچھ بھول جاتے ہیں ۔ وحدانیت کی راہ بھولے بھٹکے مسافر کی پہلی منزل جنگل ہی ہے ۔ شہروں کے لہو لعب ۔ جھوٹ ۔ غیبت ۔ مکر و فریب ۔ دغا بازی ۔ عیاری ان سب باتوں سے جنگل معرا و مبرا ۔ خضر یہیں ملتے ہیں ۔ خدا کی نعمتیں یہیں نازل ہوتی ہیں ۔ معبودِ حقیقی کی بندگی کا لطف یہیں آتا ہے ۔ دعائیں درِ اجابت تک یہیں پہنچتی ہیں ۔ مراقبِ خموشی کے ساتھ ریاضتوں کا سبق یہیں لیتے ہیں ۔ سرسبز و خود رو درخت پھول پتے خدائے ذوالجلال کی وحدانیت اور خالقِ یکتا کی قدرت کا پتہ دیتے ہیں ۔ اطمینانِ قلب و تسکینِ دل و احساسِ فطرت کا لطف یہیں حاصل ہوتا ہے ۔ یہاں کے قوانین و ضوابط شہری ضوابط و قوانین سے کس قدر متغائر ہیں ۔

غزل[1]

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل — و کل نعیمٍ لا محالۃ زائل

بشب کہ دست بہ شمع ترانہ مائل بود — بلند ساز محبت ز پردۂ دل بود

ہر آں سوال کہ می کرد عقل حل میشد — بہ یک کرشمہ کہ ملّا آں صد مسائل بود

بخواستم کہ بہ بینم نظر ز دوست مگر — بہر طرف کہ نظر رفت او مقابل بود

ہزار نغمۂ خوشش میکشید مرغ دلم — گر ز پنجۂ شاہین عشق غافل بود

بفیضِ وصل تو نازم کہ از میاں برخاست — حجابِ تن کہ ہاں درمیانہ حائل بود

رسیدہ اند با فتحِ شرف ز بذل و عطا — کشادِ کار کریماں ز دستِ سائل بود

کسیے حکایت عنقاء و کیمیا کردند — مرا دشاید از اں مرد ماں کامل بود

دمیکہ حکم نمودند بہر طوفِ حرم — بکعبہ رفت اشارت عبارت از دل بود

سوادِ منزلِ آوارگانِ زلف مپرس — بہر کجا کہ رسیدیم شام منزل بود

دریں جہانِ فنا محو یا بقول لبید
سوائے نام خدا ہرچہ بود باطل بود

شیخ
(مولوی مسعود علی صاحب محوی بی ۔ اے (سابق)

[1] لبید کا شعر ہے۔

آستانۂ وزارت

علامہ سر محمد اقبال کی نظر میں

"آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار"

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر
بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار

اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت
آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار

کی وزیرِ شاد نے وہ عزت افزائی مری
چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار

مسند آرائے وزارت راجۂ کیواں حشم
روشن اُس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار

اُس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری
اُسکی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا انحصار

لیلئ معنی کا محمل اُس کی نثرِ دلپذیر
نظم اُس کی شاہدِ رازِ ازل کی پردہ دار

اس کے فیضِ پاک کی منت خواہ کانِ لعل خیز
بحرِ گوہر آفریں دستِ کرم سے شرمسار

سلسلہ اُس کی مروت کا یونہیں لا انتہا
جس طرح ساحل سے عاری بحرِ ناپید اکنار

دلربا اُس کا تکلم خلق اُس کا عطرِ گل
غنچۂ دل کے لئے موجِ نفس بادِ بہار

ہو خطاکاری کا ڈر ایسے مدبر کو کہاں
جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار

ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر
خرقۂ درویشی کا ہے زیرِ قبائے زرنگار

خاکساری جوہرِ آئینۂ عظمت بنی
دست وقفِ کار فرمائی و دل مصروفِ یار

نقش وہ اُس کی عنایت نے مرے دل پر کیا
محو کرسکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار

شکریہ احساں کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں مرا شعار

ہماری لڑکیوں کا نصابِ تعلیم و نظامِ تربیت

(از)

نواب فخر نواز جنگ بہادر ایم۔ اے (عثمانیہ) ایل ایل بی

ذیل کا اہم ترین مضمون اُس خطبۂ صدارت کا ماخذ ہے جو نواب صاحب معزّ نے "کانفرنس طیلسانین عثمانیہ" میں پڑھا تھا۔ اس اقتباس کو نقل کرنے سے ہمارا یہ منشاء کہ اربابِ تعلیم ادھر متوجہ ہوں۔ خدا کرے پورا ہو۔ نواب صاحب نے یہ بالکل بجا ارشاد فرمایا کہ "عورتوں کی جہالت ملک کی سیاسی و سماجی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ کا باعث بنی ہوئی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ "اُن کی تعلیم کے بغیر ملک کی پسماندگی بدستور قائم رہے گی"۔ آگے چل کر صاحبِ صدر نے فرمایا ہے کہ "تعلیم نسواں کی سست رفتاری کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس وقت ایسا نصابِ تعلیم اور نظامِ تربیت موجود نہیں ہے جس میں ہمارے ملک اور قوم کی ذہنی اور معاشرتی خصوصیات کا کافی طور پر لحاظ ہو...... یا ہماری بہنوں کو مدارس میں ایسی تعلیم دی جا رہی ہے جو اُن کی آیندہ معاشرت کے لئے ہرگز مفید نہیں ہو سکتی ـــــ" یعنے قابل نقاد اکبر مرحوم کے ہمنوا بن کر فرما رہے ہیں کہ ــــ تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہوں۔

"سفینہ" کی کسی گزشتہ اشاعت میں "اذکار و افکار" کے تحت ہم نے موجودہ نصاب کی خامیوں پر روشنی ڈالا تھا مگر ع صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں ــــ اُمید کہ اربابِ تعلیم کم از کم اب بھی ادھر توجہ دیں گے اور جلد سے جلد لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب مرتب کریں گے جو اُن کی آیندہ زندگیوں کو سُدھارنے والا ثابت ہو۔ آج کل ہمارے مدارس نسواں اور خصوصاً "محبوبیہ گرلس اسکول" میں تعلیم و تعلّم کا جو سلسلہ رائج ہے اُس سے ہم آیندہ روشناس کرائیں گے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ یہ لڑکیوں کو سُدھارنے کے

بجائے اُن کے اخلاق و عادات پر کاری ضرب لگا رہا ہے.........

اختر قریشی (ایڈیٹر)

حضرات! آپ لوگ یقیناً میرے اس خیال سے اتفاق فرمائیں گے کہ اس وقت لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ لڑکوں کی تعلیم کے مسئلہ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اس لئے لڑکیاں آیندہ نسل کی مائیں بننے والی ہیں اور اگر ان کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہ ہو تو یہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا بھی احساس نہ کرسکیں گی اور ان کو زندگی کی کش مکش کے لئے تیار نہ کرسکیں گی۔ عورتوں کی جہالت ملک کی سیاسی و سماجی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوگی۔ اس لئے کہ تعلیم کے بغیر ملک کی پسماندگی بدستور قائم رہے گی۔

تعلیم نسواں کی سست رفتاری کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس وقت ایسا نصاب تعلیم اور نظام تربیت موجود نہیں ہے۔ جس میں ہمارے ملک اور قوم کی ذہنی اور معاشرتی خصوصیات کا کافی طور پر لحاظ ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد تعلیم نسواں کے لئے ایک علیحدہ نصاب مرتب کیا جائے۔ ہماری بہنوں کو ہمارے زمانے کے مدارس میں ایسی تعلیم دی جا رہی ہے جو ان کی آیندہ معاشرت کے لئے ہرگز مفید نہیں ہو سکتی۔ نسوانی تعلیم میں انتظام خانہ داری اور فنون لطیفہ کو وسعت دینا چاہئے اور اس کے ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی سلسلہ رہے۔ خانگی زندگی۔ معاشرت اور تمدن کی پہلی منزل ہے۔ اس میں عورت اور مرد کے حقوق اور اختیارات یکساں نہیں ہیں۔ عورت کو ہر اعتبار سے اس میں فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ تہذیب۔ معاشرت اور تدبیر منزل میں عورت کی ذمہ داری نسبتاً مرد سے زیادہ ہے۔ ہماری معاشرت کی بعض خامیاں اور خرابیاں جو جہل کی تاریکی اور توہمات سے پیدا ہوتی ہیں قابل اصلاح ہیں اس لئے عورتوں کو ذہنیت کی تربیت یا اُن کی علمی جمود و سکون کو ہٹانے میں بیحد احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ تربیت کے ساتھ ان اعلیٰ حسیات، خصوصیات اور روایات کا برقرار رکھنا بھی نہایت ضروری ہے جس سے ہندوستانی نسوانیت کی روح زندہ ہے۔ ہندی خواتین اعلیٰ تعلیم پائیں۔ ہر شعبۂ علم و فن میں مردوں کے برابر رہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے ہندی نسوانیت کی خصوصیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے غیر اقوام کی اندھی تقلید ہندیوں کی مفلس معاشرتی قوم کے حق میں خودکشی ہے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ ذکی الحس ہوتی ہیں۔ اس مناسبت سے ان کی اعلیٰ قابلیتوں کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ فنون لطیفہ کی تعلیم ہے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ نواب ذوالقدر جنگ بہادر جیسے اعلیٰ ماہر تعلیم اور ہمدرد ملک و مالک کے دور میں

حیدرآباد کی تعلیمی زندگی میں معتد بہ انقلاب ہو جائے گا۔ اور نسوانی تعلیم کے لئے بھی جلد سے جلد ایک نصابِ تعلیم لڑکوں کی تعلیم سے بالکل علیحدہ مرتب ہو کر رائج ہو سکے گا۔

حضرات! تمام عالم میں نسوانی بیداری کی تحریک نے جنم لے لیا ہے اور ہر ملک اپنی بضاعت کے موافق ان کی اصلاح میں حصہ لے رہا ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے ایران کی خواتین اپنے حقوق زندگی سے بالکل ناواقف تھیں لیکن اب ان میں بیداری پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ طہران میں کانفرنس کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ جس میں وہ حکومت سے تعلیم نسوان اور سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

ترکی حکومت مقاصد نسواں سے خود متفق ہے۔ اس لئے یہاں عورتوں کی کانفرنسیں کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ترکی خواتین مردوں کی طرح آزادی سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ انھوں نے باوجود پردے کو بالکل ترک کر دیا ۔۔۔ لیکن ابھی ان میں وہ جوہر موجود ہے جس نے ان کو قابلِ احترام بنا رکھا ہے۔

ترکی خواتین زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم ان میں پھیلتی جاتی ہے۔ دفتروں پر انھوں نے اپنا قبضہ جمانا شروع کر دیا ہے۔ ٹیلیفون۔ تلغراف۔ اسپتال غرض کہ جملہ دفاتر میں وہ کام کرتی ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی مقرر بھی ہیں۔

ممالک عربیہ میں بغداد کی خواتین نے آزادی کی تحریک شروع کر دی ہے۔ لیکن حجاز مقدس کی خواتین ابھی دنیا کی ہوا سے محفوظ ہیں۔ وہ اب تک باقاعدہ شرعی پردہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس طرح ان میں افراط کے درجہ کی آزادی نہیں ہے۔ ان کا پردہ بھی تفریط کی حد کو پہنچا ہوا نہیں۔ وہ نصف چہرے پر پردہ ڈال کر تمام کام انجام دیتی ہیں۔ بازار میں جاتی ہیں اور سودا سلف لاتی ہیں۔ خرید و فروخت کرتی ہیں اور اپنے شوہروں سے بے حد محبت کرتی ہیں۔

جاپان تحریکات کا گھر ہے صنعت و حرفت۔ تجارت میں۔ سیاست میں۔ غرض ہر کام میں خوب ترقی کی ہے اور برابر کر رہا ہے۔ وہاں کی عورتوں نے بھی اوہام پرستی کے جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکا ہے۔ ہر معاملے میں کافی تعداد میں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔ وہ میڈیکل سائنس کی تعلیم کو بہت پسند کرتی ہیں۔ کتنی ہی عورتیں ڈاکٹری کا پیشہ کر رہی ہیں اور کم از کم چار ہزار کے قریب اس میں نرسیں و دایہ ہیں۔

امریکہ۔ فرانس۔ جرمنی۔ انگلستان کی عورتوں کا حال سب کو معلوم ہے۔ انھوں نے آزادی سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ شادی۔ بیاہ و طلاق وغیرہ اور دیگر معاملات جو روز آنہ پیش آتے

رہتے ہیں۔ اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی عورتوں کو کتنی آزادی حاصل ہے۔ لیکن حضرات! اب یہ حقیقت مخفی نہیں رہی کہ امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک عورتوں کی اس قسم کی آزادی سے بہت تنگ آچکے ہیں۔ میرا اس قدر تفصیل میں جانے کا مقصد یہ ہے کہ کورانہ تقلید اس مسئلہ میں ہم کو بہت نقصان پہنچائے گی۔ ہم کو اپنے ملک کی معاشرت کا ہر طرح خیال رکھ کر ان کی آیندہ فلاح وبہبود کا خیال کرنا چاہیئے۔

میں تو سختی سے اِن خیالات کا موئد ہوں کہ درسگاہوں ہی میں لڑکیوں کو ذیل کی طرح کے اسباق سمجھائے جائیں۔ یعنی

۱۔ عام شادیوں پر فضول خرچی کے نقصانات مثلاً آتشبازی۔ باجا اور بیجا رسوم پر خرچ وغیرہ۔

۲۔ پیدائیش اور اموات کے مواقع کی رسوم پر فضول خرچیاں۔

۳۔ شادیوں اور نکاحوں پر مقدمہ بازی کرنا اور طرفین کا مالی نقصان۔

۴۔ ان کو باعزت منزلی کام کرانے میں زیادہ مواقع دینا مثلاً سامان ایسا تیار کرنا جو گھر کے افراد ممبر کی صحت عمر اور ضروریات کے موافق ہو اور گھر اور اردگرد کی صفائی۔ سجاوٹ۔ بچوں کا باقاعدہ نہلانا۔ مناسب خوراک۔ پڑھائی اور کھیل۔ نئے کپڑے بنانا اور ان کی درست کرنا۔

۵۔ گھروں کو اپنے جانی دشمن یعنے چوہوں۔ مکھی۔ مچھر کے قبضے سے نجات دلانا اور گھر میں ہوا روشنی اور دھوپ کا باقاعدہ انتظام رکھنا ان کے متعلق عملی کام کرایا جائے اور نمونے دئے جائیں تاکہ اچھی طرح سے ٹرئننگ حاصل ہو۔

۶۔ کپڑوں کا سینا اور مرمت۔ کپڑے کاٹنا۔ جراب اور رنبائن وغیرہ تیار کرنا کپڑے دہونا اور استری کرنا۔ فسٹ ایڈ یعنے گھر کے متعلق معمولی حوادث میں ابتدائی طبی امداد و گھر کے کرۂ ہوائی میں تحریک امداد باہمی کس حد تک کامیاب ہوسکتی ہے۔ اور کن کن سکولوں میں وہ اپنے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کی نگہداشت کن طریقوں سے کرسکتی ہیں۔ صفائی اور حفظ صحت کے اصولوں پر عمل کرنا۔ دیگر گھر کے بغیچے یا پھلواڑی کا شوق۔ عمدہ کھانا تیار کرنا وغیرہ وغیرہ کام مدد و مدرسے میں آسکتے ہیں۔

خواہرانِ وطن

(از)

جنابہ گوہر اقبال حور میرٹھی (سابق مدیرہ خاتونِ مشرق)

(١)

خزاں کے دور میں ہے آج گلستانِ وطن
بہ شاہ راہِ غلط پر ہیں رہروانِ وطن
ہیں مست نیند میں غافل برادرانِ وطن
کہیں نہ راہ میں لٹ جائے کاروانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

(٢)

ہے وقت نیند سے بیدار تم بھی ہو جاؤ
ہے وقت چونک کے ہشیار تم بھی ہو جاؤ
ہے وقت برسرِ پیکار تم بھی ہو جاؤ
رہے خیال کہ تم بھی ہو پاسبانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

(٣)

نہیں ہے پھر کوئی مشکل جو تم میں ہمت ہو
اصولِ مذہبِ اسلام سے نہ غفلت ہو
تو پھر تمہیں وہی حاصل عروج و عظمت ہو
جو کھو کے بیٹھ رہے ہیں برادرانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

(٤)

رہو گے گر یوں ہی صرف زوال کیا ہوگا
رہیں جو غفلتیں ایسی تو حال کیا ہوگا
ذرا یہ سوچو کہ اس کا مآل کیا ہوگا
صلائے ہوش کہ مٹنے کو ہے نشانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

(٥)

ہے خوفناک سمندر عبور ہے مشکل
اندھیرا چھایا ہے کشتی سے دور ہے ساحل
بنے نہ خدا ہی تو گم کردہ رہِ منزل
لرز رہا ہے تھپیڑوں میں بادبانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

(٦)

کرو جو کوششیں ہوں گی وہ بے اثر کب تک
رہو گے تم یوں ہی بیٹھے امید پر کب تک
اٹھو کہ نیند میں مدہوش و بے خبر کب تک
مدد کرو کہ ہے اب وقت امتحانِ وطن
اے خواہرانِ وطن

عیدِ یتیم

(افسانہ)

جنابہ میمونہ غزال بریلوی

صبح کی گلابی عطرپاشیوں میں حسین و نوخیز طفلان معصوم اپنے نرم و نازک قہقہوں کی نقرئی جھنکاروں سے عید کو ترنم بدوش بنا رہے ہیں۔ اُن کے نظرکش ملبوسات کی ابریشمی جھلکیاں نگاہوں میں بجلیاں پیدا کر رہی ہیں۔ مسکراتے ہوئے نازک ہونٹوں اور چمکتی ہوئی کالی کالی آنکھوں میں تبسم عید کا تبسم۔ مسکراہٹ مسرت کا تبسم۔ نازک جذبات طفلی کا تبسم جھلک رہا ہے۔ ترکی ٹوپیوں کے پھندنوں کا مستانی اداؤں میں لہرانا۔ حسین کوٹوں کے نازک بٹنوں کا چمکنا۔ جوشِ مسرت میں اُچھلنے والی ہستیوں کا باہم خوشی سے گلے ملنا۔ میرے دل کی بےچین کروٹوں میں آہوں کا دھواں سلگا رہا ہے۔ حسین و کمسن لڑکیاں دلفریبی سے کھیل رہی ہیں۔ اُن کی حسین پیشانیاں مرصع جھومروں سے سجی ہوئی ہیں۔ اور اُن کے نظرفریب لباس سورج کی مچلتی ہوئی کرنوں میں وہی منظر دکھلا رہے ہیں جب ڈرتی ہوئی کرنیں رودِ جمنا پر اپنا حسین انعکاس پھیلا دیتی ہیں۔

کل دنیا وجد کر رہی ہے۔ نگاہوں میں شراب کھیل رہی ہے وہ شراب جو ہلالِ عید کی مستانی آنکھوں سے آہستہ آہستہ ٹپک کر دلوں کی رگوں میں حرارت پیدا کر دیتی ہے۔

آہ! میں سب کو حسرت آلود نگاہوں سے دیکھ رہی ہوں۔ آہ میری یتیم حالت کو نگاہِ محبت سے دیکھنے والی کوئی آنکھ نہیں ہے۔ میں عید کی مسرتوں سے منزلوں دور ہوں نہ میرے پاس خوشیوں سے جگمگانے والا دل ہے جس کی رو میں بچے کلیلن کرتے ہیں۔ میں تو ایک خاموش گوشہ میں اپنی لبریز اشک آنکھوں میں ٹیسیں لئے بیٹھی ہوئی اپنی غم آلود ساعتوں کو ختم کرنے کی ایک بےچین کوشش کر رہی ہوں۔...... اے خدا۔ کیا کبھی میرا نخل تمنا سبز نہیں ہو سکتا؟ ہائے ظالم دنیا تو مجھ پر ترس نہ کھائے گی؟ اُف۔ کوئی بھی اب محبت بھری نظر سے دیکھنے والا نہیں ہے۔ وہ شفقت سے تحیر کیا ہوا چہرہ تو لاکھوں من تودۂ خاک

کے حصۂ زیریں میں محوِ خواب ہے ۔ مجھے آنکھوں کی حسین روشنی سے تعبیر کیا کرتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔
مسرت سے اچھلنے والی دنیا کل تک بھی، کسی پیارے باپ کے آغوشِ شفقت کا کنول تھی
آج کوئی میری حالتِ ناشاد پر ایک آنسو تک ٹپکانے والا نہیں ہے ۔
ابّا ۔ پیارے ابّا ۔ تم ایک دفعہ اس تودۂ خاکی سے اپنا سر نکال کر میری جانب دیکھ لو ۔
ہائے تمہیں میری حالت پر ترس نہیں آتا ۔ ابّا ۔ میرے دل میں ان بھورے ملائم گھونگر والے
بالوں کے دیکھنے کی تمنا ہے ۔ جو مجھے عید کا پیار کرتے ہوئے تمہارے محبت آلود چہرے کے
کناروں پر لہرایا کرتے تھے ۔

غزل

یا تو دو دل کو سکوں، یا خود سکونِ دل بنو
یا بنو منزل مری، یا رہبرِ منزل بنو

مجھ کو ممنونِ کد و کاوش کبھی ہونے بھی دو
سعیٔ پیہم کا میری بھی، کبھی حاصل بنو

ہے ازل سے ہی یہ پامالِ حوادث اس لئے
دیکھ کر دل کے سفینہ کا مرے ساحل بنو

چارہ جوئی کی ضرورت، نے حاجتِ چارہ گری
چاہتے ہو تو گھڑی بھر، میرا دردِ دل بنو

کشتیٔ دل چھوڑ دو، لنگر کو اختر توڑ دو
جب خدا ہے، ناخدا کے کس لئے سائل بنو

اختر قریشی

وادیٔ غربت اور مسافر

(افسانہ)

جنابہ انوار فاطمہ صاحبہ شمیم لکھنوی

مسافر اپنی دھن کا دھنی۔ مسافر وادیٔ غربت میں قدم اٹھائے چلا جاتا ہے۔ لیجئے شام ہو گئی۔ آفتاب کی واپسیں کرنوں نے دم توڑتے ہوئے ایک مرتبہ اس طلسم خانہ پر نظر حسرت ڈالی اور اہلِ گیتی کو فنا کا سبق دیتی ہوئی رخصت ہو گئیں۔ طیور نے زور و شور سے اس شاہ خاوری کی رخصت پر اپنی سرخ سبز منقاروں سے رسمِ ماتم ادا کی اور چونکہ اس کوہِ غم کے اٹھانے کی قابلیت ان میں نہ تھی۔ لہٰذا انتہائی کمزور اور نڈھال ہو کر سر بہ گریباں اپنے اپنے آشیانوں میں جا پڑے لیکن واہ دھن کے پکے مسافر کی رفتار ابھی ختم نہ ہوئی۔ شائد خار و شجر اس کے میزبان ہیں — خارِ مغیلاں خیر مقدم کر رہے ہیں۔ ان کی اس مہمان نوازی کا شکریہ۔ مسافر بے دست و پا نہایت جوش و خروش سے کیا۔ خالص شکریہ ہی نہیں بلکہ سرخ اور قیمتی یاقوت دُرجِ رواں سے نکال کر نہایت ادب کے ساتھ نذر گزرانی۔ لیکن آہ بے خبر ابن السبیل کو کچھ خبر نہیں۔ شب اپنی سیاہ زلفیں کھولے ماتمی لباس میں جلوہ فگن ہے۔ چھوٹے لیکن درخشاں ستارے اپنی نیم باز آنکھوں سے بے خبر سونے والوں پر چشمک زنی کر رہے ہیں۔ مشاطۂ نسیم بے دردی کے ساتھ نوخیز غنچوں کے نکھار میں مصروف لیکن اس غریق محبت کو اصلا خبر نہیں۔ اب اپنی اس رفتار سے مضمحل ہو کر ایک بالین نہال کے سہارے بیٹھ گیا اور نہایت ہی پرسوز سرگم میں پردۂ عشاق کو چھیڑ دیا۔ اور محبت کا راگ الاپنا شروع کیا۔ اس نغمۂ دلکش نے مسافر پر ایک وجدانی کیفیت طاری کی اور یہ خیال آیا کہ اس نغمہ کو الاپنے والی کوئی دوسری ہستی ہے۔ گرتا پڑتا اٹھا اور جستجوئے مطرب میں ایک طرف چل دیا۔ دریائے فنا زور و شور سے بہہ رہا ہے۔ جس مقام سے ہو کر یہ بہتا ہے آہ —

وہ وادئ غربت ہے۔ اس میں جگہ جگہ سربلند کوہ ہیں۔ جن میں کوہِ غم کی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ صبح کے وقت اس کی چوٹی خورشید جاوداں کی کرنیں آکر گوندھی ہیں۔ آرزو۔ تمنا۔ ارمان۔ حسرتیں۔ رنج والم۔ تڑپ۔ پھڑک۔ صبر۔ قناعت۔ غرضیکہ ہزاروں طرح کے آبشار قسم قسم کے چشمے رنگ رنگ کی جھیلیں وادئ غربت کی سطح پر رواں ہیں۔ مسافر حرماں نصیب مسافر چلا جارہا ہے۔ لب خشک۔ رنگ زرد۔ آہ سرد۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف پانی کی جستجو میں دیکھتا ہے لیکن آہ! خدا معلوم کہ وہ کس آبِ حیات کی تلاش میں ہے کہ یہ چشمے یہ جھیلیں سب اس کی نظر میں ہیچ ہیں اپنے خشک ہونٹوں پر سوکھی زبان پھیرتا ہوا ایک طرف چل پڑتا ہے اور آنِ واحد میں بحرِ فنا کے اس در دیر کہ جس کی ساخت شکستہ دلوں کے ٹکڑوں سے ہوتی ہے اور اس کے کناروں پر وفا کی خوشنما پچکاری ہے جا پہنچا۔ الاماں یہ بحرِ ذخار اور نہ سفینہ اور نہ ناخدا مسافر کچھ دیر تک سوچ میں بیٹھا رہا۔ یکایک اس کے اداس چہرے پر امید کی روح افزا جھلک نمودار ہوئی اور یہ بڑی مستعدی کے ساتھ بحر کی سربلند موجوں کے آغوش میں جانے کو تیار تھا کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا اے نادان کیا کرتا ہے۔ یہ بحرِ فنا ہے اس نے آنکھ اٹھا کر آنے والے شخص کی صورت دیکھ کر پوچھا آپ کون ہیں۔ جواب ملا۔ خضر۔ مسافر مضحکہ خیز ہنسی ہنسا اور کہا شاید آپ نے شمیم کا یہ مقولہ نہیں سنا۔ رہروانِ عشق رہبر سے غرض رکھتے نہیں ؛ خضر کا جس میں گزر ہو کب وہ منزل چاہیئے۔ ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اپنی ہستی بحرِ فنا کی موجوں کے سپرد کر کے بقائے دوامی حاصل کر لی۔

تحفۂ سالِ نو

نوجوان کی عروسِ حیات تین تابناک ہیروں سے مزین ہونی چاہیئے ان ہیروں کی قیمت ادا نہیں کیجا سکتی —— **اُمید** - جس کی شعاع حیات بخش ہے —— **ایقان** - جہاں سب ناکام ہوتے ہیں۔ نوجوان کا جذبۂ ایمان کوہساروں کو جنبش میں لا سکتا ہے۔ **صداقت** —— روح ادراک۔

سال نو کی تقریب پر ان ہیروں سے مزین ہو جاؤ۔

(از علامہ عبداللہ یوسف علی سی۔ بی۔ ای۔ ای ایم۔ اے ایل ایل ایم (کنٹب) بیرسٹر ایٹ لا آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ)

افسانہ:-

پیار کا رس

(ماخوذ)

جناب مظہر انصاری بی۔اے آرز "نیرنگِ خیال"

(۱)

ادھر بگھی منصورہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اُدھر ڈاکیہ کوٹھی سے نکلا۔

جب کبھی ایسا اتفاق آن پڑتا کہ زبیدہ میکے میں ہے اور منصورہ بھی ماں کے پاس چلی آئی تو دوسرے تیسرے زبیدہ اپنی سہیلی کے پاس گھنٹے دو گھنٹے کے لئے ہو آتی۔ وقت عموماً ساڑھے دس کا ہوتا۔ کوچبان بابوجی کو دفتر پہنچا کر آیا اور زبیدہ نے چھوکرے کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی گھوڑا کھولنا نہیں۔ چھوٹی بیگم وکیل صاحب کے ہاں جائیں گی۔ صبح کی ڈاک بھی کوئی ایسی ہی آتی ہے۔ دس ساڑھے دس پہ عموماً بگھی اور ڈاکئے کی مٹھ بھیڑ ہوتی۔

ٹھنڈی سانس لے کر زبیدہ نے سوچا منصورہ کا دولھا منصورہ کو ہر دوسرے تیسرے خط لکھتا ہے۔ کتنی چاہت ہے بیوی کی۔ ساس سے ان بن۔ شوہر سے کھٹ پٹ۔ میکے میں پڑی ہوئی ــــ اپنی اس حالت کا خیال کر کے زبیدہ کے دل پر چوٹ سی لگی۔

بگھی تھمی۔ چھوکرے نے پکارا چھوٹی بیگم صاحب کوٹھی آگئی۔ زبیدہ آنسو پونچھتی ہوئی اتری اور کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

(۲)

منصورہ کھڑی شوہر کا خط پڑھ رہی تھی۔ عارض پہ تمتماہٹ تھی۔ آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔ سہیلی کو دیکھ کر خط طے کرتی ہوئی آگے بڑھی۔

زبیدہ نے پوچھا۔ تمہارے دولھا کے پاس سے آیا؟

منصورہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ہاں۔ لکھا ہے جلدی آجاؤ۔ تمہارے بغیر طبیعت نہیں لگتی۔

زبیدہ نے ایک پژمردہ تبسم کے ساتھ کہا۔ "اچھا"
منصورہ بولی "میرا تو خیال تھا ابھی مہینے دو مہینے اور رہتی تم بھی آج کل یہیں تھیں۔ پریاکے پھندے پڑنے کے بعد بچپن کے ساتھیوں سے کب ملنا ہوتا ہے۔ مگر وہ مانتے ہی نہیں۔ ہر دوسرے تیسرے لکھ بھیجتے ہیں کہ جلدی آجاؤ۔
کھلی کھڑکی میں دھوپ کی شعاعیں رہگذر پر ننھے ننھے خاکی ذرات رقصاں تھے اور باہر کی طرف انگور کی بیل ہوا کے جھونکوں سے جھولتی تھی۔
زبیدہ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ تمہارے شوہر بہت انسیت رکھتے ہیں تم سے!
منصورہ نے چاؤ سے کہا۔ اے بوا انسیت ونسیت وہ نگوڑی کیا بلا ہے۔ وہ تو خیر ہے یا نہیں مگر انسیت سے زیادہ انہیں نخرے کرنے آتے ہیں۔ ہم عورتیں دنیا میں اپنے نخروں کے لئے بدنام ہیں مگر سچ پوچھو تو مرد ہم سے زیادہ ناز برداری کے بھوکے ہیں۔ ہر خط میں لکھا چلا آتا ہے۔ ہائے میں یہ ہوگیا۔ ہائے میں وہ ہوگیا۔ آؤ چلا۔ جلدی کرو۔ نصیبِ دشمناں دم نکلا۔ اب یہ عورت کو خواہ مخواہ مجبور کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ میرا خیال تھا۔ چند دن اور رہتی تم بھی یہیں تھیں۔ مگر"
زبیدہ نے کہا۔ "نہیں بہن تم میری خاطر سے اپنے شوہر کو کیوں ناراض کرو۔ مجھ بدنصیب کا کیا ہے سسرال سے نکلی۔ ماں باپ کے بچھوے سے آن لگی۔
منصورہ سہیلی کے خانگی حالات سے بالکل بے خبر تھی۔ گھبرا کر بولی "کیوں خیریت تو ہے۔ کیا جھگڑا ہوگیا؟" زبیدہ نے جواب دیا۔ "اے لو جھگڑا آج کا ہے۔ میں تو تین مہینے سے میکے میں پڑی ہوں"
منصورہ۔ کیوں آخر کیا بات ہوئی؟
زبیدہ۔ بات کیا بتاؤں۔ میرے تو نصیب ہی کچھ ایسے پھوٹے ہوئے ہیں کہ سونے کو ہاتھ لگا دوں تو مٹی ہو جائے۔ ساس تو پھر ساس ہیں۔ میں اُن ہی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جو سات لڑی کے سہرے سے گئے تھے۔
منصورہ گردن نیچی کئے زبیدہ کی گفتگو سن رہی تھی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سہیلی کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ بیقرار ہو کر آگے بڑھی۔ دوپٹے کے آنچل سے زبیدہ کے آنسو خشک کئے اور گلے میں باہیں ڈال کر بولی۔ میری پیاری بہن مرد کی بے اعتنائی خود مرد ہی سے شروع نہیں ہوتی۔ اس کی پہلی ذمہ دار عورت ہے۔ تم کیوں اپنے آپ کو ایسی حالت میں پیش کرو کہ مرد بے توجہی برتے۔ کشش پیدا کرو۔ جاذبیت دکھاؤ اور مجبور کردو مرد کو کہ وہ تمہاری طرف اور صرف تمہاری طرف اس طرح کھنچے جیسے

وہ مقناطیس کی طرف۔ جوانی۔ صحت۔ لباس۔ زیبائش اور پھر ان سب کی سرتاج محبت۔ ان زبردست ہتھیاروں کے ہوتے عورت گرہست کی بازی ہار جائے ناممکن۔

زبیدہ بولی "ہے تو ٹھیک۔ مگر مجھ میں یہ اللہ ماری شرم ایسی گھس گئی ہے کہ دور کئے نہیں جاتی۔ اسی خوف میں اپنا کام تمام کئے لیتی ہوں کہ ایسا نہ ہو کوئی کہہ بیٹھے ارے یہ گھر گرہستی ہے یا میسوا بن کر دکھانا نہ ماں باپ کے ہاں آیا نہ سسرال جاکر سیکھا۔

منصورہ۔ برا نہ ماننا۔ تمہارا یہ طرز عمل ہے تمہاری کمزوری ہے۔ ہر عورت میں اس لطیف جوہر کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے۔ جسے نسوانیت کہتے ہیں۔ ہر عورت اس کی مالک بھی ہے اور امین بھی۔ خیانت سے بچ کر ملکیت کا ثبوت دو۔ چھپا جوہر جب تک کھلیگا نہیں جوہر کھلانے سے محروم اور سب کچھ ہونے پر بھی پتھر ہے۔

زبیدہ۔ منصورہ بہن کیا بتاؤں۔ زندگی نے انہیں تو مجھ سے بدگمان ہونے کے موقعے دیئے مگر مجھے شوہر پرستی دکھانے کے موقعے نہ دئے۔

منصورہ۔ نہیں اول تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو محض تمہاری غفلت سے۔ دل کی آنکھ وا کرو۔ اور اسی کی بینائی سے زندگی کی رفتار کو دیکھو۔

زبیدہ۔ ہاں بات تو قرینے کی ہے۔ مگر کیا کروں۔ چالاک میں نہیں۔ نخرے مجھ سے نہیں ہوتے ہنسوڑ بننا مجھے نہیں آتا۔

منصورہ۔ پھر مطلب؟

زبیدہ۔ مطلب یہ کہ مجھ میں مرد کا دل ہاتھ میں لینے کی صلاحیت ہی نہیں۔

منصورہ۔ غلط اور بالکل غلط۔ بہن مرد ایسی ہنسوڑ عورت کو پسند نہیں کرتے جو انہیں ٹھٹھوں میں اڑادے اور نہ چالاک عورت کو۔ یاد رکھو زندگی کے کھیل میں بازی ہمیشہ سچی محبت کے ہاتھ میں رہتی ہے ہنسوڑپن چالاکی۔ ناز نخرے یہ باتیں ایک بازار کی بیٹھنے والی میں بھی مل سکتی ہیں اور ملکی کیا ہوتی ہیں۔ مگر وہ سچا پیار جو دکھوں کے زہر کو چوس جاتا ہے ایک گھر گرہستی کے دل کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ تمہیں معلوم ہوگا۔ میرے شوہر میرے عزیز بھی ہوتے ہیں (زبیدہ نے گردن ہلائی) ایک دن شادی سے پہلے کا ذکر ہے۔ کمپاونڈ میں میرے تینوں بھائی اور وہ ہاکی کھیل رہے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ منجھلے بھائی نے گیند پر مارنے کے لئے اسٹک جو اٹھائی تو ہاتھ سے چھوٹ گئی اور جھپٹ کر لگی کس کے۔ ان کے سیدھا ہاتھ بالکل چورا ہو گیا۔ اسوقت وہاں ہمارے اور عزیز بھی تھے۔ میری ہم عمر لڑکیاں بھی

تھیں۔ کوئی بیگم صاحب تو خون نکلتا دیکھ کر "ہی ہی" کرنے لگیں۔ کوئی "ہیا ہئی" پکار اٹھیں۔ کوئی دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈھانپ کر کھڑی ہو گئیں۔ کوئی افسوس کرنے لگیں۔ کوئی جرح ہی میں مصروف رہیں۔ مگر تمہیں معلوم ہے تمہاری منصورہ نے کیا کیا۔ دوڑی دوڑی گئی۔ پانی لائی۔ لٹھے کی دھجیاں لائی۔ اُن کے ہاتھ کو دھویا۔ صاف کیا۔ کپڑا تر کر کے باندھا۔ اور نوکر کو بھیج کر اسی وقت تانگہ منگوایا اور چھوٹے بھائی کو ہاصرار ان کے ساتھ کر کے ہسپتال بھیجا۔ میرے شوہر کبھی کبھی کہا کرتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن قسم لے لو جو کسی اور عورت کا خیال بھی میرے دل میں آیا ہو۔"

زبیدہ بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

منصورہ نے کہا "تو بیگم مرد کی طبیعت ایک بچے کی سی ہے۔ جو اس سے ہنسے جتنے زیادہ کرے گا۔ اسی سے مانوس ہو جائے گا۔ شوہر کو غلام بنانے کا منتر یہ ہے کہ پہلے عورت خود اس کی باندی بن کر دکھا دے۔ خدمت سے عظمت ہے اور محبت سے جیت۔ اور جب خدمت اور محبت دونوں یکجا ہو جائیں تو شوہر کے دل کی نگری اپنے دروازے ہر عورت کے لئے خود بخود کھول دیتی ہے۔

(۳)

زبیدہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ بال سنوارتی اور منصورہ کی گزشتہ دن کی گفتگو پر غور کرتی جاتی تھی۔ چھوکرا بھاگا ہوا آیا۔ چھوٹی بی آپ کو بیگم صاحبہ بلاتی ہیں۔ ماں بڑے دالان میں سراسیمہ کھڑی تھی۔ زبیدہ کی بلائیں لے کر بولی۔ "ماں کی جان خدا کرے تیرا سہاگ رہتی دنیا تک قائم رہے۔ دشمنوں کو اس وقت بڑی بری خبر سنی ہے۔ امیرن کا بیٹا کہیں سے سنکر آیا ہے تمہارے دولھے کو موٹر کا حادثہ پیش آگیا۔

کانوں کی راہ فقرہ دماغ تک پہنچا۔ خیالات کی بستی پر بم کی طرح پھٹا۔ سوتی ہوئی نسوانیت جاگ اٹھی۔ شوہر پرست زبیدہ کے حواس انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے۔ دل کی کیفیت کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"کب خبر آئی۔ امیرن کا بیٹا کہاں ہے؟"

ماں۔ ابھی ابھی آئی ہے (چھوکرے کو آواز دے کر) ارے ذرا امیرن کے بیٹے سے کہہ کہ اندر آجا۔

امیرن کا بیٹا اندر آیا تو زبیدہ نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

تو نے یہ خبر کہاں سنی۔

حضور میں بازار سے گھر کو آرہا تھا راستے میں بھیڑ لگی دیکھی۔ ایک موٹر کھڑی تھی اور ایک تانگہ ٹوٹا پڑا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے۔ سواریاں بری طرح زخمی ہوئی ہیں۔

زبیدہ۔ تونے یہ کس طرح جانا کہ ان سواریوں میں میرے شوہر بھی تھے۔

حضور! لوگ نام لے رہے تھے۔

زبیدہ۔ کیا نام لے رہے تھے۔

امیرن کا بیٹا۔ تنویر احمد۔ تنویر احمد کہہ رہے تھے۔

زبیدہ (ماں سے مخاطب ہوکر) معلوم نہیں اماں جان کو بھی خبر ہوئی یا نہیں۔

ماں۔ اسی لڑکے کو بھیجدو۔ کیوں رے تو چھوٹی بیگم کی سسرال جانتا ہے۔

زبیدہ (بات کاٹ کر) نہیں میں خود جاؤں گی۔ ارے چھوکرے جا بگی جڑوا۔ کیا؟ اچھا تو جا تانگہ لے آ۔

(۴)

دو ن گھنٹے بعد زبیدہ نے سسرال کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا۔ ساس انگنائی میں سے جلدی جلدی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ بہو کو دیکھتے ہی بے اختیار ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھیں اور لپٹ کر رونے لگیں۔ زبیدہ نے انھیں سمجھایا۔ اماں جان۔ یہ وقت جان ہلکان کرنے کا نہیں ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ اطلاع ملے کتنی دیر ہوئی؟

ساس۔ آدھ گھنٹے سے زیادہ ہوا۔ نوکر مُوا جانے نہیں کہاں چلا گیا۔ حیران بیٹھی دیوار و در کو تک رہی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ پر لگیں اور میں اُڑ کر ہسپتال جا پہنچوں۔

زبیدہ۔ ہسپتال میں ہیں۔

ساس۔ ہاں!

زبیدہ۔ تو میں چھوکرے سے ابھی سواری منگواتی ہوں۔ آپ تیار ہو جائیے۔ سواری آئی تو زبیدہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہوئی۔

ساس بولیں۔ بیٹی تم یہیں گھر میں رہو۔ سب طرح سامان ٹھیک ٹھاک رکھنا۔

(۵)

سونا گھر جو اکیلی عورت کو پھاڑ کھاتا معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر اس پر شوہر کا دہلا کا۔ سناٹے میں تھی کہ دیکھئے کیا خبر آتی ہے۔

وہی سسرال جس سے بگاڑ تھا۔ آج اس سسرال کی ایک ایک چیز سے اُنسیت کی بُو آرہی تھی اندر پہنچی۔ دالان کے پلنگ پر لیٹ خیالات میں محو ہوگئی۔ دفعتاً آنگنائی میں مردانہ قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ زبیدہ دھک سے رہ گئی۔ اُٹھ بیٹھی۔ ایک منٹ تک سنا کی۔ پٹ پٹ پٹ۔۔۔۔ دروازہ شاید کھلا رہ گیا کوئی اندر گھس آیا۔ عورت ذات اور پھر اکیلی۔ یا اللہ اب کیا ہوگا۔ ہمت کر کے اُٹھی۔ تھر تھرائی کپکپاتی انگنائی کی طرف چلی۔ دل سینے میں بیٹھا جاتا تھا۔ مگر پھر سونچا کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوئی مار ڈالے گا۔

چبوترے کی سیڑھیوں سے اُتر رہی تھی جو غسل خانے کے دروازے میں ایک مردانہ بیٹھ نظر آئی۔ کوئی اندر کے رُخ منہ کئے پانی کے چھپکے دے رہا تھا۔ قدموں کی چاپ سنکر وہ مڑا۔

ہائیں تم آگئیں۔ تنویر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ کب آئیں۔

زبیدہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ ابھی کوئی آدھ گھنٹہ ہوا۔

رومال سے منہ پونچھتے ہوئے بولا۔ ہاں خیر ایک آنا یہ بھی ہے۔ مگر میرے خیال کی دنیا میں تو تم روز ہی آیا کرتی تھی۔ سچ جانا جس دن سے گئی ہو زندگی بے مزہ معلوم ہوتی ہے۔ روزمرہ کی مشترک زندگی میں چھوٹی موٹی باتیں ایک دوسرے کے مزاج کے خلاف ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ یہ تو نی تھی میری بھی اور تمہاری بھی کہ خواہ مخواہ کو بگاڑ کر بیٹھے۔ خیر اچھا اماں کہاں ہیں۔

زبیدہ۔ ہسپتال میں۔

تنویر۔ وہ کیوں؟ خیریت؟

زبیدہ نے سارا ماجرا بیان کیا وہ سُن کر بہت ہنسا۔ بولا۔ وہ کوئی اور آدمی ہوگا۔ میں تو دیکھو تمہارے سامنے اچھا بچھا کھڑا ہوں۔ خیر بہر حال اسی بہانے سہی تم آئیں تو سہی۔

زبیدہ نے کہا۔ یہ باتیں تو پھر بھی ہوسکتی ہیں۔ تم ہسپتال جاؤ اور اماں جان کو لے کر آؤ۔ پریشان ہو رہی ہوں گی۔

تنویر۔ سواری تو آنے جانے کی کی ہے نا!

زبیدہ۔ ہاں!

تنویر۔ تو بس پھر وہ آجائیں گی۔ ہم تم تنہائی میں دو ایک باتیں کریں گے۔ اتنے دن کے بعد تو ملنا ہوا ہے۔

(۶)

تھوڑی دیر بعد جب زبیدہ کی ساس لوٹیں تو اُنہیں دروازے ہی میں سے دو انسانی آوازیں سُنائی دیں۔ ٹھٹک کر کھڑی ہوگئیں اور سننے لگیں۔ آوازیں کیا تھیں۔ بچھڑ کر مل جانے والے پنچھیوں کی چہکاریں معلوم ہوتی تھیں۔ سُن رہی تھیں اور اُن کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ کون ہے جو اولاد کا گھر آباد نہیں دیکھنا چاہتا۔ مگر ساس بہو کا رشتہ کچھ ایسا ہے کہ ذرا سی بات بھی بگڑ کر تبنگڑ بنجاتی ہے۔ تنویر کی ماں اس وقت بہو کی وفاداری سے متاثر اور اپنے اُلجھ پڑنے کی عادت پر نادم تھی۔ تالی دونو ہاتھ سے بجتی ہے اور لڑائی تو اُس وقت تک ہوتی ہی نہیں۔ جب تک دونوں فریق جنگ ترم پر آمادہ نہ ہوں۔ خطا بہو کی ضرور ہوگی اور ہونی بھی چاہیئے ایک بالی لڑکی میں تدبر ڈھونڈھنا صحرا میں پانی کی تلاش ہے۔ مگر صدیوں پرانی کہاوت ہے کہ از خورداں خطا و از بزرگاں عطا۔ اس وقت اُنہیں محسوس ہو رہا تھا کہ زبیدہ شوہرپرست اور میرے بیچے پر جان چھڑکنے والی ہے۔ ہوتی اور ہوتی کیا ہیں۔ ایسی بویاں کہ خصم پر آفت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے اور وہ پتھر کی کلیجوں والیاں اُس [illegible] ۔ کہاں اِدھر خبر پایا اور اُدھر بگاڑ پر خاک ڈال۔ بھاگوں بھاگ سسرال چلے آنا۔ مانا کہ تنویر احمد صحیح سلامت تھا اور چوٹ چپٹ سے محفوظ اور زبیدہ ماں کے گھر رہ کر ہی اگر ذرا اور تحقیقات کرتی تو بات صاف ہو جاتی مگر وہ ہوتا عقل کا فعل اور یہ ہوئی دل کی کارگزاری۔ عقل زبیدہ کو اضطراری حرکت کی دُکھدا سے بچالیتی۔ مگر دل کا ساتھ دے کر زبیدہ نے جو کھویا ہوا اعتبار پھر حاصل کرلیا وہ عقل کہاں سے لاکر دیتی۔ پیار کا رس دل ہی دل میں ہوتا ہے۔

ہجرت

(اختر)

جنابہ زہرہ صاحبہ بنت ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب (گلبرگہ)

مشرکوں نے جو کیں گستاخیاں آنحضرتؐ سے
آپؐ نے ترکِ وطن کا کیا قصد اُکتا کر

وقت دوپہر کا شدت کی تپش گرم ہوا
آپؐ اس دھوپ میں تنہا گئے صدیقؓ کے گھر

اور فرمایا کہ اے یارِ وفادار سنو
تم بھی اب چھوڑنے کے واسطے تیار ہو گھر

اس قدر اُن کو ہوئی اپنی معیت کی خوشی
آگئے آنکھوں میں صدیقؓ کے آنسو بھر کر

اور ادب سے یہ کیا عرض کہ ماں باپ فدا
خدمتِ پاک میں دو اونٹنیاں ہیں حاضر

سن کے فرمایا کہ ہاں رہنے دو ان دونوں کو
اور اک راہ نما کر لو تلاش اے بوبکرؓ

(۰)

لے گئے سرورِ عالم جو مکاں کو تشریف
گئے صدیقؓ پھر عبداللہ اریقط کے گھر

دونوں دیں اونٹنیاں اور اُسے فرمایا
تیسرے دن جبلِ ثور پہ آؤ لے کر

(۰)

اپنے بستر پہ بٹھا کے ابنِ ابی طالبؓ کو
چھوڑ کر شافعِ عالم گئے سوئے بوبکرؓ

اور صدیقؓ بھی تیار تھے چلنے کے لئے
آتے ہی آپ کے وہ ہو گئے ہمراہ اُٹھ کر

پہنچے جس وقت لبِ ثور پہ دونوں حضرات
غار میں حضرتِ صدیقؓ گئے پہلے اُتر

صاف کی پہلے جگہ اور پھر اپنی تہمد
پھاڑ کر بند کیا جتنے تھے سوراخ مگر

ایک سوراخ بچا تھا تو لگا دی ایڑی
اور کیا عرض کہ اب آئیے میرے سرور

جلوہ آرا ہوئے تب غار میں سردارِ جہاں
زانوئے یار پہ آرام کیا سر رکھ کر

دیر تھوڑی بھی نہ گزری تھی کہ اک موذی نے — ڈس لیا حضرتِ صدیق کی بس ایڑی پر
تھا ادب مانع جنبش کیا صدیق نے ضبط — عارضِ پاک پہ گرنے لگے آنسو بہ کر
نیند سے چونک کے سرکار نے دریافت کیا — کیسی ہیں ہے جلدی سے کہو اے بوبکر
یوں کیا عرض کہ ماں باپ فدا ہوں میرے — پاؤں کو جانور موذی نے کاٹا آکر
سن کے حضرت نے لعاب دہن اپنا تھوڑا — مَل دیا موضعِ ماؤف پہ فوراً لے کر
زخمِ پا ہو گیا صدیق کا فوراً اچھا — اب تھی تکلیف ہی باقی نہ کھٹک تھی نہ ضرر

(٠)

وقتِ شب ہو کے بہم چند جوانانِ قریش — اس ارادے سے درِ پاک پہ ٹھہرے آکر
پھیر دیں جو کوئی پوچھنے والا مل جائے — مل کے سب قتل کریں آپ کو بے بس پا کر
مشرکوں کو یہ خبر کب تھی کہ یاں سرورِ دیں — رونق افروز نہیں گھر میں گئے عزمِ سفر
ان کو معلوم یہ جس وقت ہوا صبح کے بعد — تو چلے ڈھونڈنے مکہ سے اِدھر اور اُدھر
چند جا کر جبلِ ثور پہ پہونچے جاسوس — جن کا انعام مقرر تھا کئی سرخ شتر

(٠)

آپ نے عرض کیا یا نبی آئے ہیں یہ لوگ — پاؤں جاسوسوں کے صدیق کو جب آئے نظر
اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں اگر یہ مشرک — تو اسی وقت ہم ان دونوں کو آجائیں نظر
سن کے فرمانے لگے حضرتِ اکرم صدیق — جن کا ناصر ہو خدا اُن کو ہے کس بات کا ڈر
الغرض تین دن اور رات وہاں پر گزرے — تھے نہاں شاہِ زمن اور جنابِ بوبکر
رات بھر غار میں رہتے تھے جنابِ صدیق — صبح کے وقت غذا لاتے تھے مکہ جا کر
تیسرے دن ہوئی جب جستجو کفار کی کم — حاضر عبداللہ ہوا اونٹنیاں دو لے کر
رونق افروز ہوئے ایک پہ سردارِ رسل — دوسری اونٹنی پر بیٹھے جنابِ بوبکر

اور چلے راستہ کتراتے ہوئے مکہ سے
خیر سے پہونچے مدینے کو ہمارے سرور

(گزشتہ سے آگے)

مشرق پر مغربی معاشرہ کا اثر

(آخر)

ادیبۂ باکمال محترمہ اکبرالنساء بیگم صاحبہ سلطانہ

جاپان سنہ ۱۹۱۰ء تک جاپانی بیوی جاپانی لفظ "اکوساما" (یعنی پردہ نشین خاتون) سے مخاطب کی جاتی تھی مگر جنگِ عظیم کی ہولناک چیخ و پکار نے اس کو بہت زیادہ متغلب کر دیا۔ وہ اگرچہ جنگ سے پہلے ہی بیدار ہو چکی تھی مگر اس کے بعد تو حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔ چین اور جاپان کی تحریک آزادی ایک نمایاں فرق ہے۔ چین کی عورتوں کو ابھی تک ان چیزوں کے حصول میں دشواری رہی جن کی آج جاپانی خواتین مالک بنی بیٹھی ہیں۔ جاپانی خاتون بلند حوصلہ اور پرجوش ہوتی ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا بیڑا اٹھاتی ہے تو چاہے کامیابی ہو یا ناکامی مگر ضرور آخر وقت تک اس میں منہمک رہے گی۔ سنہ ۱۹۲۱ء سے قبل جاپانی قانون عورتوں کو سیاسی معاملات میں دخل دینے سے باز رکھتا تھا۔ لیکن انکی پیہم جد وجہد نے حکومت کو بالآخر اس قانون کے توڑنے پر مجبور کیا۔ اور آج جاپانی خاتون نہایت آزادی کے ساتھ ملک اور دیگر ممالک کی سیاسیات میں کافی دخل رکھتی ہے۔ وہاں ڈاکٹری کے پیشے کو بہت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ قدرت کی طرف سے عورت کو ایک حساس دل عطا ہوا وہ دوسروں کے دکھ درد کو اپنے دکھ درد پر زیادہ ترجیح دیتی ہے اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ خاتون وکالت اور ڈاکٹری کے پیشے کو بہ نسبت دوسرے پیشوں کے نہایت کامیابی سے چلا رہی ہے۔ جاپان میں فی الوقت تقریباً دو ہزار عورتیں باضابطہ سندات حاصل کر کے طبابت کر رہی ہیں۔ کوئی چالیس پچاس ہزار خواتین نرس کا کام کرتی ہیں۔ پانچ سو سے زائد فن دندانسازی میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی حرفہ یا کوئی پیشہ ایسا نہیں جس میں جاپانی عورت نہ شریک ہوئی ہو۔ یہ چیز سوائے جاپان کے مشرق کے دوسرے ممالک میں بہت کم نظر آئے گی کہ عورتیں کرایہ کی موٹریں اور کشتیاں چلاتی ہوں۔ سنا کہ ایک عورت

جہاز کی مالک بھی ہے۔ جس کو وہ خود چلاتی ہے۔ جاپانی عورت جفاکش محنتی اور وفا شعار ہوتی ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ روپیہ کو پس انداز کرتی اور اس کے ذریعہ اپنی حالت کو سدھارنے کی کوشش کرتی ہے۔

تجارت میں بھی جاپانی عورتیں زیادہ دخیل ہیں۔ چنانچہ ایک خاتون مسز سنر و کی معمولی سے سرمایہ کیساتھ چاول کی تجارت کر کے آج ایک کروڑپتی بنی بیٹھی ہیں۔ اس ایک مثال سے ہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ جاپانی عورتیں تجارت میں کتنی زیادہ مہارت رکھتی ہیں۔ علمی و ادبی سرگرمیاں بھی جاپان میں اب انتہائی عروج پر ہیں سنہ ۱۹۱۵ء تک جاپان میں کوئی نسائی رسالہ یا اخبار نہ تھا۔ لیکن اب یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ صرف بیس سال کے اندر وہاں کوئی تیس پینتیس ۳۵ زنانہ رسائل و اخبارات نکل آئے ہیں۔ جن کی عنان ادارت خالص عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ مضامین بھی عورتیں ہی لکھتی اور نہایت آزادی اور سنجیدگی کے ساتھ سیاسی۔ علمی۔ ادبی۔ اخلاقی۔ مذہبی اور معاشرتی معاملات پر بحث و تبصرہ کرتی ہیں۔ ترقی کی موجودہ برقی رو نے جاپانی خاتون کو اور زیادہ اُجاگر کر دیا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ ملک کی معاشرت اور اخلاق کی درستگی اگر چاہتے ہو تو عورتوں کو مہذب بناؤ۔ ماں کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اصلاحی کام جس موثر طریقہ سے عورت انجام دے سکتی ہے۔ مرد سے ممکن نہیں۔ ابھی ابھی حال میں جاپانی خواتین کے دلوں میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ یورپ کی اندھی تقلید ان کی ملی آزادی پر کاری ضرب لگائے گی۔ بس اس خیال کے آتے ہی وہ اس کورانہ تقلید کے خلاف علم بغاوت بلند کر دئے۔ ٹوکیو (دارالسلطنت جاپان) میں خواتین کی کئی مفید انجمنیں قایم ہیں ایک انجمن کے اراکین نے بالاتفاق فیصلہ کر لیا کہ اس مرد سے شادی ہرگز نہ کی جائے۔ جو شراب۔ چائے سوڈا۔ وغیرہ پیتا ہو اور مغربی رسم و رواج کا پابند ہو۔ ہندی خواتین اگر جاپانی عورتوں کی تقلید کریں تو آج ان کی ساری مشکلات کا حل ممکن ہے۔ مگر یہاں تو آنکھیں بند ہیں۔ مغرب کی بری سے بری چیز بھی ہم کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے ہماری غلامانہ ذہنیت ہمارے مستقبل کو کس قدر تاریک کر دیگی۔

چین یہاں سب سے پہلے شہر کینٹن کی عورتوں نے حکومت سے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا۔ کینٹن کی دیواروں سے ٹکرائی ہوئی آواز فضائے بسیط میں چھاگئی اور چین کے گوشہ گوشہ سے آزادی اور حقوق مانگنے کی صدائیں آنے لگیں۔ آج کل کینٹن ہی تحریک آزادی کا مرکز مانا جاتا ہے۔ جس طرح ڈاکٹر سن یت سن نے چین میں جمہوریت کو پیدا کیا ایسے ہی انکی بیوی نے عورتوں کو آزادی دلوانے کی ذمہ داری اپنے سر لیا۔ اُدھر ڈاکٹر موصوف کی کوشش سے چین میں جمہوری سلطنت قایم ہوئی ادھر اُنکی بیوی نے خواتین کو مساویانہ حقوق دلاکر مردوں کے دوش بدوش لاکھڑا کیا۔ (باقی دارد)

بقیہ مضمون صفحہ ۴

پر مبذول کیا جاتا تھا بری باتوں کو سن کر ان سے بچنے کی کوشش ہوتی تھی۔ اب تو گنگا الٹی بہ رہی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تحقیق اخبار مردوں کے ہاتھوں سے گزر کر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں تک بھی پہنچتا ہوگا۔ ہمارا محکمہ تعلیمات بھی اس اخبار کی سرپرستی کرتا ہے اور سنا کہ کچھ پرچے زنانہ مدارس کے لئے بھی خریدے جاتے ہیں۔ اس صورت کی موجودگی میں ہم ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ایسی گندگی ہمارے ان لڑکیوں اور لڑکوں کے دماغوں کو مسموم کرے جن پر ملک و قوم کے بننے اور بگڑنے کا انحصار ہے

امید ہے کہ ہمارے معاصر کو اس مختصری تحریر میں اس کے گندہ مذاق کا عکس نظر آجائے گا اور وہ آئندہ کے لئے اس کالم کو سرے سے اڑا دے گا۔ اور اگر جگہ پر کرنی ہی ہے یا اپنے عریاں مذاق کا مظاہرہ ہی مقصود ہے تو اس کالم کا عنوان بجائے "نسوانی" قائم کرنے کے "حیوانی" یا "شیطانی" زیادہ مناسب ہوگا۔

سینما اور شریعت

متحرک تصاویر سے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی اور دوسرے علماء کا حسب ذیل فتویٰ اخبار سچ لکھنؤ نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بائیسکوپ جس میں ایسی تصویریں دکھلائی جاتی ہیں جو بالکل اصل کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اس میں عورتوں کی بھی تصویریں دکھلائی جاتی ہیں۔ کہیں ان کو نیم برہنہ دکھلایا جاتا ہے۔ کیا ایسی تصویروں کا دیکھنا حرام ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(جواب) حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی — یقیناً حرام۔

مولانا محمد الیاس صاحب مہتمم مدرسہ کاشف العلوم دہلی۔ الجواب حق صریح۔

مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح۔

علمائے مقتدر کا فتویٰ آپ کے آگے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسی تصاویر جو اصل کے مشابہ ہوں ان کا دیکھنا "یقیناً حرام ہے"۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حرام کی بھی کئی قسمیں ہو گئی ہیں۔ وہ چیز جو عوام کے لئے حرام ہے کیا ہماری قومی رہبر اس کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں۔ یہاں کے سینما گھروں میں بعض اوقات وہ صورتیں بھی نظر آجاتی ہیں جنہیں

وہ چیز جو اسراف فحش کاری اور تمثیل کی دوسری لغویات سکھاتی ہے کیا حرام نہیں؟ اگر ہے تو کیوں حکومت کو توجہ نہیں دلائی جاتی۔

ایک ماہر نفسیات ہمارے اس خیال کی تائید کرے گا کہ (فی زمانہ) بری چیزوں کی طرف جوان طبعیتیں بہت جلد راغب ہو جاتی ہیں۔ سینما کا زہریلا اثر ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے اخلاق و عادات کو بگاڑ رہا ہے۔ لڑکے جھوٹ، چوری، دغا، فریب اور اسراف سیکھ رہے ہیں تو لڑکیاں اپنی عفت و عصمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کو ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ مغربی اقوام نے سینما سے بہت کچھ عقلی اور ذہنی فائدے اٹھائے ہیں وہ اپنی نئی پود کی تربیت کو اسی پر منحصر رکھتے ہیں۔ مگر مشرق اور مشرق میں ہم ہندوستانیوں کی حالت جداگانہ ہے ہم عملی چیزوں سے اعتنا نہ کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔ بری چیزیں اور بری باتیں ایسا معلوم ہوتا ہے ہماری سرشت میں داخل ہو گئی ہیں۔ جس چیز سے مغرب نے فائدہ اٹھایا ہم اس سے نقصان حاصل کر رہے ہیں۔ وہاں بری چیزوں کو بری نظروں سے دیکھ کر عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ یہاں عملی چیزوں کو عقلی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے برے اعمال کی ستائش اور اس کے عامل بننے کی کوشش ہوتی ہے سینما اور تھیٹر ہمارے لڑکے اور لڑکیوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ بلدہ اور سابقہ علاقہ ریزیڈنسی میں اس وقت تو سینما اور [illegible] نہ صرف ہمارے جیبوں پر ڈاکہ ڈال رہا ہے بلکہ ہمارے نوجوانوں کی اخلاقی حالت پر کاری ضرب لگا رہا ہے۔

آج کل مغربی [illegible] اور روپیہ پیدا کرنے کی خاطر ہندی فلموں نے نیم عریانی اختیار کیا ہے۔ کچھ دن ہوئے۔ رائل ٹاکیز [illegible] بازار میں [illegible] نامی ایک فلم کئی ہفتوں تک چلتا رہا جس میں حیاسوز اور اخلاق بگاڑنے والے [illegible] نظارے دکھائے گئے کہ الایاذباللہ۔

ایک لاطینی مثل ہے کہ "گناہ کرانے والا بہ نسبت کرنے والے کے زیادہ جرم کرتا ہے"۔ ہمارے اخبارات ہمارے [illegible] زیادہ [illegible] قوم کا [illegible] رہ کر ہمیں مجرم نہیں بنا رہے ہیں۔ بلکہ خود زیادہ جرم کر رہے ہیں۔ [illegible] احکام قرآنی اور احادیث نبوی سے بیگانگی کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔

معتمد صاحب مجلس علماء دکن سے توقع ہے کہ وہ کسی اخبار کے ذریعے اس مسئلہ کے باریک و تاریک پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے ایک متفقہ فتوی شائع فرمائیں گے۔

(باقی دارد)

دار التجربہ سرکار عالی
کا رجسٹرڈ شدہ
معطر ہیر آئیل
نو ایجاد روغن نفاست پسند حضرات بنسبت انگریزی تیل کے
لگانا بیحد معطر ہیر آئیل استعمال کرتے ہیں اس نے
انگریزی تیل کے بہت صاف زرد رنگ کا گاڑھا نہایت
خوشبودار تیل ہے اور اس میں مفصلہ ذیل خوبیاں ہیں۔
خشکی دور کرتا ہے دماغ کو تر اور ٹھنڈا رکھتا ہے گرے
ہوئے بال از سر نو بہت جلد پیدا کرتا ہے۔
بالوں کو سیاہ اور چمکدار بناتا ہے دماغی اور
کام کرنیوالے شب بیدار۔ واعظ۔ لیکچرار
وکلاء۔ طلباء معلم اور گانیوالے کے لئے بیحد مفید ہے
قیمت فی شیشی (۴) اونس (۲) علاوہ
محصولڈاک تاجر دینے خاص رعایت
کیجائے گی
محمد ہدایت اللہ محمد احمد
افضلگنج حیدرآباد دکن

اختر قریشی [illegible] میں طبع کروایا اور دفتر سفینۂ نسواں چادرگھاٹ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

رجسٹرڈ شدہ آصفیہ نمبر ۱۱۴
منظور شدہ محکمۂ تعلیمات دولت آصفیہ برائے مدارس نسواں

ماہ نامہ

حیدرآباد دکن

مُدیرہ صادقہ قریشی

زرمعاوضہ سالانہ للعہ

خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا پسندیدہ اجازت یافتہ شبیہ مبارک ٹریڈ مارک

دنیا کے تمام تیل ایک طرف

اور

نظام و جلیبل ہیر آئیل ایک طرف

(تجربہ بتائے گا کہ)

یہ آواز ہماری نہیں بلکہ درحقیقت آپ ہی کی ہے۔

ہر جگہ ملتا ہے

انگلش پیکنگ

قیمت ۱۲/
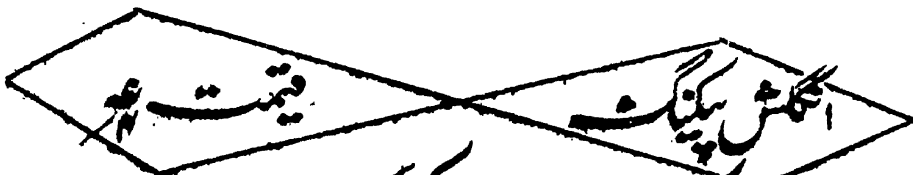
تیار کردہ

دکن ہیر آئیل کمپنی ـــــ حیدرآباد دکن

"SAFINA-I-NISWAN"

شہزادۂ والاشان حضرت نواب اعظم جاہ بہادر

ولیعہد دولت آصفیہ

(By Courtesy the "N[illegible] Gazette.")

محرم نمبر

ماہ نامہ سفینہ نسواں حسبِ سالِ گزشتہ اواخرِ اپریل میں اپنا محرم نمبر شایع کریگا جو شہیدان

کربلا کی بارگاہِ اطہر میں خواتینِ دکن کے آنسوؤں کا حقیر ترین گلدستہ ہوگا۔

مضامین نظم و نثر کا ایسا نایاب مجموعہ اب تک آپ کی نظر سے نہ گزرا ہوگا۔

جس کا ایک ایک لفظ آپ کو خون کے آنسو رُلائیگا۔ مقامات مقدسہ کی

بعض قیمتی اور کمیاب تصاویر اس میں شریک رہیں گی۔

المعلن

منیجر ماہ نامہ سفینہ نسواں چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(منظور شدہ محکمہ تعلیمات دولت آصفیہ برائے مدارس نسواں)

ضیائے علم سے روشن ہوں گوشہ تاریک ۔ ہر ورق کو "سفینہ" کے آفتاب بنا

(سلطانہ)

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد ماہنامہ

جلد ۲ سفینۂ نسواں نمبر ۴

فہرست مضامین

اظہارِ شکر

شکرِ نعمت ہائے تو   چنداں کہ نعمت ہائے تو

---(۰)---

الحمد للہ کہ سفینہ ابتداء ہی سے مقبولِ عام ہوتا رہا ہے امراء و اکابرینِ سلطنت نے اس کو جس قدر دانی کی نظر سے دیکھا وہ ادارہ کی حوصلہ افزائی کے لئے کافی تھا۔

حال میں حقیر سفینہ کو ایک اور امتیازی فخر حاصل ہوا جو اس کو بامِ رفعت کی انتہائی بلندی تک پہنچا دیا ہے حضرت شہزادۂ والاشان **نواب اعظم جاہ بہادر** ولی عہد دولت آصفیہ اور حضرت شہزادۂ والاشان **نواب معظم جاہ بہادر** برادر حضرت ولیعہد بہادر) نے اس ناچیز رسالہ کے پیشکش کو نہ صرف قبول فرما کر اظہارِ خوشنودی فرمایا بلکہ رقمی اعانت سے بھی حوصلہ اور عزت افزائی فرمائی گئی۔

این سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدائے قدیر سے دعا ہے کہ: "شہزادگانِ والاشان اور دلہن شہزادیوں کی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرمائے آمین"

نیاز مند کیش نمک خوار دولتِ آصفیہ { اختر قریشی
مدیر معاون

رباعی

از

ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت

اللہ یکے ہست و ہمیں ایمانم

احوال دگر ز مذہب و ملت دانم

توحید بود مرکز ایمانم شاد

کافر تو مگو مرا موحد خوانم

بیسویں صدی کی ہجو نگاری

کیا ہماری صحافت کا یہی نصب العین ہے؟

نوٹ ۔ ذیل کا مراسلہ کچھ دن ہوئے معزز معاصر رہبرِ دکن کو بغرضِ اشاعت روانہ کیا گیا تھا۔ نہیں معلوم وہ کیا
اسباب تھے جنکی وجہ ہمعصر موصوف کو اسکے شایع کرنے سے آج تک انکار رہا۔ بہرحال میں اپنی ایک دیرینہ
اور اہم خواہش کو سفینہ کے ذریعہ ملک کے آگے پیش کرنیکی جسارت کر رہا ہوں۔ "اختر قریشی مدیر"۔

پچھلے دنوں مقامی جرائد میں جو معرکہ آرائی اور جنگ و جدل کا میدان گرم رہا، جس کا ذکر بیرونِ دکن کے بعض اخبارات نے
عجیب مضحکہ خیز طرز میں کیا ہے اس سے ہر محبِ وطن متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا ہماری صحافت کا یہی نصب العین ہے؟ کیا
ہمارے جرائد اپنے ان فرائض کو بھول چکے ہیں جو ملک اور قوم کی جانب سے ان کے دوش پر ڈالے گئے ہیں؟ اور کیا ہمارا ملک
اور ہماری قوم ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکی ہے۔ جب کہ اس کو اخبار کی رہبری کی ضرورت نہ رہی ہے؟ اخبار ملک کا
رہبر اور ملکی افراد کا حقیقی بہی خواہ ہوتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ کیوں ہمارے جریدہ نگار اپنے ان فرائض سے بیگانہ ہوتے جاتے ہیں۔

صحافت کا مقصد ملک میں دیانت داری سے سچے اور حقیقی واقعات کی اشاعت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں تنقید نگاری
بھی ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری ہے۔ مدیرانِ اخبار کا کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہونا ایک فطری چیز ہے۔ ایسی صورت
میں ہر جریدہ نگار کا یہ فرض، اولین ہونا چاہیئے کہ کسی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کے متعلق نہایت صحت کے ساتھ معلومات
فراہم کرنے اور فنِ تنقید کا یہی ایک ابتدائی مگر اہم اصول رہا ہے۔ اگر تنقید نگاری کو ذاتی بغض و عناد کا سرچشمہ تصور کر لیا
جائے تو ایسی صورت میں ملک میں صحیح خیالات کی اشاعت کس طرح ممکن ہے؟

مقامی اخبارات کی حالیہ تحریروں نے پبلک پر جہاں برا اثر چھوڑا ہے وہاں بعض وہ باتیں بھی ضبطِ تحریر میں
آگئی ہیں جن سے پبلک کو کسی ملک میں کبھی کوئی جریدہ نویس روشناس کرانا بہتر نہیں سمجھتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عوام میں

اس قلمی جہاد کا خاصا ذکر ہو رہا ہے مگر کن اثرات کے تحت اور کن خیالات کے ساتھ؟ کاش جہاد کرنے والوں کے کان تک وہ الفاظ پہنچ جائیں جو میں نے اکثر شاہ راہِ عام پر لوگوں کی زبانی سنا ہے۔ بقولِ "رہبر" "یہ سچ ہے کہ خود پبلک میں اس مسئلہ کی نسبت ایک حرکت پیدا ہو گئی ہے۔" مگر کسی نے یہ نہیں سونچا کہ پبلک پر اس "تو تو میں میں" کا کیا اثر مترتب ہو رہا ہے۔

گرانقدر "رہبر" اپنے ۲۹ ارادی بہشت کے مقالے میں فخریہ یہ کہہ رہا ہے کہ "پبلک اس بحث کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی ہے" مگر میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ پبلک کا وہ طبقہ جو دکھنی صحافت کا بہی خواہ اور اس کو بامِ رفعت کی بلند بلندیوں پر پہنچا دیکھنے کا متمنی ہے اس بحث کو جرائد کی "خودکشی" سے تعبیر کر رہا ہے۔ اس کا خون خشک ہو جاتا ہے جب وہ بعض ..... افراد کو اس سلسلے میں ناگفتہ بہ الفاظ لکھتے سنتا ہے۔ بلکہ میں آج اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں اب ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جس کی پالیسی وہی ہے جس نے ہندوستان کو لٹوا دیا۔ یعنے وہ اس امر کا متمنی ہے کہ مقامی جرائد کو اکسا کر آپس میں اس حد تک لڑایا جائے کہ ان کے افتتاحیوں کا اثر کچھ باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اخبار اپنی وقعت کو آپ خود اس طرح کھو بیٹھے تو اس کی تنقید رائے اور اظہار خیال کو گورنمنٹ کن نظروں سے دیکھے گی؟

ان مذکورہ افراد کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اخبارات کی سچی تنقیدوں چبھتی ہوئی تحریروں اور حقیقی ترجمانیوں کی قیمت کو گھٹا دیں۔ تاکہ اپنی مقصد براری میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس گروہ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں اور یہ اخبارات کا قلمی جہاد ان کی گندہ پالیسی پر ٹھیک اتر رہا ہے۔ مگر میں نے عزم کر لیا ہے کہ کبھی ایسے افراد کو اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دوں۔ بلکہ اگر ضرورت ہو تو میں اظہار نام کے ساتھ ان کے منصوبوں اور قراردادوں کو بھی کسی فرصت میں واضح کر دوں گا۔

حال میں دکن نیوز نے اس خبر کو مشتہر کرایا تھا کہ "مدیر سفینۂ نسواں قریب میں مدیرین جرائد و اخبارات کو چاء پر مدعو کرنے والے ہیں تاکہ دکھنی صحافت کی بے مائگی کے اسباب تلاش کئے جائیں" اور میں انشاء اللہ بہت ہی قریب میں یہ شرف حاصل کروں گا۔ تاکہ جمیع مدیرین ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اُن کے اخبارات و رسائل صرف ملکی و قومی معاملات کیلئے وقف ہوں وہ دولتِ آصفیہ کے وقار و عظمت کی سلامتی کے لئے ہر ممکنہ قربانی پر ہمیشہ آمادہ رہیں۔ اُن کے قلم اگر اُٹھیں تو صرف حیدرآبادی قومیت کو اُبھارنے کی خاطر وہ اگر کچھ لکھیں تو حسب منشائے حضرت اقدس و اعلیٰ خلداللہ ملکہ وسلطنتہ ہو اور بس میرا روئے سخن کسی خاص جماعت یا اخبار نویس کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ میں ایک عام اتحاد کی لہر دوڑا دینا چاہتا ہوں۔

میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں تنہا اس مہم کو سر کرسکوں گا بلکہ میں صرف اپنی ناچیز کوشش کو ملک کے آگے پیش کر دوں گا اور مقامی جریدہ نگاروں کو مجبور کر دوں گا کہ وہ دولتِ آصفیہ اور حیدرآبادی قومیت کے لئے وقف ہو جائیں۔ خدا میری ناچیز سعی کو مشکور کرے اور اب تک حیدرآباد کی صحافت کے جو ممتاز خصوصیات رہے ہیں اس کا دامن کسی قسم کی آلودگی سے پاک رہے۔

میں ملک کے ہر جریدہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ساتھ ہی یہ چیز میرے لئے بے حد تکلیف دہ ہے کہ میں انہیں ایک دوسرے کا بدخواہ دیکھ رہا ہوں کوئی کسی کے مالی خسارہ پر شادیانے بجا رہا ہے۔ کوئی اضافہ شرح کی خاطر اپنی قدامت اور بعض غیر منفعت بخش خصوصیات کو گویا کہ اس کا مستحق خود کو ٹھہرا رہا ہے۔ غرض ایک طوفانِ بے تمیزی نے ساری فضا کو مکدر بنائے رکھا ہے۔ کیا ایسی واہیات باتیں اور فضول تحریریں اخبارات کی ترقی کا باعث بن سکتی ہیں؟

اگر بدقسمتی سے کسی مسئلہ میں مدیرانِ جرائد کو اتفاق نہ ہو تو اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ ذاتی اور شخصی حملے ایک دوسرے پر شروع کر دیں ۔۔ جہاں تک میری ناچیز رائے کا تعلق ہے۔ تنقید نگاری میں ہرگز ذاتیات سے بحث نہ ہونی چاہیئے۔ جہاں اس کا قدم آگیا تو وہ دائرۂ تنقید سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کا شمار ہجو نگاری میں ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ شاعری کا ابتدائی دور ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ شعرا جب کسی سے ناخوش ہوتے تو اس کی شان میں ہجو لکھ کر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حالیہ تنقیدیں جہاں تک میری نظر سے گزری ہیں میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اب اخبارات میں تنقید نگاری کے بجائے ہجو نگاری کا رجحان بہت زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ ہجو خواہ افتتاحیہ میں ہو یا کسی "راست گو" "حق گو" "نقاد" یا "ناظر" کے قلم سے ایسی تحریروں کا اثر عوام پر برا پڑتا ہے اور اخبارات کی اہمیت اور عظمت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

میں ایک اور چیز کا مخالف ہوں۔ بعض افراد خواہ مخواہ اس مرض میں مبتلا دیکھے جا رہے ہیں کہ وہ چہرہ پر مقنع یا چادر ڈال کر کسی کو کواڑ کی آڑ میں کوس جاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ جب کوئی "راست گو" اور "حق گو" ہے تو پھر اس اوٹ کی کون ضرورت؟ حال میں زمیندار نے بھی اسی چادر کو تان کر دولتِ آصفیہ اور اس کے مالیہ پر زہر افشانی کیا تھا۔ جس کا میں نے مختصر جواب رہبرِ دکن اور سالار (بمبئی) وغیرہ میں شائع کرایا ہے۔ میری اپنی ذاتی رائے تو یہ ہے کہ جب لکھنے والے کو اس بات کا کامل یقین ہو کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے مبنی برحقیقت ہے

تو پھر کیوں کسی پردے کو بیچ میں رکھا جائے ۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ حق ہمیشہ کذب پر اور سچ جھوٹ پر غالب آتا ہے ۔ اور جب حق یاراست گوئی کوئی گناہ نہیں تو پھر کیوں نہ نام کا اظہار ہو؟ زمیندار نے نقاد کے پیرائے میں جو کچھ چالبازی کی اور دولتِ آصفیہ کو بدنام کرنے کی جیسی کچھ ناروا طرزِ اختیار کی گئی وہ اس کے ناظر سے پوشیدہ نہیں ۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کس کی زہرافشانی ہے ۔ لکھنے کی طرز خود واضح کئے دیتی ہے پھر میں حیران ہوں کہ لوگ کیوں ایسا مضحکہ خیز طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں ۔

اختتام پر میں دل سے متمنی ہوں کہ اخبارات کو صحیح دلائل و براہین سے کام لیتا ہوا دیکھوں ۔ اس سلسلے میں کوئی "پردہ نشین" یعنے وہ جو اپنا نام ظاہر کرنا نہ چاہتے ہوں ۔ اگر کچھ لکھیں تو میں جوابی تحریر کے لئے بھی آمادہ ہوں ۔ مگر شرط یہی رہے گی کہ چہرہ سے مقنع ہٹا دیا جائے اگرچہ وہ طلبگار شہرت نہ ہوں مگر مجھے ہی کم از کم شہرت کا طالب سمجھ لیں ۔

اختر قریشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدیر سفینۂ نسوان

"**موتی محل ٹاکیز**" سے متعلق ایک عام شکایت سنی جارہی ہے کہ وہاں خواتین کیلئے پردہ کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے ۔ ہماری عورتیں جو آج کل سینما دیکھنے جاتی ہیں ہم اسکے سخت مخالف ہیں اسلئے کہ مغربی اور مشرقی تیار شدہ فلمیں اپنے اندر کچھ نہ کچھ عیب ضرور رکھتے ہیں عریانی اور دوسرے غیر مہذب حیا سوز نظارے اگر مغربی فلم کو کامیاب بنارہے ہیں تو عشق و محبت کے فضول تذکرے نیم عریانیاں اور اس سے زیادہ مذہبی منافرت کو بڑھانے والے قصے ہندی فلم کا سرمایہ امتیاز بن رہے ہیں ۔ ہم کبھی اپنے فلمی احتساب کے محکمہ کو یہ بتلائینگے کہ ایسے فلم حیدرآباد کی اخلاقی اور معاشرتی حالت پر کسقدر کاری ضرب لگا رہے ہیں ۔ اور ان سے نوجوان مرد اور عورتیں کس حد تک متاثر ہو رہے ہیں ؟ یہاں ہمیں صرف رائے بہادر مہرت رائے موتی لال جاریہ (ملکتہ) کی توجہ کو مبذول کرانا ہے کہ وہ حیدرآباد کی پردہ نشین خواتین کیلئے اپنے سینما میں کوئی معقول انتظام کرائیں ۔ زنانہ کیلئے جو بالائی حصہ رکھا گیا ہے اور جس کے نصف میں مردانہ نشست بھی موجود ہے اس تمام حصہ کو صرف خواتین کیلئے ہی مخصوص کردیں ۔ جس جگہ زنانہ کا انتظام ہے وہاں مردانہ نشستیں رکھی گئی ہیں ۔ اور درمیان میں ایک ایسا مختصر سا "اوٹ" قایم کیا گیا ہے جس سے طرفین میں بیجا بے پردگی ہوتی ہے ۔ ہم اپنی عورتوں کی بے پردگی کو ہرگز گوارا نہیں کرسکتے اور ارباب سینما سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اوپر سے مردانہ نشست اٹھالیں ۔ نیز جو وقت زنانی سواریاں اترتی یا چڑھتی ہیں پردہ کا معقول اور ٹھیک طور پر انتظام رکھیں ۔ اگر رفع شکایت کی جلد کوشش نہ کیگئی تو ہم مجبوراً اپنی حکومت کو ادھر متوجہ کرینگے ۔ خواتین سے ہماری استدعا ہیکہ وہ موتی محل ٹاکیز کو اسوقت تک جانا بند کردیں جب تک کہ مذکورہ شکایت دور نہ ہوجائے ۔ مالک سینما سے امید ہیکہ وہ ہمیں ضرور مطمئن کرینگے تاکہ حیدرآبادی قدیمی روایات پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے پائے ۔

اختر قریشی ۔ مدیر سفینۂ نسوان

ہز رائل ہائینس دلہن شہزادی حضرت دردانہ بیگم صاحبہ

(جنکا گرانقدر مضمون " ہند اور ہند کی خواتین " زیب دہ سفینہ ہے)

HER ROYAL HIGHNESS PRINCESS

DURDANA BEGUM SAHIBA.

ہند اور ہندی خواتین

(از)

ہرُ رائل ہائنس دلہن شہزادی درّ دانہ بیگم صاحبہ

ذیل کا مضمون علیا حضرت سلطانہ دُرِّ شہوار (بیگم شہزادۂ والاشان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد دولتِ آصفیہ) نے گزشتہ سفرِ یورپ کے زمانے میں بزبانِ انگریزی تحریر فرمایا۔ جو سوئٹزرلینڈ (سوئیزرلینڈ) کے مشہور جریدے "دا ادسر ریویو" میں چھپا تھا۔ اس کا ترجمہ یہاں پیش کرنے کی عزت حاصل کی جا رہی ہے تاکہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس جلیل القدر ترک شہزادی کے پاکیزہ مذاق اور افکارِ عالیہ سے آگہی کا موقع ملے اور وہ یہ بھی اندازہ کر سکیں کہ اس عالی دماغ اور عالی نژاد سلطانہ کو اپنے نئے وطن (ہندوستان) سے کس قدر محبت اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ (معارف)

"سرزمینِ ہندوستان ہر شخص کی خیال آفرینی کو تحریک میں لے آتی ہے۔ اپنی اصلیت کے سوا وہ ہر حیثیت سے مشہور ہے۔ وہ مجسم داستان پریوں کی کہانی یا خواب ہے۔ جسے انسانی دماغ فرصت کے وقت بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے وہ ایک ملک ہے جسے مغربی تصور نے حیرت انگیز اور بے جان طلسم کی صورت بخشی ہے۔ اس کا وجود تو ہے مگر زندگی نہیں۔ لفظ ہندوستان میں آہنگ ہے۔ مگر معنویت نہیں سرسبزی ہے۔ گہرائی نہیں اسے چند خصوصیتیں ضرور حاصل ہیں۔ وہاں گاندھی نے جنم لیا۔ وہاں سانپ رہتے ہیں۔ شیروں کا شکار ہوتا ہے اور زیور پہنے ہوئے راجاؤں کو ہاتھی لئے پھرتے ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے بارے میں اس طلسم کو توڑنے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی خوبیاں نظر انداز ہو جائیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ان افسانوں سے الگ کر کے اس کی اصل تصویر دکھا دوں۔

ہندوستان محض نام نہیں بلکہ زندگی بھی رکھتا ہے۔ اس میں رنگینی ہے۔ شاعری ہے اور شاندار بہار لایخل ماضی ہے جو

صرف مشرقی ممالک ہی اپنے اندر رکھ سکتے ہیں ۔ یہاں گزشتہ زمانے کی نشانیاں نہیں مٹتیں نہ ان میں تبدیلی ہوتی ہے ۔ یورپ میں قدیم عمارات ایک خاص عہد کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں ۔ لیکن مشرق میں اس قسم کے نمونے گویا بنانے والوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو جاتے ہیں اور ان میں اس آدمی کا کردار عزم ۔ قوتِ زندگی ۔ سلیقہ ۔ نفاست پسندی اور باطن تک نظر آجاتا ہے جس نے ان کو بنایا ہے ۔ مذہبی عمارتوں خصوصاً مندروں کو چھوڑ کر (جن کی قدر و قیمت بلحاظِ فن معماری کچھ کم نہیں) وہ نہ صرف ایک عہد کو بتاتی ہیں ۔ بلکہ اپنے بنانے والے کی یاد کو بھی قایم رکھتی ہیں ۔

مشہور و معروف تاج محل کو دیکھنے سے عام مسافر کو ایک ایسے آدمی کی محبت اور عالی ہمتی کا اندازہ ہوتا ہے لیکن صاحب نظر کے آگے بنانے والے کے اندرونی خیالات تک افشا ہو جاتے ہیں ۔ روضہ کا ناقابل بیان سکون اور عظمت کی شان سلاطینِ گزشتہ کی فانی زندگی کو ایک حد تک ضرور لافانی بنا دیتی ہے ۔ ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ روضہ ان کی نظر میں نہیں جچا ۔ اور انھیں شکایت تھی کہ اس میں جذبات زیادہ بھرے ہیں ۔ لیکن ایسی چیز میں جذبات کی انتہا کیونکر ہو سکتی ہے جو ایک محبِ صادق کی یادگار ہو ؟

شاہجہانی عمارات کا تجمل

قلعۂ دہلی اور اسی طرح قلعۂ آگرہ بھی معماری کا نفیس ترین نمونہ ہیں اور ان کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ فنِ تعمیر کے عجائبات سے ہیں ۔ یہ وہ نیم رُبانی آثار ہیں کہ نگاہ سے بڑھ کر دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں ۔ ان میں کوئی ایسی پر امن پسندیدہ اور ناقابلِ بیان چیز ہے جو ہر دیکھنے والے میں اختلافِ ذوق کے باوجود وجد پیدا کر دیتی ہے ۔ دیوانِ خاص کی مشرقی وضع کی کمانوں سے خاموش فواروں اور لمبے دالان سے (جس کے دریچے میں پھول بکھرے ہوئے ہیں ۔ اگرچہ ان کا رنگ اڑ گیا ہے) ایک عظمت کی شان پیدا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑے تاجدار شاہجہاں کے حضور میں باریاب ہیں اور اس کا عہدِ حکومت خاموشی کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا ہے ۔

یورپ کے آثارِ قدیمہ کے برخلاف ایشیائی عمارتیں آرایش و تجمل کے مٹ جانے کے بعد بھی ایسی ویران و سوگوار نہیں ہو جاتیں ۔ جیسا کہ مثلاً قصرِ وارسٹی ہے ۔ اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کا یہ عظمت و وقار ۔ ۔ بہت پیشتر اپنے عروج کی منزل طے کر چکا ۔ اور اگرچہ فوارے اب بھی اپنا راگ الاپ رہے ہیں اور گزشتہ زمانے کا منہ چڑا رہے ہیں ۔ لیکن وہ زمانہ

نسیا نسیا ہو چکا ہے۔ میں نے مشرق میں ایسی حالت نہیں دیکھی۔ گو عمارتیں خاموش کھڑی ہیں لیکن یہ خاموشی ایک پیغام ہے۔ موت نہیں ہے۔ جب میں قلعہ دہلی میں داخل ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ میں بالکل ایک دوسری دنیا میں آگئی ہوں۔ باغ بہت عمدہ حالت میں رکھا گیا ہے جس طرح سابق میں ہوگا۔ اور دیوان خاص میں (جس کا ذکر ابھی کیا) آنے سے پہلے ایک چھوٹی مسجد ملتی ہے جسے موتی مسجد کہتے ہیں۔ یہ مسجد اردگرد کی ردیدگی میں فی الواقع ایک گوہرِ درخشاں ہے اور اس کے اندر اس مذہب کی پاکیزگی اور امن کا جلوہ نظر آتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے۔

یہ اور اسی قسم کی کئی عمارتیں ایسی ہیں کہ ہر ایک ... کے لئے مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ الورہ اور اجنتہ کے غار جو حیدرآباد سے قریب ہیں نہ صرف معماری بلکہ نقاشی کے لحاظ سے قدیم زمانے کے نایاب یادگار ہیں۔ جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی طرح گولکنڈہ کے شاہی گنبد بیجاپور کی جامع مسجد اور اہم روضہ سہسرام میں شیر شاہ کا مقبرہ۔ دہلی کی جامع مسجد۔ لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ۔ گوالیار میں محمد غوث کا مقبرہ۔ فتح پور سیکری میں اکبر اور عیسیٰ خاں کے مقبرے۔ ارچھا۔ جے پور کے شاہی محل۔ اجمیر کی مسجد حیدرآباد کی جامع مسجد۔ سری رنگا پٹم کی مسجد۔ لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ۔ رامیشورم اور مدورہ کے بڑے مندر۔ سری رنگم میں جمبوکیشورہ دیول۔ قلعہ گوالیار اور چتوڑ گڑھ کا سربلند منار۔ کوہ آبو کا نیم ناتھ مندر۔ پٹنہ میں جینوں کا مندر۔ سکھوں کا سنہری گوردوارہ وغیرہ وغیرہ نایاب عمارتیں ہیں گویا صرف جواہرات۔ یاقوت۔ الماس۔ موتی ہی ہندوستان کی دولت نہیں بلکہ فنِ معماری سے متعلق اشکال۔ خاکے اور خطوط کے بے بہا خزانے بھی یہاں بکھرے پڑے ہیں۔

مادرِ ہند کی شرمیلی بیٹیاں

ہندوستان کی ایک اور حیرت انگیز زندہ یادگار اس کا رنگ ہے۔ ہندوستان کی بیٹیاں اس فن میں فطری دستگاہ رکھتی ہیں۔ بازاروں۔ گاؤں میں۔ باولی پر۔ وہ مختلف رنگوں میں نظر آتی ہیں۔ ان کے سرخی مائل جسم پر شوخ نارنجی گلابی یا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا ہوتا ہے۔ کسی قدر دور کیوں نہ ہو وہ پہچان لی جاتی ہیں۔ پہلے اس بھڑکیلے ... رنگ پر نگاہ پڑتی ہے اور وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتی ہے۔ لپٹے ہوئے کپڑے میں سے جو اکثر پھٹا اور پیوند لگا ہوا ہوتا ہے دو کاسے کے رنگ میں پاؤں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ہر حرکت میں ایک فطری موسیقی پوشیدہ ہے۔

سر پر جس کے پیچھے سیاہ بالوں کا جوڑا بندھا ہوتا ہے۔ پانی کا برتن رہتا ہے۔ اس کو وہ ایک ہاتھ سے تھامتی ہے اور دوسرا
ہاتھ برابر وقفے سے حرکت کرتا ہے اس عورت میں جو باوجود غیر تعلیمیافتہ ہونے کے رنگ شناسی کے فن میں مذاق ادھارت
ہے۔ سب سے حیرت انگیز چیز اس کی چال ہے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی کیوں نہ ہو اس کی رفتار شاہانہ ہوتی ہے۔
اس کی یہ باقاعدہ رفتار اس کی دوسری اقوام کی بہنوں کو متحیر کرتی ہے۔ اس میں ناقابلِ بیان خوبصورتی اور بے پایاں توازن
اور غرور نظر آتا ہے۔ اس غرور کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ اس میں تصنع کا شائبہ نہیں۔ اس لئے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ
اسکی بناء کیا ہے۔ البتہ خوبصورتی اور توازن کی وجہ ان کی موسیقی سے محبت ہے۔ یہ محبت آواز کی فریفتگی سے نہیں جو
جو صرف کانوں کو بھی معلوم ہوتی ہے بلکہ یہ اس قوم کی ذاتی اور امتیازی صفت ہے جو یہاں کے جاہل سے جاہل میں
بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس میں اور یورپ کی موسیقی میں کچھ مناسبت نہیں۔ جن کے کان یورپ کی موسیقی سے
آشنا ہوں اُن کے سامنے اس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک طویل راگ ہے یہ راگ پہلے پہل تو ایک طرزنی کا
معلوم ہوتا ہے جو اجنبی سامع کو ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اپنے سحر سے تسخیر کرتا ہے اور سننے والے کو
مست بنا دیتا ہے اور پھر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ راگ پوشیدہ اور مخفی طور پر قوم کی تصویر کھینچ رہا ہے۔ اس کی یکساں
سامعہ نوازی ایک ایسی سرزمین کو ظاہر کرتی ہے جس سے مغربی اقوام نابلد ہیں اور ماضی و حال کے بہترین لکھنے والوں
کی شاعری کا سرمایہ پاٹ دار برمانے والی آواز اور بعض اوقات صرف بول یہ تمام چیزیں ان لوگوں کی حالت بیان
کرتی ہیں جو اگرچہ مذہب، فرقے اور رسم و رواج کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ لیکن یہی موسیقی اور وہ زمین جو اُن کا مرزبوم ہے
انہیں ہیں آپس میں متحد کئے ہوئے ہیں یہ موسیقی کو سمجھ میں نہ آئے مگر اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ الفاظ میں ہر شعر کا
اپنا فلسفہ اور طریقۂ بیان الگ ہے۔ لیکن سب کے لب و لہجہ میں گہرا تاثر مضمر ہے جو وضاحت سے بالاتر ہے۔

ہندوستان عظمت رفتہ اور جدید ترقی کا سنگم ہے

یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ ملک ہندوستان قدیم و جدید سطوت اور . . . عظمت رفتہ اور جدید ترقی کا
سنگم ہے۔ میرے اس مختصر بیان سے ناظرین کے ذہن میں صرف جگمگاہٹ رنگ حیرت انگیز عمارات اور شاندار ماضی کا
(جس کی دلکشی ہنوز باقی ہے) تصور قائم ہوگا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک چیز اس ملک اور اسکے مذکورہ بالا

تصور سے الگ بھی ہے اور وہ جدید ترقی ہے۔ بغیر دیکھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس قدر نئی ایجادات و اختراعات سے اس ملک نے استفادہ کیا اور کس حد تک اس ملک کے باشندوں نے انھیں قبول کر لیا ہے۔ بڑے شہروں میں بہترین جدید سڑکیں۔ عمارتیں۔ مکانات۔ دکانیں۔ آئین و عادات نظر آئیں گے اور ان کے ساتھ ساتھ رنگ بحر اور نظر فریبی بھی جو ایک مشرقی ملک کا حصہ ہے۔ مدارس۔ دواخانے اور دارالیتامی بھی موجود ہیں۔ حیدر آباد کا محبوبیہ گرلز اسکول اپنی قسم کا بہترین مدرسہ ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ملک میں اس قدر سختی سے پردہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح قائم ہے۔ ہندوستان کا ایک بڑا دارالیتامی حیدر آباد میں ہے جو نہایت خوش اسلوبی اور نظم کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔

اسی طرح اور بہت سے امور ہیں لیکن میں یہاں صرف اس قدر اضافہ کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں کہ مجھے اپنے ملک پر ناز ہے جو یقیناً تنوع کے نقش سے مالامال ہے اگر زمانے کی رفتار ترقی سے طبیعت گھبرا جائے تو دماغ کو آرام دینے کے لئے عہد رفتہ کے آثار موجود ہیں۔ میں نے ابھی تو اس طلسمات میں قدم رکھا ہے اور یہ کہا نہیں جا سکتا کہ اس کے اسرار کو حل کرنے کے لئے مجھے کتنی عمر صرف کرنی ہوگی۔

عورت

اے کہ تیری ذات سے ہے رونقِ بزمِ حیات — اے کہ تیرے نور سے روشن ہے شمعِ کائنات
اے کہ تیری شان سے قائم ہے شانِ زندگی — اے کہ ہستی سے تری ہے بزمِ عالم کو ثبات
اے کہ تیرا حسن ہے آئینۂ حسنِ ازل — مظہرِ شانِ الوہیت تری جملہ صفات
اے کہ تیرا ہر اشارہ ایک طوفانِ جلال — اے کہ تیرا ہر کنایہ منبعِ وجدانیات
اے کہ ہر عنصر ترا ہے رکنِ ایمانِ جمال — مصدرِ اعجاز تری ہر ادا ہر ایک بات
اے کہ رنگ و نور بے معنی ہیں تیری ذات بِن — اے کہ پوشیدہ ہیں تجھ میں عیش و راحت کے نکات

بزمِ کُن میں بربطِ نغماتِ روحانی ہے تو
مطلعِ انسانیت کا مصرعۂ ثانی ہے تو

نخلِ ہستی باغ میں فطرت کے تھا بے برگ و بار — گلستانِ دہر میں اب تک نہ آئی تھی بہار
تھے کتابِ زندگی کے ورق سادہ ابھی — دستِ قدرت نے بنائے تھے نہ کچھ نقش و نگار
منتشر تھا حُسن اجزائے عناصر ہر طرف — تشنۂ تکمیل تھا نظارۂ راحت مدار
آب و گل طے کر رہے تھے منزلِ انسانیت — آرزو فطرت کی تھی بیگانۂ انجامِ کار
اِک جمودِ بیکراں سا چھا رہا تھا ہر طرف — خوابِ نوشیں میں پڑی تھی قدرتِ پروردگار
بیخودی کے نام سے ناآشنا تھی زندگی — مضطرب تھی گنجِ دل میں دولتِ صبر و قرار

آنکھ تھی لیکن نہ تھا نظارۂ حسن و جمال
دہر میں پھوٹا نہ تھا فوارۂ حسن و جمال

مرد تنہا تھا زمیں پر دیکھتا تھا تیرے خواب — اور اُسے گھیرے ہوئے تھا بیکسی کا اضطراب
کیف سے خالی تھا دل بیگانۂ راحت دماغ — بادۂ بے رنگِ ہستی اور مینائے شراب
آرزوؤں میں ابھی تک جان کچھ آئی نہ تھی — تشنۂ مضراب تھا اس کی امیدوں کا رباب

ذات اُس کی چاہتی تھی ماورائے ذات کچھ — مانگتا تھا دہر سے اپنی تمنا کا جواب
چاند سورج کے اُجالے میں بھی دل تاریک تھا — چاہتا تھا دل کی دنیا کے لئے اِک آفتاب
دیکھتا تھا چار جانب اور کچھ پاتا نہ تھا — سوچتا تھا زندگی ہو کس طرح سے کامیاب

آخر اُس کے دل میں تیری آرزو پیدا ہوئی
اے خوشا وہ دن! کہ اس دنیا میں تو پیدا ہوئی

آب و گِل میں لیں جمالِ نور نے انگڑائیاں — مجتمع ہو کر اُٹھیں فطرت کی حسن آرائیاں
خواب سے جاگے عناصر لے کے ادراکِ جمال — نقطۂ ہستی پہ کھنچ کر آگئیں رعنائیاں
موجِ ہستی پر اُٹھی تمہیدِ احساسات کی — آگئیں ہیجان میں جذبات کی گہرائیاں
کھِل گیا گلزارِ عالم میں گلِ اخلاص مہر — مثلِ بوئے گل اُڑیں ہر سمت دل آرائیاں
محفلِ عالم میں حسن و عشق کا دفتر کھلا — ہو گئیں روشن نیاز و ناز کی پنہائیاں
مسکرا کر رہ گئیں فطرت کی دل آویزیاں — کھِل کھِلا کر رہ گئیں قدرت کی فرحت زائیاں

جلوۂ صبحِ ازل چمکا تری تنویر میں
مسکرایا صانعِ قدرت تری تصویر میں

تیرے جلوؤں سے منور ہو گئے چودہ طبق — مِٹ گیا آدم کی تنہائی کا جاں فرسا قلق
آگئی گلزارِ عالم میں ترے دم سے بہار — خونِ دل سے ہو گیا رنگین ہستی کا ورق
حسن و فطرت کے مناظر اور منظر جی اُٹھے — طلعتِ مہ، بوئے گل، نورِ سحر، رنگِ شفق
پیکرِ رنگیں تھا تیرا درسِ آموزِ وفا — ذرّے ذرّے نے لیا تجھ سے محبت کا سبق
تیرے آگے جراتِ مردانہ اب تک سرنگوں — تیری ہیبت سے ہے اب تک رنگِ روئے زہد فق
فکرِ انساں آج تک پہنچی نہ تیری ذات کو — مرگِ عقل و ہوش اب تک تیرا مضمونِ ادق

از حضرت وقار انبالوی

کیا کہوں حق میں ترے اے حسنِ زیبا کیا کہوں
گنگ ہے میری زباں تیرا سراپا کیا کہوں؟

(مرسلہ نعیمہ)

دلہن کا جہیز

(انتخاب)

"مشیر"

ایک فہمیدہ اور تجربہ کار خاتون کی لڑکی جب بیاہنے کے بعد سسرال جانے لگی تو اُس نے اس کو جہیز جو دیا ہوگا وہ دیا ہوگا۔ اُس کی کسی کو خبر نہیں۔ لیکن جو باتیں اُس نے اپنی لڑکی کے آویزۂ گوش جان بنانے کے لیئے اُس سے کہی تھیں وہ مقبولِ طبائع ہو کر ہم تک بھی پہنچی ہیں جو نئی نویلی دلہنوں کی خاطر ذیل میں درج کیجاتی ہیں:

۱۔ جس بات سے تمہارے شوہر کے دل کو رنج اور صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو اُس کو کبھی بھول کر بھی نہ کرنا۔ اُس کے رنجیدہ ہونے کے وقت تم خوش اور اُس کے خوش اور مسرور ہونے کے وقت تم کبھی اُداس مت ہونا۔

۲۔ اس کی جستجو میں رہنا کہ کھانے کی چیزوں میں سے کون سی چیز تمہارے شوہر کو ناپسند ہے گو تم کو خود کیسی ہی دل سے کیوں نہ بھاتی ہو اُس کو شوہر کی آنکھوں سے دور ہی رکھنا۔

۳۔ شوہر سے سچی محبت کرنا اور کوئی چیز بھی اُس سے مت چھپانا۔ اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ قرض دینا نہ خیرات۔

۴۔ تمہارے شوہر کی آنکھ اگر بوجۂ کسلمندی یا تکان کے لگ گئی ہو تو اُسے ہرگز مت جگانا اور اگر اُس کے جگانے کی کوئی ایسی ہی ضرورت آپڑے تو پیار و محبت سے جگانا۔

۵۔ اپنے شوہر کے کاروبار بیرونی کا بھگوٹہ لینے کی تم خود کبھی درپے نہ ہو ہاں اگر وہ خود ہی تم کو اُس سے واقف کرنے میں مضائقہ نہ سمجھکر واقف کردے تو اس کو ایک رازِ سربستہ سمجھ کر اپنے ہی تک محدود رہنے دو۔ اور ہر جگہ اُس کا ڈھنڈورا پیٹتی مت پھرو۔

۶۔ شوہر کی اجازت اور مشورے کے بغیر کبھی کوئی کام مت کرنا اور اُس سے جو مشورہ ملے اُس کی قدر کرنا۔
۷۔ رشتہ داروں اور عزیزوں سے خواہ وہ تمہارے خود کے ہوں یا شوہر کے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آنا اور کسی معمولی سی بات میں اُن پر الزام نہ رکھنا۔
۸۔ کوئی نامناسب یا ناممکن مطالبہ یعنے جو نازیبا ہو جس کی تعمیل ممکن نہ ہو شوہر سے نہ کرنا اور ایسے مطالبہ کے پیش کرنے سے بھی محترز رہنا جو اُس کی شہرت میں بٹہ لگانے والا ہو۔
۹۔ صاف اور ستھری بنے رہنے کی تو ہر دم کوشش کرنا اپنی توفیق اور بساط کے مطابق کپڑے اور زیور سے آراستہ رہنا مگر فضول نمائش سے محترز رہنا۔
۱۰۔ ملازموں سے بے تکلفی کبھی نہ ہونے دینا کیونکہ وہ اس طرح سرچڑھ کر گستاخی اور نافرمانی پر اُتر آتے ہیں۔
۱۱۔ سب سے بڑھی چڑھی نصیحت یہ تھی کہ کوئی ایسا فعل نہ کرو جس سے خاوند کو تم سے حسد پیدا ہو۔ اُس کے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کرنا اور اس کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھنا اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بڑھ کر شوہر کے رشتہ داروں اور عزیزوں کی توقیر و تعظیم اور آؤ بھگت کرتی رہنا تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ اُسی قسم کا برتاؤ کرنے پر مجبور رہو۔ غرض ہر وقت اور ہر لمحہ اس بات کا خیال پیش نظر رکھنا کہ ازدواجی زندگی میں بدمزگی نہ پیدا ہونے پائے اور ہمیشہ خوشی و خرمی کے ساتھ میاں بیوی کی زندگی بسر ہوتی رہے۔

مارچ ۱۹۳۲ء

سے جن حضرات نے سفینہ کی سرپرستی فرمائی تھی۔ ان سے ادارہ سال آئندہ بھی یہی توقع رکھتا ہے۔ اُمید کہ اپنا زرِ معاوضہ راست دفتر پر بھجوایا جائے گا۔ یا اطلاع ملنے پر ذریعہ وی۔ پی۔ "محرم نمبر" روانہ خدمت ہوگا۔

مینیجر

عورت

از حضرت تمکین کاظمی (حیدرآبادی)

روشن رُخ

عورت کی فطرت مرد کی فطرت سے زیادہ بلند ہے

(ڈاکٹر گرہم)

جس نے بیوی پائی اُس نے تحفہ پایا اور اُس پر خدا کا فضل ہوا۔ (مقولۂ سلیمان از انجیل)

تو مجسم جلوہ گر ہے اور دنیا میں بے فوج سلطنت کرنا تیرا اور صرف تیرا کام ہے۔ (شکسپیر)

جو اظہارِ محبت عورت کی نگاہ سے پیدا ہوتا ہے اس میں دھوکا نہیں ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نگاہ کی یہ کیفیت فطری بھی ہوتی ہے۔ (آسکر وائیلڈ)

عورت تاجِ آفرینش ہے۔ (ہرڈر)

عورت بہترین اور آخرین تحفۂ آسمانی ہے۔

(سیلقون)

عورت زمین کی فرشتہ خدا کی ذات کا دلرباترین اور یکتاترین پرتو ہے جو ہماری زندگی کو روشن کرسکتی ہے۔ (لاماڈمن)

تاریک رُخ

عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے پیدا کریں اُن کی پرورش کریں اور امورِ خانہ داری میں مصروف رہیں۔

(منولٹ سن)

عورت ایک سے باتیں کرتی ہے تو دوسرے کی طرف اضطراب کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس کا دھیان تیسرے کی طرف ہوتا ہے۔ جسے وہ دل میں رکھتی ہے۔ (رچ تسر)

عورتیں ہمیشہ بے وفا ہوتی ہیں لوگ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کی استریاں بھی ایسی ہی تھیں (تھوامیش)

اگر کوئی عورت پاک دامن ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ اس میں حجاب یا طبعی نیک خصلتیں عفت و عصمت کے ہیں بلکہ صرف یہی وجہ ہے کہ اس سے کوئی مرد کسی عنایت کا طلبگار نہیں ہوا۔ (تھو ایلش)

عورت کو دیکھنا اس کی بات سننا اس کو چھونا خطرناک ہے۔ (ترتولیان)

عورت ایک ایسی مخلوق ہے جس میں لطیف ترین
اور حسیم ترین جذبات ودیعت کیئے گئے۔ (جونسون)

اے عورت! تو تقدیس و تعظیم کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔

(جے برڈ)

عورت ایک اوقیانوس کی طرح ہے اس لیئے ہلکے
سے اور چھوٹے سے داؤ کی مقاومت بھی نہیں کر سکتی مگر بخلاف
اس کے تمام وزنی سے وزنی بوجھ بہ آسانی اٹھا سکتی ہے۔

(رامسون نیلسن)

اے عورت! بیشک تو فرشتہ ہے لیکن آزاد نہیں
اس لیئے فرشتے سے بالاتر ہے۔ (اترج)

عورت مخزن اسرار خلقت ہے۔ (کارل کوٹزکو)

عورت! نیکی کا فرشتہ ہے جو بچپن میں ہماری پوجا
کرتی ہے۔ جوانی میں ہمیں خوش کام بناتی ہے اور بڑھاپے میں
تسلی اور سہارا دیتی ہے۔ (مارٹین)

عورت میری زندگی کی سب سے زیادہ محبوب
اور سب سے زیادہ مقدس پرستش گاہ ہے (برنس)

عورت ہی وہ پہلا وجود ہے جس نے سب سے
پہلے عشق کی پاک حقیقت کو پہچانا۔ (شیلر)

عورت، دلربائی کا ایک سربستہ راز ہے اور اس کا
دروازہ مقفل ہے۔ (نوالس)

عورت ایک ایسا بھید ہے اور اپنے قلب کی

لوہے کی جلتی ہوئی سلاخ سے آنکھیں پھوڑ لو۔
بپھرے ہوئے شیر کے منہ میں کود پڑو۔ جلاد کی تیز تلوار کی
دھار پر گردن رکھ دو مگر کسی عورت سے محبت نہ کرو۔

(بدھ مت کا ایک حکیم)

اے خدا! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں عورت
نہیں بنایا۔ (یہودیوں کی دعا)

ہر معاملہ میں عورت سے مشورہ کرو۔ رائے سنو
مگر ہمیشہ اس کی رائے کے خلاف عمل کرو۔ (اہل چین کی کہاوت)

خدا ہمیں عورتوں سے بچائے

گھوڑے کو خواہ وہ اچھا ہو یا برا کوڑے کی
خواہ اچھی ہو یا بری مار کی ضرورت ہے۔ (اہل اٹلی کا قول)

عورت کے چرتروں کا سمندر اتنا گہرا ہے کہ
اس کی تاہ نہیں ملتی۔ (تلسی داس)

آگ کس کو نہیں جلا سکتی۔ سمندر میں کیا نہیں سما
سکتا۔ دنیا میں موت کس کو نہیں آتی۔ اسی طرح عورت کیا
ضد کیا نہیں کر سکتی۔ (تلسی داس)

ہم آئینے میں اپنے عکس کو پکڑ سکتے ہیں مگر عورت کے
دل کی حالت معلوم نہیں کر سکتے۔ (تلسی داس)

عورت کے دل کی کیفیت برہما بھی نہیں جانتے۔

(تلسی داس)

عورت ضعیف ہوتی ہے۔ (امام باقرؑ)

گہرائیوں میں ایسے ایسے راز پوشیدہ رکھتی ہے جن کا
اظہار زبان کی طاقت سے باہر ہے (ٹوری)

عورت ایک ایسی کشش ہے جسے ناقص عقلیں
محسوس نہیں کر سکتیں۔ (اکسیون)

اے عورت آ! میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی
تیرے قدموں پر نثار کر دوں۔ (شیکسپیر)

اے عورت! میں نے تیری آنکھوں کی تعریف میں
ہزاروں شعر کہے ہیں جو جریدۂ عالم سے کبھی محو نہ ہوں گے۔
(ہنری ٹن)

عورتیں خوشبودار پھول ہیں جو تمہارے لئے پیدا
کی گئی ہیں اور تم میں سے ہر شخص ان پھولوں کو سونگھنے کا
مشتاق ہے۔ (عرب کا مقولہ)

عورتوں کے جذبات جلد سرد نہیں ہوتے انکی
محبت کی شمع دیر تک جلتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کی
روشنی بڑھتی ہے۔ (کابٹ)

محبت انگلستان کی عورت کے لئے اصول'
فرانس کی عورت کے لئے خیال' اور اٹلی کی عورت کیلئے
خواہش' امریکہ کی عورت کے لئے جذبہ اور ہندوستان کی
عورت کے لئے دین و ایمان ہے (؟)

اللہ نے آدم کو تنہا پیدا کیا اور اس کے بعد
ایک رفیق (عورت) دی تاکہ وہ رفیق کی قدر سمجھے۔ (انجیل مقدس)

عورت تعلیم و تربیت سے مرد نہیں بن سکتی۔
(ڈاکٹر موسلی)

عورت ہلاکت کا گڑھا ہے اس کا دل جال ہے۔
اور دونوں ہاتھ ہتکڑیاں اور وہ موت سے زیادہ تلخ ہے
(نامعلوم)

عورت۔ بستر (بچھونے) زیور وغیرہ سے محبت رکھتی
ہے اور خواہشات میں گم ہو جاتی ہے اس کا مزاج خراب
ہو جاتا ہے اور وہ سیدھے منہ بات نہیں کرتی وہ ہمیشہ
ہر شخص کو اپنا ماتحت اور اپنا زیر اثر سمجھتی ہے۔ اس لئے
بیماری۔ آندھی۔ موت۔ جہنم۔ جیل خانہ اور سانپ سے
بھی زیادہ عورت کو بدتر سمجھا گیا ہے۔ (منو)

آگ بیشک ہیبت ناک ہے اور سانپ موذی ہے
مگر عورت ان دونوں سے بڑھ کر ہے۔ (ایک پادری)

عورتو! تم میں ہر ایک حوا ہے۔ تم پر خدا کی
لعنت رہے گی۔ جیسا کہ تمہارا گناہ پائیدار ہے۔ تم
شیطان لعین کا دروازہ ہو۔ تمہیں سب سے پہلے صراط مستقیم
سے منحرف ہوئیں۔ تمہیں نے ممنوعہ پھل کھایا تمہیں نے
اس پاک ہستی (آدم) کو بہکایا۔ جس کو شیطان نہ بہکا سکا
یعنے تم نے وہ کام کیا جو شیطانی طاقت سے باہر تھا اور
تمہاری وجہ سے انسان کی موت ہوئی اور خدا کا اکلوتا
بیٹا بھی موت کا شکار ہوا۔ (پادری ٹریولیس)

دماغی حالت سے آراستہ و پیراستہ عورت
...ب کبھی وہ کشش وہ جذب پیدا نہیں ہوسکتا جو ایک محبت سے
...بھری ہوئی عورت میں ہوا کرتا ہے ۔ (الیور وینڈل)

عورت وہی عورت ہے جس کی شہرت آفتاب بن کر
نہ چمکے بلکہ جس کی خوبیاں شمع کی دھیمی مگر خوشگوار روشنی
کی طرح صرف قرب وجوار ہی میں رہیں ۔ (مقولہ مشرق و مغرب)

جس طرح مرد کی گواہی معتبر ہے اسی طرح عورت کی
گواہی بھی معتبر ہے ۔ (امام ابوحنیفہؒ)

عورت منصبِ قضا پر مامور کی جاسکتی ہے ۔
(امام ابوحنیفہؒ)

اے عورت! میں نے تجھے پہلی نظر میں جتنا چاہا
ہر نظر میں اس سے دگنا چاہتا ہوں ۔
(نامق کمال)

عورت کا مکر بڑا اگھرا کر ہوتا ہے ۔ (مقولہ عرب قبل اسلام)

عورتوں کو مردوں کی زندگی میں ایک درمیانی
حیثیت حاصل ہے اور وہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ جسمانی
اور نفسیاتی حیثیت سے وہ مردوں سے کمزور پیدا کی گئی ہے
اور قدرت نے عورت کو ماں بننے کے لئے پیدا کیا ہے اور
اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ عورتوں کی جگہ گھر ہے ۔
اور اس کا کام انتظام خانہ داری ہے ایک عورت کی بھی
ایجاد و اختراع کی قابلیت سے تاریخ آشنا نہیں ۔
مجھے کسی ایسی عورت سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جو مرد کی
روحانی بلندیوں تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہو ۔ کسی کو بھی
عورتوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے ۔ کیونکہ زندگی
کے متعلق ہر معاملہ میں جھوٹ بکا کرتی ہیں ۔ مرد کو چاہیئے کہ
چالیس سال تک ہرجائی بنا رہے اور صرف دائمی محبت کا
حلف اٹھاتا رہے اس زمانے میں حیات کا اصلی مقصد کام
اور کھیل ہونا چاہیئے ۔ (موسولینی)

سنگم کے راستے میں ۱

(بلقیس جمال بریلوی)

راہ میں سنگم کی ملتے ہیں مجھے جاتے ہوئے
چھاؤں میں تاروں کے پتے ناز سے گاتے ہوئے

موجۂ بادِ صبا شوخی سے اِٹھلاتے ہوئے
سنبلِ تر کے پریشاں بال سلجھاتے ہوئے

سبز کلیوں میں نئی روح دوڑاتے ہوئے
تازہ پھولوں کو قبائے سرخ پہناتے ہوئے

سبزہ زاروں میں گھٹا کالی ادا سے کھیلتی
مست بادل جھومتے شوخی سے اِٹھلاتے ہوئے

نیچی دیواروں پہ سر رکھے گڑہل کے نرم پھول
اپنے تیرِ نیم کش سے دل کو تڑپاتے ہوئے

دامنِ سبزہ میں نرگس ناز سے سوتی ہوئی
بند آنکھوں سے ہزاروں تیر برساتے ہوئے

یاسمن کے لب پہ اک موجِ تبسم غنچہ ریز
نازنیں پھولوں پہ بھونرے ناز سے گاتے ہوئے

ڈالیاں چمپا کی بل کھاتی ہوا کے ساتھ ساتھ
نیلوفر تالاب کی موجوں میں شرماتے ہوئے

ننھے بچے چلتے پھرتے اور ہنستے کھیلتے
پیارے پیارے گیت بھولے راگ میں گاتے ہوئے

سنگ ریزے پھینک کے پانی پر، اِٹھلاتے ہوئے
گھر بنا کر ناز سے مٹی کے اتراتے ہوئے

مسکرا کر پیار سے کلیوں کو تڑپاتے ہوئے
قہقہہ کی گونج سے پھولوں کو شرماتے ہوئے

چکیوں کی تازہ موسیقی ترنم آفریں
جھونپڑوں میں شوخ نغمے کیف برساتے ہوئے

محنتی بوڑھے خمیدہ جوں کمان کپڑے کثیف
سر پہ اپنے گھاس کے گٹھوں کو لیجاتے ہوئے

کاٹتے سبزۂ زمیں پر دھاں پھیلاتے ہوئے
محنت میں لڑتے ہوئے بچوں پہ چلاتے ہوئے

پگڑیوں کی خستگی میں کچھ کثافت کے نشاں
ننگے پاؤں قوم کے افلاس برساتے ہوئے

پیاری پیاری بچیاں جھولے فضا میں جھولتیں — نرم گھونگر اُن کے رخساروں پہ لہراتے ہوئے
سحر گہ ہمجولیاں تالاب پر جاتی ہوئیں — اُن کے چاندی کے کڑے گاگر سے ٹکراتے ہوئے
نرم تالابوں میں جھالے سیم گوں اُٹھتے ہوئے — مست وحشی چلتے ہوئے سو پیچ و خم کھاتے ہوئے
رحجکائے بھیڑ باہم ناز سے چلتے ہوئے — اِک سریلا راگ پیچھے گلہ باں گاتے ہوئے
بازو پھیلائے ہوئے تالاب پر مرغ آبیاں — خوش خرامی سے ہرن سبزہ کو برماتے ہوئے
جھونپڑے خس پوش موج نور میں ڈوبے ہوئے — ڈوبتے تارے فلک سے اوس برساتے ہوئے
مسکرانے والے غنچے صد صباحت آفریں — صبح کے کافرستانِ نظر نور پھیلاتے ہوئے

زرد پتے یاس سے چاروں طرف اڑتے ہوئے
دل کو فانی زندگی کے راز سمجھاتے ہوئے

"سفینہ کا دورِ جدید؟"

نیا ادارہ! نئے انتظامات!! نئی شان!!!

اس اشاعت سے "سفینہ" اپنی زندگی کا پہلا سال ختم کر رہا ہے۔ دکن کی حد تک یہ بھی باعنیمت ہے کہ کوئی رسالہ کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض بجا لا رہا ہے۔ اس قلیل ترین مدت میں "ادارہ" کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا اظہار "احوال" میں ملیگا۔

اپریل میں حسبِ سال گزشتہ محرم نمبر کے ذریعہ شہیدانِ کربلا علیہم السّلام کی بارگاہ میں "سفینہ" اپنی ارادت اور عقیدت کا بے مایہ نذرانہ پیش کرے گا۔

جنھوں نے مارچ ۴۲ء سے سفینہ کی سرپرستی کو قبول فرمایا ان محترم خواتین کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم اپنا زرِ مواد ختم اپریل تک دفتر ہٰذا کو بھجوا دیں یا اگر خریداری منظور نہ ہو تو مطلع کر دیں۔ ورنہ دفتر یہ سمجھتے ہوئے کہ انہیں سفینہ کی بقاء سے دلچسپی ہے۔ اپریل کا رسالہ ان کی خدمت میں ذریعہ وی۔ پی روانہ کیا جائے گا۔ — **مینجر**

بیوی

(اقوالِ زرین)

(۱) جب میں کفار سے کوئی بات سنتا اور مجھے ناگوار معلوم ہوتی تو خدیجہؓ سے کہتا تھا وہ اس طرح سمجھاتی تھیں کہ اس سے میرے دل کو تسکین ہو جاتی اور کوئی رنج مجھ کو نہ ہوتا تھا۔ جو خدیجہؓ کی باتوں سے ہلکا اور آسان نہ ہو جائے۔
(حضرت صلعم)

(۲) تم میں سے اچھے لوگ وہی ہیں۔ جو اپنی بیویوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ (حضرت صلعم)

(۳) ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ دنیا میں کوئی نعمت نہیں۔ (حضرت عمرؓ)

(۴) میاں بیوی کا عجب رشتہ ہے کہ مرد و عورت نکاح ہو جانے کے بعد سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کسی اور رشتہ میں نہیں پائی جاتی۔ مال مشترک۔ گھر مشترک۔ کھانا مشترک۔ اولاد مشترک۔ آبرو مشترک۔ رنج و غم مشترک۔ (شمس العلماء مولانا نذیر احمد)

(۵) زن و شوہر ساتھ ہی دعا مانگتے ہیں۔ ساتھ ہی عبادت کرتے ہیں اور ساتھ ہی روزہ رکھتے ہیں۔ خوشی۔ رنج و راحت تکلیف میں باہم ایک دوسرے کے مونس ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کوئی امر پوشیدہ نہیں رکھتے اور نہ ایک دوسرے کیلئے بار خاطر ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ جہاں یہ باتیں ہوتی ہوں اسے دیکھ کر خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ ایسی جگہ وہ اپنی برکت نازل کرتا ہے۔ جہاں زن و شوہر باہم محبت سے رہتے ہیں۔ وہاں مسیح بھی ہوتا ہے اور جہاں وہ موجود ہے۔ وہاں برائی قدم نہیں رکھ سکتی۔
(سر جان لبک)

(۶) بیوی کی صحت پر زندگی کی ترقی و تنزل کا انحصار ہے۔
(لارڈ بریلے)

اگرچہ میں کیسی ہی مفلسی کی حالت میں ہوں لیکن اگر کوئی مجھ کو تمام دنیا کا خزانہ دیدے تو میں اپنی بیوی سے تبادلہ نہ کروں۔ (اولتھر)

دنیا میں وہ سب سے زیادہ خوش نصیب شخص ہے جس کی بیوی عصمت مآب ہو اور جس کے ساتھ وہ نہایت آرام سے زندگی بسر کرسکے۔ (اولتھر)

تعلیم یافتہ عورت سے شوہر کی ترقی اور جاہل سے تنزل ہوگا۔ (لارڈ برلے)

جیسا آرام مجھے اپنی بیوی سے ملا حقیقت میں کسی سے نہیں مل سکتا۔ (فرئیڈی)

دنیا میں شریف بیوی مرد کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ (رلٹن)

چوبیس سال کے بعد مجھے یہ تجربہ ہوا کہ دنیا میں اگر کوئی شخص میرے کاموں میں مدد دے سکتا ہے تو وہ میری بیوی ہے۔ (کاونٹ زنڈرف)

خدا کی دوسری نعمتوں میں سے مجھے اپنی بیوی زیادہ قابلِ قدر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مصیبت کے وقت میری مدد کرتی ہے اور جب میں مشکلات سے گھبرا جاتا ہوں تو وہ میری بہت دلدہی کرتی ہے۔ وہ میری ایسی نگران رہتی ہے۔ پر اس کی محبت سے مجھے یقین ہے کہ کوئی برا کام نہ کرسکوں گا۔ (ڈاکٹر لوگ جے)

اگر کسی مرد کے پاس نیک بیوی ہو تو اس کو اس سے بہتر کوئی چیز دنیا میں نہیں مل سکتی۔ (سائمن اٹریس)

عورت اپنے شوہر اولاد اور اسرار دنیوی کی ملکہ ہوتی ہے۔ جس کے روبرو دنیا اور زمانہ تاج اور عصائے شاہی سرتسلیم کر دیتے ہیں۔ (رسکن)

اگر میں کسی فخر کا مستحق ہوں۔ تو اس کا نصف میری بیوی کا حصّہ ہے۔ (فونس)

میں اپنی بیوی سے ہمیشہ مشورہ لیتا ہوں اور سوائے اس کے میرا کوئی مشیر نہیں ہوا۔ وہ اپنی شیریں زبانی اور ملیح لہجہ سے ہر وقت میرے پہلو سے لگی میٹھی گفتگو کیا کرتی ہے اور اس بات کی منتظر رہتی ہے کہ کب وہ میرے کسی امر میں مدد دے سکتی ہے۔ (ٹینی سن)

خاوند کا دلی دوست بیوی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ (ایڈیسن)

انسان کو جیسا بیوی بنا دیتی ہے ویسا ہی وہ بن جاتا ہے۔ (ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو ال)

پیرزن

(حضرت شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح آبادی)

اِک مشن اسکول کی لیڈی بصد انداز و ناز
دخترانِ ہند سے ہے دیکھ سرگرمِ نیاز

پھر رہی ہے لڑکیوں کی صف میں بل کھاتی ہوئی
ہاتھ میں شانہ لئے، زلفوں کو سلجھاتی ہوئی

اس خمِ کاکل میں ہے پوشیدہ کتنی گیر و دار
کچھ خبر بھی ہے تجھے، ناواقفِ لیل و نہار

اِک سیاسی لہر ہے اِس کاکلِ شبگیر میں
پیچ ڈالے جا رہے ہیں ہند کی تقدیر میں

قوم کو ڈسنے کی خاطر پے بہ پے بل کھائیں گی
کل اِنھیں زلفوں میں کالی ناگنیں لہرائیں گی

اس کے شانے سے نہ ہو جائیں کہیں سینے فگار
اس مشن اسکول کی لیڈی سے یارو ہوشیار

بادِ طوفانی، ہوائے سرد بن کر آئی ہے
"پیرزن" فرہاد کی ہمدرد بن کر آئی ہے

افسانہ

پیماں شکن[1]

از جناب اختر قریشی (مدیر معاون)

(۱)

سلیم اپنے ڈرائینگ روم میں کرسی پر بیٹھا ہوا اُن الفاظ کو دوہرا رہا تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اُس نے اپنے والد کی زبان سے سُنے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ ابھی ایسے الفاظ، یا یوں کہئے کہ ایک ایسی تحریک کو جو اس کے خیال میں قبل از وقت تھی، نہ سننا چاہتا تھا۔ جس کے لئے وہ اپنے آپ کو ایک مُدبّرانہ حیثیت سے پیش کرنے کے قابل نہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کالج میں اُس کا مذاق اُڑایا جاتا۔ جب کبھی "شادی" کا مسئلہ چھڑا، اور سلیم فوراً اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ وہ ہر طرح کے دلائل پیش کرتا۔ اور ثابت کر دکھاتا کہ "ازدواجی زندگی میں سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھنا ایک امرِ محال بلکہ قریباً ناممکن ہے"۔ امرِ حقیقی کی فتح یقینی ہے۔ لیکن تنہا سلیم کی مخالفت اور کثیر گروہ کی موافقت اس فتح پر غالب آتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ سلیم کو شکست اٹھانی پڑتی۔ اس پر بھی وہ اپنے الفاظ پر قائم رہتا اور مزید دلائل پیش کرتے ہوئے گروہِ مخالف سے یہ منوانے کی ناکام کوشش کرتا کہ "شادی ایک ایسی زنجیر ہے جس میں انسان جکڑ جانے کے بعد اُس نامراد قیدی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی ساری خوشیاں مفقود جس کی ساری آزادیاں سلب کر لی گئی ہوں اور جو قید خانے کے ایک ادنیٰ سپاہی کے اشارے پر چلے"۔ وہ کہتا کہ "شادی کے بعد انسان کے لئے ترقی کی راہیں محدود ہو جاتی ہیں اور اگر وہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو "موجودہ دور کی ازدواجی زندگی" اُس کی راہ میں حائل ہوتی اور آگے بڑھنے سے روکتی ہے"۔ یہ اور غرض ہر طرح کی مثالیں پیش کی جاتیں لیکن سلیم کو یہ دیکھ کر بے انتہا رنج ہوتا کہ اُس کی مسلسل گھنٹوں کی تقریر کے جواب میں صرف ایک قہقہہ اور وہ بھی مذاق کے انداز سے لگایا جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی تقریر جو وہ "شادی" کے موضوع پر

---

[1] Traitor.

کیا کرتا۔ اس کے دوستوں کے لئے ایک مذاق کا سامان مہیا کرتی ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کی تقریر کا جواب ایک پرزور قہقہہ اور صرف قہقہہ ہوگا۔ لیکن وہ اپنے ارادے سے کبھی باز نہ آتا اور اپنی ناکام کوشش کئے جاتا۔ یہ تھے وہ خیالات جن پر سلیم کا یہ خیال تھا کہ پہلے خود کاربند ہوا اور پھر اوروں کو اس کی تلقین کرے۔

آج کا دن سلیم کے لئے ایک خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ صبح کو اس نے مسٹر حامد کا وہ تار پڑھا جس میں اس نے کلکتہ سے اس کی کامیابی پر مبارکباد دی تھی۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ یونیورسٹی کا "فرسٹ پرائز" حاصل کرنے کے لئے مارچ کی ۵ تک کلکتہ چلے آؤ۔ یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد و انعامات ۷ مارچ کو منعقد ہوگا۔

جب سلیم نے یہ تار اپنے والد کو دکھلایا تو وہ بے انتہا مسرور ہوئے اور ہوتے کیوں نہیں۔ سلیم اُن کا اکلوتا اور وہ بھی امیر گھرانے کا لڑکا تھا۔ اُس کی اس شاندار کامیابی پر وہ جتنا بھی خوش ہوتے کم تھا۔ ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ وہ خود کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ مگر زمانے کے رنگ کو دیکھتے ہوئے سلیم کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے اپنا خون پسینہ کر دیا تھا۔ وہ جوش مسرت سے آگے بڑھے اور سلیم کو گلے لگا لیا۔ دعائیں دیں۔ سلیم بھی اپنے والد کے اس والہانہ جوش اور پدرانہ شفقت کو دیکھ کر دل ہی دل میں مسرور ہوا۔

تھوڑی دیر نہ گزری کہ سلیم کی والدہ جو ایک جہاں دیدہ اور سن رسیدہ بڑی بی تھیں آپہنچیں جن کی چال ڈھال پرانی۔ جن کی وضع قطع اگلی اور جن کے خیالات وہ خیالات تھے جو عموماً سن رسیدہ اور پرانے لوگوں کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ گزشتہ طرز زندگی پر کاربند اور لغو رسومات کی سختی سے پابند تھیں۔ اُن کے آتے ہی سلیم نے ادب کے ساتھ سلام کیا اور انہیں کامیابی کا مژدہ سُنایا۔ سلیم کی والدہ کو انگریزی تعلیم سے بیحد نفرت تھی۔ اس پر اُن کا ایمان تھا کہ انگریزی کافروں کی زبان ہے اور اس کا سیکھنے والا کافر۔ مگر اب کی بار وہ بھی اپنی مسرت کے جوش کو نہ روک سکیں اُن کی آنکھوں نے خوشی کے آنسو بہا کر سلیم کو کامیابی کی مبارکباد دے دیں۔

اس سکوتِ مسرت کو توڑنے اور سلیم کے آگے کسی خاص تحریک کے پیش کرنے کے خیال سے سلیم کی والدہ نے اپنے شوہر کی طرف آنکھ سے کچھ ایسے انداز میں اشارہ کیا جس کو یا تو وہ خود سمجھتی تھیں یا سلیم کے والد۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھیں اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئیں۔

سلیم کے والد نے سلیم سے کچھ دیر تو یوں ہی بغیر کسی خاص موضوع کے گفتگو کی۔ پھر ہندوستانی رسم و رواج پر اپنے بزرگانہ خیالات کا اظہار کیا۔ اور اس کے بعد "شادی" کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ سلیم اس میدان میں چونکہ کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اور اسی "موضوع" پر اُس نے بارہا اپنے کالج کے زمانے میں تقریریں

کیں تھیں۔ اس لئے اُس نے اپنے والد کو پرانے خیالات کی خصوصاً شادی اور فضول رسم و رواج کے بارے میں، ایک حد تک ادب کے ساتھ تردید کرتا گیا۔ چونکہ سلیم کو اس کا علم نہ تھا کہ اس کے والد کی اس گفتگو اور اس مکالمہ کا مقصد محض اس کے خیالات کو معلوم کرنا تھا۔ اس لئے اُس نے عام مثالوں پر ہی اکتفا کیا۔ جن سے اُس کا یہ نظریہ کہ ازدواجی زندگی انسان کو محدود اُس کے خیالات کو پست اور اُس کی ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیتی ہے۔" پوری طرح واضح ہو گیا۔ ہاں! اُس نے اِسی ضمن میں اپنے متعلق صرف اتنا کہا کہ "جب تک میں ایک ذمہ دارانہ حیثیت اختیار نہ کر لوں اس وقت تک ان فضول جھگڑوں میں ہرگز نہ پھنسوں گا۔ اور اپنی ترقی کی راہوں کو مسدود نہ ہونے دوں گا۔" سلیم کے والد اپنی زندگی کی ساٹھ منزلیں طے کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے سلیم کا مطلب اور اس کے خیالات کو اچھی طرح جان لیا۔ لیکن کرسی سے اُٹھتے ہوئے انہوں نے اپنی زبان سے اُس کی والدہ کے الفاظ کا یوں اعادہ کیا کہ "تمہارے خیالات بہتر اور تمہاری دلیلیں درست۔ لیکن اب جب کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں۔ میری آرزو اور تمہاری والدہ کی یہ خواہش ہے کہ ہم اپنی زندگی میں تم کو دُلہا بنا دیکھیں اور بس! اس لئے مناسب ہے کہ تم اپنے خیالات کو بدل دو اور بہت جلد اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ ہمارا کیا بھروسہ آج ہیں اور کل نہیں۔ میں تمہیں ایک ہفتہ کی مدت دیتا ہوں تا کہ تم اس نیک کام کے ہر پہلو پر غور کر لو اور مجھے اطلاع دو۔ کل انتظامات مکمل ہیں؛ صرف تمہاری کامیابی کا انتظار تھا۔ خدا نے آج وہ دن بھی دکھلا دیا۔ اور اُسی کی ذات سے اُمید ہے کہ ہمیں وہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوگا۔ جب کہ تم دُلہا بنے ہوں گے۔"

اتنا کہہ کر سلیم کے والد چلا گئے اور سلیم اپنے کمرے میں آن کر اُن کے الفاظ کو دُہرا رہا تھا اور اپنے مستقبل پر غور کر رہا تھا۔ کامیابی کی خوشی اس کے لئے غمی اور فکر کی صورت اختیار کر گئی تھی وہ ہر وقت ہر گھڑی اپنے مستقبل پر غور کرتا اور اچھی طرح سوچتا۔ مگر اُس کی حالت دیوانوں سے کم نہ رہتی۔ جب وہ اپنی "ازدواجی زندگی" یعنے مستقبل قریب میں اپنی علمی و عملی ترقی کی راہوں کو محدود پاتا۔ اس کی مسرت کو تازہ کرنے اور خوشیوں میں اضافہ کرنے کے لئے روزانہ ایک دو نہیں بلکہ اکثر تہنیتی تار و خطوط اُس کو ملتے۔ لیکن وہ اپنے مستقبل میں اس قدر غرق اور اپنے والد کے الفاظ میں ایسا فنا ہو چلا تھا کہ کوئی چیز بھی اُسے خوش نہ کر سکتی تھی۔

کوئی چار یا پانچ روز کا عرصہ ہو گیا۔ سلیم حسب عادت ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھا کسی خیال میں محو تھا کہ ڈاکیہ ایک تار اور کچھ خطوط لا کر اُس کے آگے میز پر رکھ دیا۔ سلیم نے خطوط کی طرف کم توجہ کی اور

تار کو پڑھنا شروع کیا۔ لیکن حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے خلافِ توقع تار میں اُن الفاظ کو دیکھا . . . .

"میں آپ کی اس امتیازی کامیابی پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتی ہوں۔"

آپ کی . . . . . . "ن، ز،"

ٹیلیگرام اگرچہ کلکتہ ہی سے آیا تھا۔ لیکن الفاظ کی اس قدر شوخی اور مخاطبؔ کا جنسِ لطیف سے تعلق یہ دو ایسے اسباب تھے جو تھوڑی دیر کے لئے سلیم کو کہیں کا کہیں پہنچا دے۔ گویا وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ خود کلکتہ میں ہے اور اپنے "حسین" مخاطبؔ کی تلاش میں حیران . . . . . .

کمرہ میں چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور سلیم اپنے آپ میں کھویا جا رہا تھا . . . . کہ یکایک اس خیال نے اس کو مطمئن کر دیا کہ یہ بھی حامد کا مذاق ہوگا۔ اس تخیل نے اس کے منتشر شدہ خیالات کو مجتمع کیا اور آئے ہوئے خطوط کو ایک لاپروائی کے ساتھ دیکھنا شروع کیا۔ خطوط اکثر تہنیتی تھے ان میں یونیورسٹی کے رجسٹرار کا بھی ایک خط تھا۔ جس میں سلیم کو شرکت جلسہ تقسیم اسناد و انعامات کی دعوت اور کامیابی پر مبارک باد دی گئی تھی۔

سلیم تمام خطوط کو ایک سرسری نظر سے دیکھتا جا رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک رنگین لفافہ پر پڑی۔ جس پر زنانہ طرز کی تحریر میں سلیم کا پتہ اور نام کے ساتھ "ایم۔ اے" لکھا تھا۔ وہ اپنے تھرّاتے ہوئے ہاتھوں سے خط کو اٹھایا اور غور سے دیکھا تو لفافے کے نیچے مرسل کا نام صرف "ن، ز" از کلکتہ لکھا پایا۔ اب تو اس کے رہے سہے حواس بھی گم تھے۔ وہ اضطرابی ہاتھوں خط کو کھولا۔ اور بے چینی کی نظروں سے پڑھنا شروع کیا۔ خط کو ختم کرنے کے بعد کسی دوسری قوت نے غیر معلوم طریقہ پر اس کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ایک نفیس اور عطر میں بسا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا جو لکھنے والے کی نفاست اور خوش سلیقگی کا پتہ دے رہا تھا۔ اور اب وہ خط کے لکھنے والے کو پیش نظر پا رہا تھا۔ کبھی اس کے بشرے سے تعجب اور حیرت کے آثار ہویدا تھے۔ اور کبھی الفت و محبت کے کبھی وہ خط کو دیکھ کر انتہائے مسرت سے آنکھیں بند کر لیتا اور کبھی کسی خاص خیال اور جذبات کے تحت مسکرا دیتا۔ یہاں تک کہ وہ خط کو میز پر رکھا اور جواب لکھنا شروع کیا۔

ڈیر لوز روز

مرسلہ تار اور خط ایک ہی ساتھ وصول ہوا جن کے پڑھنے کے بعد گزشتہ خوشگوار لمحوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ مشکور ہوں کہ تم نے ایک مدت دراز کے بعد مجھے یاد کیا۔ جن الفاظ میں میری کامیابی پر مبارک باد دی گئی ہے۔ ان کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔

بہت ممکن ہے کہ ماہ مارچ کے دوسرے ہفتہ میں کلکتہ پہنچوں اور اس وقت ہی اپنے قطعی فیصلہ کا اظہار کر سکوں گا۔

ابھی میں نے اس بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی ہے
اور نہ بالفعل ایسا خیال ہے ...... دور افتادہ

تمہارا سلیم

سلیم نے خط کو لفافہ میں بند کیا اور ساتھ ہی مادر کو
بھی ایک خط لکھ کر ڈاکخانہ پہنچانے کے لئے ملازم کے حوالے کیا۔

سلیم کی والدہ کے لئے ہفتہ کے سات دن سات برس
اور دن کا ہر ایک گھنٹہ ایک ایک مہینہ کے برابر گزر رہا تھا۔
جیسے ہی ہفتہ گزرا اور انہوں نے شوہر کو تنگ کرنا شروع
کر دیا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھیں کہ اپنے بھائی کی بیٹی کو بہو کی
شکل میں اپنے گھر دیکھیں جو اپنے ساتھ چند بڑی بڑی کوٹھیاں
اور ہزار ہا روپے کا زیور و سامان لے آنے والی تھی۔
ان کو یہ دیکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس رشتہ سے سلیم کا
مستقبل کس قدر تاریک ہوگا۔ ان کو اس کے سمجھنے کی کیا
پڑی تھی کہ یہ شادی سلیم کے حق میں حقیقی شادی ہوگی یا کچھ اور
سلیم تعلیم یافتہ روشن خیال اور اس بات کا خواہشمند کہ اس کی
شریک زندگی بھی زیادہ نہیں تو کم از کم کچھ تو تعلیم یافتہ سلیقہ شعار ہو
وہ دولت اور امارت کا بھوکا نہیں بلکہ حقیقی تہذیب اور شائستگی
کا دلدادہ ضرور تھا۔

سلیم کے والدہ کا انتخاب اور اس کے خیالات کو
اگر جانچا جائے تو زمین و آسمان کا فرق۔ صفیہ جو سلیم کی
ماموں زاد بہن تھی علم سے قطعی بے بہرہ اور تہذیب و شائستگی سے
کوسوں دور۔ وہ ایک ایسے خاندان کی لڑکی اور ایسے
گھر میں پرورش پائی تھی۔ جہاں اگر لڑکوں کی تعلیم فضول
خیال کی جاتی تو لڑکیوں کی تعلیم گناہِ عظیم قرار پاتی۔ غرض
سلیم کے خیال سے صفیہ اس کے لئے اگر ناکارہ تھی تو اس کی
والدہ کی نظروں میں مقبول۔ وہ مال و زر کی وجہ اس پر
نثار تھیں اور بھائی کی اولاد ہونے کی وجہ دل و جان سے فدا۔

جب بڑی بی نے آٹھواں دن بھی یوں ہی گذرتا دیکھا
تو سلیم کو زنانخانے میں بلا بھیجا اور خود ہی پوچھ بیٹھیں۔ سلیم
شرمندگی۔ ندامت اور نفرت کی وجہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا
صرف اس قدر کہتا ہوا چلا گیا کہ میں والد صاحب پر اپنے خیالات
کا اظہار کر دوں گا۔

وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آیا اور اپنے والد کو
ایک چٹھی لکھ کر دفتر بھجوا دیا۔ جس میں تحریر تھا کہ میں ... کافی
غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میری شادی کی
تحریک قبل از وقت ہے۔ نیز ابھی ابھی مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ
شادی کی تاریخ آئندہ ہفتہ میں قرار پائی ہے۔ جس کے لئے
میں ہرگز تیار نہیں ہوں۔ کم از کم مجھے تین مہینے کی اور مہلت
دی جائے تاکہ میں کلکتہ جا کر واپس ہوں اور اس کے
بعد میرا قطعی فیصلہ ہوگا۔

سلیم کو اپنی والدہ کا وقت بے وقت شادی کے مسئلہ کو
چھیڑنا ایسا ناگوار گزرنے لگا کہ وہ اب اپنا سارا وقت اپنے

کمرہ ہی میں گزارنے لگا۔ بلکہ یہاں تک بھی انتظام کروالیا کہ کھانا بھی مردانے ہی میں آجایا کرے۔

سلیم کی زندگی اب کچھ عجیب کشمکش میں گزر رہی تھی اس کو کبھی یہ خیال ہوتا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ چلا جائے۔ کبھی یہ سوچتا کہ تعلیم کو ترک کر دے اور ملازمت اختیار کرلے۔ کبھی اس کو صفیہ کا خیال آتا تو نفرت ہوتی اور کبھی "نوروز" کا خیال آتا تو فرحت۔ اس لئے کہ جو باتیں صفیہ میں موجود نہ تھیں وہ نوروز میں اُن کو پاتا۔ وہ حسین اور یقیناً حسین تھی۔ تعلیم یافتہ۔ روشن خیال سلیقہ شعار۔ تہذیب سے آراستہ اور شائستگی سے پیراستہ تھی۔ چونکہ کالج کے زمانے میں دونوں نے ایک عرصہ یکجائی میں گزار دیا تھا۔ اس لئے وہ اس کے خیالات سے بخوبی واقف تھا۔ اس کے گزشتہ عہد وپیمان اس بات کے شاہد تھے کہ وہ تاعمر اُس کے ساتھ وفاداری سے برتاؤ کرے گی اور محبت کو برقرار رکھے گی۔ کلکتہ جیسے شہر میں اگر سلیم کسی سے ملا۔ کسی کو دیکھا۔ کسی کو پسند کیا۔ اور اب اپنا دل کسی کو دیا تو وہ صرف نوروز تھی۔ صفیہ سے نفرت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سلیم اپنی قسمت کو آیندہ کے لئے نوروز سے وابستہ کردیتا۔ اور ہوا بھی یہی۔ آگ کی وہ چنگاری جو سلیم کے خرمن دل میں لگی تھی اب بھڑک اٹھی۔ یہ جو بڑ تنہائی میں اگر اُس کا دل کسی چیز سے بہلتا تو وہ صرف نوروز کی یاد تھی اور بس! دن ہو کہ رات صبح ہو کہ شام ہر وقت وہر گھڑی وہ اُس کو اپنے قریب اور پیش نظر پاتا۔ اس اثناء میں بارہا تبادلہ خطوط کا موقع ملا جن میں جانبین سے گزشتہ عہد وپیمان کی مزید توثیق کی جاتی اور مستقبل قریب کے ان خوش آیند اور خوشگوار لمحات کا تذکرہ کیا جاتا جس کی بید اُمید تھی اور یقین واثق۔

اسی کرب و بے چینی اور اضطراب و بے لطفی کے عالم میں سلیم نے تین ماہ کی طویل مدت گزار دی۔ مارچ کی ۱۲ تاریخ کو اس نے دو تار حامد اور نوروز کے نام روانہ کئے اور ۱۵ مارچ کی صبح کچھ مختصر سا سامان لے کر وہ خود بھی کلکتہ روانہ ہوگیا۔

(باقی دارد)

ہر پنکھڑی ہے پھول کی نشتر لئے ہوئے

(انتخاب)

شمس النساء شہلا
کلکتہ

ہر اک قدم ہے فتنۂ محشر لئے ہوئے — ہے چال اُن کی حشر کے تیور لئے ہوئے

میدانِ کارزار ہے میدانِ عشق بھی — سر دے گئے جو آئے یہاں سر لئے ہوئے

پھر شوقِ قتل میں رگِ گردن پھڑک اٹھی — پھر آگئے وہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے

رنگینیٔ بہار کا کھانا نہ تم فریب — ہر پنکھڑی ہے پھول کی نشتر لئے ہوئے

کیونکر غریب تیری تمنا سے ہاتھ اُٹھائے — پہلو میں دل ہے عاشقِ مضطر لئے ہوئے

جو چیز پہونچی کانِ نمک میں نمک ہوئی — جانا نہ تم وہاں دلِ مضطر لئے ہوئے

شہلا بلائے عشق بھی آفت ہے قہر ہے — دل بھی جو ہے سو یادِ ستمگر لئے ہوئے

اندلس مرحوم کی کہانی ایک دردمند کی زبانی

(از مولانا محمد خلیل الرحمن صاحب مترجم نفح الطیب اخبار الاندلس و مولدین وغیرہ)

ذیل کا مضمون اردو زبان میں اپنی آپ نظیر ہے۔ جو لکھنؤ کی ایک علمی اکیڈمی کے جلسے میں جہاں بعض مشاہیر علم و ادب جمع تھے، سنایا گیا۔ مضمون کے متعلق "دریا در کوزہ" کی تشبیہ مبالغہ نہیں۔ صرف اظہار واقعیت ہے۔ مولانا نے مختلف زبانوں کی ضخیم جلدوں کا نچوڑ اس مختصر سے مضمون میں پیش کر دیا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص پڑھے اور مسلمانان اندلس کی حقیقی شان عظمت اور ترقی علوم و فنون کا اندازہ نہ لگا سکے۔ اگر پہلو میں مضطرب دل موجود ہے تو خون کے آنسو رونا کچھ تعجب خیز امر نہیں۔ (سفینہ)

جنابِ صدر عالی قدر و بزرگانِ من!

آپ جو میری قدر افزائی فرما رہے ہیں میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اپنے آپ میں قابلیت نہیں دیکھتا۔ اِسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ "شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو"۔ اس عزت افزائی کا اس لئے مجھ پر اور بھی شکریہ واجب ہے کہ نہ میرے خیالاتِ پریشان میں تسلسل، نہ لکھنؤ کی سی آب کوثر کی دھلی ہوئی زبان۔ اس لئے امیدوار ہوں کہ اگر ہو سکے تو میرے نقائص سے قطع نظر فرما کر "درنبشت است پند بر دیوار" پر عمل فرمائیے۔

مسلمانان اندلس کی کہانی ایسی نہیں کہ بغیر دل کو تھامے کہی یا سنی جائے۔ اب تک یہ کہانی ہندوستان میں کہی ہی نہیں گئی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ مسلمان اس کو سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ اُن کی غیرت حمیت کا فقدان ہو۔ یہ الفاظ شاید تلخ ہوں۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہم میں حس ہی باقی نہیں رہی۔ آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ سارا جل گیا۔ مگر اطمینان فرمائیں کہ آپ کے سامنے اس کہانی کا دلدوز حصّہ نہیں آئے گا۔ میرا یہ مقصد نہ ہوگا کہ آپ سب صاحبوں کے حسیات کا اِمتحان کروں۔ کیونکہ اس کے متعلق میں مختلف موقعوں پر آزمائش کر چکا ہوں۔ لیکن یہ امر اب تک واقعہ ہے اور شاید مدتوں رہے گا۔ کہ قصۂ دل نہ گفتنی است در دِ جگر نہفتنی است۔ غلوتیاں کجا م

لذت ہائے ہائے را۔ میرے دل سے پوچھیئے کہ "لذت ہائے ہائے" سے نہ بھوک مرتی ہے نہ پیاس بجھتی ہے۔ بلکہ دونوں اور بھی بھڑک بھڑک کر "انتقام انتقام" پکارتی ہیں۔ اگر آپ کی زبانِ مبارک سے "واہ" نکلا تو گویں ممنون ہوں۔ مگر یہ خیال رکھیئے کہ اس سے سوزشِ درون نہیں جائے گی اور اگر "آہ" نکلی تو مجھے افسوس ہوگا کہ میں نے آپ کو رنج بھی دیا اور یقیناً میرا مطلب بھی حاصل نہ ہوا۔

مجھے کوتاہیٔ وقت کی شکایت ہے اس لئے میں بہت سی چیزوں کو چھو بھی نہیں سکوں گا۔ میں معذور ہوں کہ آٹھ برس کے قصے کے لئے مجھے آٹھ گھنٹے بھی میسر نہیں۔

حضرات! مرحوم نعمت خانِ عالی اپنے جنگ نامہ کے شروع میں ایک منظر سے دو متضاد نتائج پیدا ہونے کو خوب رو ئے ہیں۔ مگر وہ فہرست کسی طرح مکمل و مختتم نہیں کہی جا سکتی اسی میں ایک ہیرو ورشپ کو شامل کرنا چاہیئے کہ یہ بھی دو نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہ چیز بری نہیں اور شاید نیچرل بھی ہو کہ ہر شخص اپنے اسلاف پر فخر کرتا ہے اور ان کے کارناموں کو یاد کرتا ہے لیکن کاشانہائے اقبال و شبستانِ جلال میں ہیرو ورشپ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ باقبال و جلال اخلاف کو ان کارناموں کے سننے کے بعد اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کی ہمت میں از بیش بڑھ جاتی ہے اور وہ اتنا کچھ کر دکھاتے ہیں کہ خود ان ہی کے ہیرو گرد ہو جاتے ہیں۔ نپلین ہیرو تھا۔ مگر کیا لارڈ ولنگٹن کے سامنے اس کی کوئی حقیقت رہ گئی ہے؟ سلطان محمود ہیرو تھے۔ کیا تیمور کے کارنامے ان سے کم رہے؟ مگر اس کا دوسرا پہلو دیکھیئے۔ نکبت کے پالے ہوئے اور ادبار کے مارے ہوئے لوگوں کے جھونپڑوں میں مٹی کے دیا کے سامنے ان کے ہیرو لوگوں کے قصے بیان ہوتے ہیں۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہوگا۔ یا ہوتا ہے؟ یہی نا کہ اگر کہیں دبی دبائی چنگاری غیرت۔ و حمیت کی کہیں کسی دل میں ہے تو وہ ذرا کی ذرا کے لئے چمک اٹھتی ہے یا وہ شخص اپنی قسمت کو روتا ہے۔ اپنی پستی کا ماتم کرتا ہے۔ اپنے اسلاف تک نہ پہنچنے کا رنج کرتا ہے اور ایک آہِ سرد کھینچ کر وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ جہاں اس کا دل پہلے ہی بیٹھتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں اور ان ہی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہ ان کو ناز ہوتا ہے کہ "پدرم سلطان بود" ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ نہ اچھا نکلا ہے نہ نکلیگا۔ کیا یہ ستم نہیں ہے کہ کسی کو یہ کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ "ترا چہ"؟

قبل اس کے کہ میں یہ کہہ کر کہ "ایک تھا بادشاہ، ہمارا خدا بادشاہ" آگے بڑھوں ایک امر کی طرف توجہاتِ عالیات کو

مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بعض وقت انسان کا دل و دماغ ایک افسوسناک غلطی کرتا ہے اور یہ غلطی ایسی غیر محسوس ہوتی ہے کہ دیر کے بعد اس پر تنبیہ ہوتا ہے۔ منجملہ اور مثالوں کے ایک یہ ہے کہ اگر سکندر لودھی اور اکبر کے زمانے کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اس کو زمانۂ حال سے مقابلہ کرکے اس کو حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "واہ! وہ بادشاہ کیسے تھے جن سے ایک بھنگی کا انتظام نہ ہوسکا"۔ مسلمانان اندلس کا جن کو اصل بحث ہوئے کم از کم ساڑھے چار سو برس ہوئے اگر ہم ذکر کریں تو ہمارے دل میں آتا ہے کہ واہ ان ہی کی تعریف کی جاتی ہے کہ جنہوں نے نہ ریل چلائی نہ تار دوڑائے"۔ اس کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے اپنے کندھوں پر نئے نئے معلومات کا انبار لے کر آتا ہے اور ابنائے زمانہ کے آگے ڈھیر لگاتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تو یہ صورت ہے کہ اگر ان مرحومین کو زندہ رہنے دیا جاتا تو نہ معلوم وہ کیا کر گذرتے۔ آج سے پانچ صدی قبل کا مقابلہ آج سے نہ کیجئے۔ بلکہ اسی صدی کے ہمسایہ قوموں سے کیجئے تو آپ صحیح اندازہ کرسکیں گے اور صحیح نتائج تک پہنچ سکیں گے۔ مثلاً جب میں یہ عرض کروں کہ امیر سمح بن مالک الخولانی نے ۱۰۰ھ میں محروسہ اسلامی اندلس کی مردم شماری کرائی تھی اور اس سے بہت سے جداول بنوائے تھے تو یہ نہ فرمائیے کہ ہمارے غلام ملک میں بھی ہر دسویں سال مردم شماری ہوتی ہے اور مختلف جداول بنائے جاتے ہیں۔ اس پر نظر کیجئے کہ ہندوستان تو ایک طرف رہا اس وقت یورپ میں بھی کسی کو یہ دماغ ملا تھا کہ وہ مردم شماری کے فوائد سے واقف ہوتا اور اس سے فائدہ اُٹھاتا۔ یا مثلاً جب میں یہ عرض کروں کہ ان ہی امیر رحمۃ اللہ نے قرطبہ کے پل کو بنوایا۔ جو اب تک بارہ صدیاں گزر جانے پر بھی قائم ہے تو اپنے خیال کو جونپور کے پل کی طرف نہ جانے دیجئے جو تین ساڑھے تین سو برس سے تمام آفات کا مقابلہ کرنے پر بھی قائم ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ یورپ میں کوئی ایسا دماغ اس وقت پیدا ہوا تھا جو ایسا مضبوط پل بنا کھڑا کرتا۔ یہ صرف دو مثالیں میں نے عرض کی ہیں۔ آج آپ کو ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ براہ کرم آپ کی نگاہ اسی عصر سے آگے نہ بڑھنے پائے ورنہ آپ غلطی کریں گے۔

میں پھر گوش گزار عالی کرتا ہوں کہ ضیقِ وقت کی وجہ سے میں صرف اشارے کروں گا اور سیکڑوں اُن چیزوں کو چھوڑ دوں گا کہ جن کے چھوڑنے سے میرا جی دکھتا ہے اور یقیناً علم تاریخ میری عقل پر ماتم کرے گی۔

حضرات! ایک ہندی مثل مشہور ہے کہ "جیسا راجہ تیسا پرجا"۔ پرجا کی ذہنیت آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے راجہ کو دیکھئے پرجا کی حقیقت خود کھل جائے گی۔ پرجا ہر قسم کا سبق اپنے راجہ ہی سے حاصل کرتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ ۔ کیا آپ کے نزدیک حضرت طارقؒ کا تقویٰ و طہارت و توکل الی اللہ اُن کیلئے سبق آموز نہ ہوگا؟ غور فرمائیے کہ جب انہوں نے ساحلِ اندلس پر اُترتے ہی جہازوں کو جلوا دیا ہے تو اس کا کیا اثر سپاہیوں پر پڑا؟ ادنیٰ تو یہ ہے کہ آپ کے لئے اندلس کی وہ چمن بندی کی کہ آپ اس میں آٹھ سو برس گل گشت کرتے رہے ۔ یہ چمن اُجڑا ہے تو راجہ ہی کی ناقابلیت اور نااہلیت سے اگر طارقؒ نفسی جیسے سبق آموز لکھتے رہے کہ اپنے کاموں میں صرف ایک اللہ ہی ذات پر بھروسہ کرو تو اس مرثیہ خوانی کی ضرورت نہ پڑتی ۔ اُن کے اور ہمارے آقا حضرت موسیٰ ابن نصیرؒ کی سیاسی چالیں اس غضب کی تھیں کہ وہ کبھی ناکام نہیں رہیں ۔ آپ شاید اس کو تقدیر سے منسوب کریں گے ۔ مگر اُن جیسے لوگ اس وقت تک یہ کہہ رہے ہیں کہ "تقدیر کو ہم بناتے ہیں" یقین کیجئے کہ اگر اُن کے بنائے نقشے پر کہیں عمل ہو جاتا تو یورپ آج بجائے ناقوس کے اذانوں سے گونجتا ہوتا ۔ یہ نہ سمجھئے کہ یہ لوگ دولتِ علم سے بے بہرہ تھے۔ حضرت طارقؒ کی پہلی تقریر اب بھی محفوظ ہے ۔ آپ خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ زمانۂ حال کا بڑے سے بڑا فوجی افسر اس سے بہتر جامع و مانع تقریر نہیں کرسکتا ۔ کیا یہ کسی ان گھڑ اَن پڑھ کا کام ہے؟ کیا کوئی جاہل مردم شماری کے فوائد کو سمجھ سکتا ہے؟ کیا مختلف جداول بنوا کر اُن سے کوئی کام لے سکتا ہے؟ میرے پاس وقت اتنا کم ہے کہ میں ایک ایک علم و فضل کو نہیں دکھا سکتا ۔ صرف اتنا ہی اشارہ زمانۂ امارت کے متعلق کافی ہے ۔ میں صرف اُس درخشندہ زمانہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں جس نے بنو اُمیہ کا نام زمانے میں روشن کر دیا ۔ اس سے پہلے زمانے کو جو اتنا پر آشوب تھا تعجب ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے اقتدار کے بازیافت میں کیوں کامیاب کوشش نہیں کی۔ بالکل تعلق نہ رکھوں گا ۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل خاندانِ بنو اُمیہ کے پہلے بادشاہ اندلس بہت بڑے عالم ۔ بڑے ادیب ۔ اور بہت بڑے منجم تھے ۔ مقدر تھا کہ اُن کے سر پر بجائے عمامہ کے خود ہو ۔ اُن کے بعض اشعار اب بھی محفوظ ہیں اور صاحبِ نظروں کو اب بھی محظوظ کرتے ہیں ۔ اُن ہی کی وجہ سے بلادِ اسلامی کے اکثر و بیشتر علماء و صناع قرطبہ میں ایسے آئے کہ مر کر ہی اُٹھے اور اپنے پیچھے اولادِ حقیقی و معنوی چھوڑ گئے ۔ صناعوں کا نام آیا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ جب انھوں نے قرطبہ کی جامع مسجد کی بنیاد رکھی ہے (جو اس وقت تک اُن پر رو رہی ہے) تو اُنھوں نے یہ کہا تھا کہ "عنقریب میری یہ مسجد ایک خلیفہ کو مانگے گی" کیا اُن کی یہ دوربینی و دوراندیشی ان ہی کی اولاد نے بلکہ اُن ہی کے

ہمنام نے پوری نہیں کی؟ غرض یوں یہ عالم بادشاہ نہ صرف اپنے خاندان ہی کی بنیاد رکھتا ہے۔ علم وعمل کی وہ داغ بیل ڈال جاتا ہے۔ جس پر یورپ میں بڑی بڑی سرلفیک عمارتیں بنی اور بن رہی ہیں۔

اُن کے جانشین امیر ہشام نے اپنی ہی مثال سے اشاعتِ علوم وفنون کو بہت مدد دی۔ اُن کے علم وعظمت کی سب سے بڑی یادگار وہ قوانین ہیں جو خود اُن کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ جن کے رو سے وہ تمدنی وسیاسی سوانح ٹوٹ گئے جو دو قوموں کے درمیان سنگلاخ حدِفاصل بنے ہوئے تھے۔ عبدالرحمن ثانی جوہرا ورعلم نے اُن کی زندگی اور فضیلتوں کو مشہورِ عالم کر رکھا تھا۔ علوم فقہ وفلسفہ وطبیعیہ کی قابلیت اور قدردانی علم وہنر میں اُن کا وہی درجہ تھا جو خلیفۂ مامون الرشید کا مشرق میں ہے۔ غرض اس خاندان میں وہ کون تھا جو علم سے بے بہرہ ہو یا حامئ علوم نہ ہو۔ ان میں سے کوئی عالم دین تھا۔ اور کوئی فلسفی ومنطقی کوئی ہیئت دان کوئی مورخ۔ کوئی منجم۔ کوئی شاعر۔ مگر ان سب میں سب سے بڑے جامع علوم وفنون خلیفۃ الحکم ثانی تھے یقین کیجئے کہ جس طرح دن کے نام سے روشنی اور رات کے نام سے تاریکی کا خیال آتا ہے۔ بعینہٖ اُسی طرح خلیفۃ الحکم ثانی کا نام آتے ہی علم کا ایک بحرِ ذخار چشمِ تصور کے سامنے موجیں مارنے لگتا ہے۔ اُن کی فضیلت واکتسابِ علمی اپنے زمانے کا ایک عجوبہ اور خدا کی قدرت کا ایک نمونہ تھا۔ آج کل کا زمانہ نہ تھا کہ ہندوستان کا ایک ایک مطبع ایک دن میں لاکھوں کتابیں چھاپ کر پھینک دیتا ہے۔ باوجود اس کے اُن کے کتب خانے میں کئی لاکھ کتابیں موجود تھیں یونان۔ روم۔ بزنطین۔ مصر۔ ہندوستان (یہی آپ کا ذلیل غلام ملک ہندوستان) میں اُن کے ایجنٹ رہتے اور یہاں کی بہترین تصانیف خلیفۃ الحکم کے واسطے قرطبہ بھیجتے رہتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ مشرق میں کوئی اچھی کتاب لکھی جاتی تھی۔ مگر شائع نہ ہونے پاتی تھی کہ قرطبہ میں پہنچ جاتی تھی۔ کتابوں کا جمع کر لینا آسان ہے۔ گو اُس زمانے میں نہ ہو۔ چنانچہ لاہور کے ایک بالکل جاہل لکڑہارے کے یہاں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ اور وہ اُن سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ یہاں یہ کیفیت تھی کہ مصروفیت امورِ سلطنت کے باوجود الحکم نے اپنے کتب خانے کی ایک لاکھ کتابوں پر اپنے قلم سے حاشئے لکھے تھے۔ یہ حواشی ایسے تھے جو مستقل تصنیف کہلائی جانے کی مستحق تھے۔ ان کے علاوہ وہ کونسا فن تھا کہ جس میں اُن کی مستقل تصانیف نہ ہوں۔ ایک اندلس کی تنقیدی تاریخ بھی ایسی تھی کہ صحت واقعات وتنوع مضامین کی وجہ سے بڑے بڑے مورخین اور بڑے بڑے علماء سے اپنا لوہا منوا چکی تھی۔

خلیفۃ الحکم کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ مبالغہ پر محمول کیا جائے ۔ مگر شاید یہ امر واقعہ عرض کر دینے سے تسکین ہو جائے کہ موصوف نے کثرت مطالعہ کے باعث اپنی آنکھیں کھو دی تھیں ۔ یہ نہ سمجھئے کہ وہ عربی ہی کے فاضل تھے ۔ جس شخص کی مادری زبان عربی ہو اس کی فضیلت عربی شاید کمتر درجہ کی سمجھی جائے ۔ مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ وہ اکثر زبانیں جانتے تھے ۔ اُن میں لکھ اور بول سکتے تھے ۔ بلکہ اُن کے خاصے اچھے نقاد تھے ۔

زمانہ طوائف الملوکی میں بڑے بڑے عالم بادشاہ گزرے ہیں ۔ میں اُن کو کہاں تک گناؤں مختصر یہ ہے کہ المقتدر بادشاہ سرقسطہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت بڑا درجہ امتیاز رکھتے تھے ۔ فلسفہ ہندسہ اور ہیئت کے علماء اُن کی قابلیت کے بیحد معترف تھے ۔ المظفر بادشاہ بطلیوس ایک انسائیکلو پیڈیا کے مصنف تھے ۔ یہی حال المریہ اور اشبیلیہ کے بادشاہوں کا تھا ۔ خاندان بنو عباد کے دور شروع کے بادشاہوں کی شہرت سیاسی چالوں کی وجہ سے ہے مگر جو شہرت تیسرے اور آخری بادشاہ المعتمد کو اپنے شعر و سخن کی وجہ سے ہوئی وہ شاید بہت کم لوگوں کو ملی ہوگی ۔ خاندانِ موحدین باوجود اپنے تعقشف کے ابن طفیل ابن زہر او رقاضی ابن رشد جیسے علماء و فلاسفہ کے مربی تھے ۔ غرناطہ کے خاندان احمریہ کے علوم و فنون کی قابلیت اور وہاں کے امراء کا علم و فضل تیرہویں اور چودہویں صدی کی تاریخ کا ایک دلکش باب ہے ۔ (باقی دارد)

جستجوئے محبت

محترمہ "ح" بیگم صاحبہ

اُلجھا ہوا ازل سے معمائے دہر ہے　　یہ زندگی مری ہے کہ اِک جام زہر ہے
کوئی ہے ناڈناگ سی ایک ایک لہر ہے　　اُو ناخدا! چھپا ہے کہاں آہ قہر ہے
اک شور و شر بپا ہے میں اک ہاؤ ہو میں ہوں

اس میری بے بسی پہ کبھی دن نظر تو کر　　اس میری آہ آہ میں پیدا اثر تو کر
اس گلستانِ دل کو کبھی بار ور تو کر　　اُجڑے چمن میں آ کبھی اپنا گزر تو کر
اک عمر ہو گئی ہے تری آرزو میں ہوں

کمزور ہے نگاہ مری نارسا بھی ہے　　میں تجھ سے ناشناس تو مجھ سے چھپا بھی ہے
یہ بخت واژگوں مرا مجھ سے خفا بھی ہے　　نومیدیوں کی یاس کی کالی گھٹا بھی ہے
ظلمتیں ہیں اور تری جستجو میں ہوں

یا رب ہو جلد فتنۂ محشر بپا کہیں　　انجام زیست ہو بھی چکے اب مرا کہیں
پاؤں ترا ایس شمع حقیقت پتا کہیں　　پنہاں کہاں ہے تو مجھے جلوہ دکھا کہیں
اے جانِ آرزو میں تری جستجو میں ہوں

(ہمایون)

عورت

از جناب راز قاسمی صاحب

اگست کا مہینہ۔ بارش کی رات اور سمندر کا کنارہ تھا۔ گو طوفان قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ مگر اثر ہنوز باقی تھا سمندر کی حالت اس وقت بالکل ایک ایسے بچے کی سی تھی جو روتے روتے تھک کر سو گیا ہے اور دوران نیند میں کبھی کبھی ہچکی بھی آجاتی ہے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جو لوگ طوفان سے گھبرا کر اٹھ بیٹھے تھے وہ اطمینان کی نیند سو رہے۔ مگر سلمیٰ کو اب بھی تسکین نہ ہوئی۔ وہ حسین تھی۔ مگر افسردہ خاطر مرجھایا ہوا گلاب ماہی بے آب اس کی بڑی بڑی آنکھیں خوشہائے اشک کیلئے لدی ہوئی تھیں ——————!

جوں جوں رات گزرتی گئی پامال حسرت گشتہ دل کی حالت زار ہوتی جا رہی تھی۔ قریب ہی جھولے میں اس کا بچہ سو رہا تھا۔

کبھی کبھی اُسے ہلکا سا جھوکا دیتی اور پھر اسی طرح مصروف گریہ سراپا گوش مجسم انتظار ——————
—— ذرا سی آہٹ پائی چراغ اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھی اور ..... آہ .... کر کے چپ ہو رہی۔

اُسے اپنے شرابی شوہر کا انتظار تھا دل میں مختلف شگون پیدا ہو رہے تھے۔ کبھی اس کے مدہوشی میں گر پڑنے کا خوف چوٹ و زخم کا خیال سپاہیوں کے گرفتار کرنے کا ڈر بدمعاشوں اور چوروں کے ستانے کا اندیشہ تھا

انہیں خیالات میں غرق بہوت اور ساکت بیٹھی بیٹھی ساری رات گزار دی۔ صبح ہوئی آفتاب عالم کے ساتھ اس کی دنیا بھی منور ہو گئی۔ حامد جھومتے جھومتے لڑکھڑاتے قدم ڈالتے ہوئے آیا صحبت بادہ گساری کا خمار آنکھوں میں اور شب بیداری کی افسردگی چہرہ پر تھی۔ حامد کو دیکھتے ہی سلمیٰ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اُسے اس کا خیال تک نہیں رہا

حامد نے رات کہاں گزاری شب بھر کی بیداری خلوت میں کیا کچھ کیا گیا۔ وہ صبح کی چشم خمار آلود اور زلفِ پریشاں کی ادائیں دیکھ دیکھ کر ہی خوش ہو گئی اور یہی اس کے حصہ میں آیا تھا۔ اس پر وہ شاکی بھی نہ تھی۔

گو حامد بُرا بھی بدنام بھی خرابات کا فرد بھی مگر سلمیٰ کے لئے بہار فطرت کا معطر پھول۔ آسمان محبت کا درخشندہ ستارہ اربابِ مسرت کا نغمۂ شیریں تھا۔

حامد کے دل میں سلمیٰ کی محبت قریب قریب مفقود ہو چکی تھی۔ مگر سلمیٰ کا دل بدستور اس کی طرف مائل تھا۔ اسنے گھر بار چھوڑا۔ دولت وعزت کو ٹھکرایا مگر حامد کی دل شکنی نہ کی۔ لیکن افسوس آج اُسی کے ہاتھوں تباہ ہو رہی تھی۔

سچ ہے کہ مرد کا ایک جھوٹا پیار عورت کی ہستی کو تباہ و برباد کر دینے کے لئے کافی ہے۔

مرد کے لئے محبت ایک کھلونا ہے۔ جب چاہا اُس سے کھیلا اور جب چاہا توڑ ڈالا۔ لیکن عورت کے دل میں جب اس کی آگ لگ جاتی ہے تو اس کی خرمنِ ہستی کو جلا کر خاک کئے بغیر نہیں رہتی۔

جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اسی طرح شام کے ہوتے ہی ایک میخوار کا دل بھی جستجوئے میخانہ سے ہٹ نہیں سکتا۔ یہی حال حامد کا تھا۔ لیکن اس وقت یہاں ایک ایسا بھی دل تھا جس کی محبت کی ہوئی حامد کے بے مہر دل کی طرف بھری ہوئی۔

دلم از خانماناں برکندہ حقیقت کی ولگداز صدا دے رہی تھی۔

لیکن حامد نے ایک نگاہ غلط انداز سے بھی ادر اس کا پیمانۂ محبت پارہ پارہ ہو گیا ....

(۲)

غریب سلمیٰ پر دو راتیں فاقہ کی گزر چکی تھیں۔ روتے روتے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ مگر زبان سے گلہ و شکایت تو کجا ابرو پر بل بھی نہ آنے دیا۔ حامد کے خوف سے نہیں ڈر سے نہیں بلکہ اس کی دل شکنی کا خیال تھا۔

"یہ ہے عورت کا صبر اور اس کا استقلال"

بچہ بلک رہا ہے۔ صبح کا دودھ کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ بیچاری ماں خود جھلس جھلس کا تباہ تھی تو دودھ کہاں سے پلاتی۔ جب بچے کی بے چینی ماں سے دیکھی نہ گئی تو اپنے نظریں اس پر سے ہٹائی اور اُن پُر آب آنکھوں سے جن میں حسرت و مایوسی کے آنسو بھرے ہوئے تھے اپنے عشوہ طراز و عہد شکن شوہر کی طرف دیکھا جو اُس وقت

صحبت بادہ پرستی کی تیاری میں مصروف اور نظر نواز بزم ہونے کے لئے بے چین تھا۔ لیکن حامد نے اس کی نگاہ اُمید طلب اور اشکِ دادخواہ کی حقارت کی۔ اس نے لاپروائی سے اُسے ٹھکرا دیا۔

..... آہ عورت کی نظریں جب کہ اس میں مایوسی ہو اور حسرت بھی وہ مجسم تن .... ملکہ کائنات جس کی نگاہ ترحم اُمیدوں اور مایوسوں کی بخشش گاہ ہو۔ کون دیکھ سکتا ہے کہ خود کسی اور سے رحم کی طالب ہو۔

وہ سوچنے لگی گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے اس کی نظر سے گزرنے لگے۔ وہ یاد کر رہی تھی کہ آج سے دو سال قبل ایک ایسی ہی رات کا وقت تھا جب کہ یہی بے مہر حامد جس کا دل اب عشق کی لذتوں سے بیگانہ ہے جس کی آنکھیں اشکِ محبت سے ناآشنا ہیں۔ روتے روتے اپنے اشک ہائے محبت سے میرا ہاتھ تر کر دیا تھا۔ مجھ سے محبت مانگی اپنی جھوٹی محبت کو سچ بتایا قسمیں کھا کھا کر رو رو کر یقین دلایا۔ اور آج میں اس کی محبت کی پیاسی ہوں اور وہ بیگانے ہیں میں مشتاق اور وہ بیزار۔ آہ۔ زیادہ جی بھر آیا۔ خوب روئی۔ جب رو چکی تو آنچل سے آنسو پونچھے۔ بچے کو اٹھا کر خوب پیار کیا۔ اور کہنے لگی۔ حامد! .... بیوفا حامد! جا اب مجھے تیری پروا نہیں تیری محبت کو خدا نے آب و گل سے مربوط کر کے ایک حسین بت کی صورت میں ڈھال دیا اب اسی سے محبت کروں گی .... آہ! اے عورت بھلا تیرے سوا بھی کوئی اور شئے اس جذبۂ محبت کو پرورش کر سکتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! سچ ہے۔ عورت اور محبت ایک ہی چیز کے نام ہیں۔

(۴)

اسی طرح گنتے گنتے دن ہفتے مہینے بھی ختم ہو گئے۔ مگر غریب شوریدہ احوال سلمیٰ کا سرنوشت تقدیر بدستور قائم تھا۔ یہ سچ ہے کہ زندگی نام ہے مر مر کر جیئے جانے کا۔ مگر اس سے بھی کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ دل جلی آہ بڑی زود اثر ہوتی ہے۔ گرمی کی ایک رات تھی۔ اتفاق سے حامد بھی سرِ شام سے ہی آ کر سو گیا تھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ سلمیٰ جس کو صرف دو کام آتے تھے۔ یعنی "رونے سے کبھی فرصت ملے خاموش ہو جانا"۔ اس وقت حامد کی خواب گاہ سے دور ایک کمرے میں تنہا بیٹھی رو رہی تھی۔ اس وقت کا رونا ہر روز کے رونے سے بالکل مختلف تھا۔ خدا جانے کیا خیال آیا کسی صبر شکن دلسوز تصور نے اُسے مجبور کیا اور وہ پکار پکار کر رونے لگی۔ حضرت نیاز نے کیا خوب کہا ہے کہ "عالم کا سب سے زیادہ حسین منظر جو نفسِ انسانی کو متاثر کرنے میں نظیر نہیں رکھتا وہ منظر ہے جب کوئی حسین عورت مصروفِ گریہ نظر آئے" —— حامد بھی انسان تھا۔ اس کے پہلو میں بھی دل تھا اور دل میں درد۔ سلمیٰ کو روتا دیکھ کر بیقرار ہو گیا۔ اگلی محبت عود کر آئی۔ بااشک دیدہ آلود سلمیٰ کے جسم غم فرسودہ کے پاس آیا اور مصروف پنبہ کاری داغِ جگر ہوا۔

آہ! عورت تیری دُکھ بھری آواز صور ہے۔ تیری غم آلود پکار اس کو راہ راست پر لانے کے لئے کافی۔

کام کی باتیں

دلچسپ معلومات

ایک عجیب الخلقت بچہ

افغانستان کے ایک قریہ ملقان میں ایک شخص سلطان نامی کے گھر میں ایک عجیب وغریب بچہ پیدا ہوا ہے جس کے دو سر۔ چار پاؤں۔ اور چار ہاتھ ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر ایک سر ماں کا دودھ پیتا ہے تو دوسرا سوتا رہتا ہے۔ گویا کائنات عالم کے اثرات سے دونوں بیک وقت متاثر نہیں ہوتے۔ اگرچہ ایک جسم ہے لیکن روحی اور باطنی ارتباط ایک نہیں۔

آسمان سے پتھر گرا

زمانیہ ضلع غازی پور میں بتاریخ ۸ر جولائی ایک بجے دن کو توپ یا گولے کی مانند ایک آواز سنائی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ پتری سٹیشن کے قریب جون پور اور غازی پور کی سرحد پر گومتی ندی میں آسمان سے ایک بہت بڑا پتھر گرا۔ اور ایک پتھر خشکی میں گرا۔ جو زمین میں دھنس گیا تھا نکالا گیا۔ ایک سیاہ پتھر کچھ دور فاصلہ پر گرا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ برس پہلے اسی طرح اعظم گڈھ میں بھی آسمان سے ایک پتھر گرا تھا۔

دو سو میل کے فاصلہ سے فوٹو اب تک ۵۰ میل کے فاصلہ سے فوٹو لیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب کوشش کی جا رہی ہے کہ (۲۰۰) میل کے فاصلہ سے فوٹو لئے جائیں۔ یہ تجربہ ہونٹ لینسر پر کیا جائے گا۔

ٹرکی میں ایک خزانے کی دریافت

ٹرکی بہت جلد جلد منازلِ ترقی طے کر رہا ہے۔ جنگِ عظیم میں گو اسے کافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اس کی ہستی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ ہر ایک شعبۂ زندگی میں سرگرمی کا اظہار ہو رہا ہے۔ مصطفےٰ کمال پاشا کی مدد سے انگورا کے نزدیک ایک خزانے کا سُراغ ملا ہے۔ جس کی کھدائی ہو رہی ہے۔ اب تک ہزار ہا روپے کے طلائی سکے اور جواہرات برآمد ہو چکے ہیں۔ اور بہت کچھ برآمد ہونے کی توقع ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت اس روپے سے بیرونی قرضہ جات ادا کرے گی۔

فرمانبردار ٹرین

حال ہی میں ایک نئی ٹرین ایجاد ہوئی ہے۔ جو ایک نہایت فرمانبردار خادم کی طرح زبانی احکام کی تعمیل کرتی ہے جب اسے کہا جاتا ہے۔ "رُک جاؤ" تو یہ ٹھہر جاتی ہے اور جب "پیچھے ہو" کہا جاتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ یہ اثر مائکروفون میں آواز کی لرزش سے ہوتا ہے۔

کبھی بند نہ ہونیوالا کلاک

ایک ایسا کلاک ایجاد ہوا ہے جسے کبھی چابی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کے بگڑ جانے کا بھی بہت کم امکان ہے۔ اگر کسی اتفاق سے یہ بند بھی ہو جائے تو پھر چلنے لگتا ہے۔

مرسلہ
عزیزہ کنیز فاطمہ بیگم بنت
ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب

حفظانِ صحت

دانتوں کی صفائی

طبی مقولہ ہے کہ تمام بیماریاں معدے سے شروع ہوتی ہیں۔ جہاں معدے میں فتور آیا۔ انسان کو بیماری نے آگھیرا۔ اکثر لوگ اسی طبی نکتہ سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت نقصان اٹھاتے ہیں وہ دانتوں کا کام آنتوں یا معدے

لینے کے عادی ہوتے ہیں۔ یعنے وہ غذا کو اچھی طرح چبا کر نہیں کھاتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معدے کو اپنی بساط سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ بگڑ جاتا ہے۔ غذا کو نہایت اچھی طرح چبا کر کھانا چاہیئے۔ جو لوگ اس کے عادی نہیں۔ انہیں شروع شروع میں یہ بات نہایت ناگوار معلوم ہوگی۔ لیکن تھوڑے دنوں ہی میں انہیں اس کی عادت ہو جائے گی۔

دانتوں کا معدے سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ اس لئے معدے کی درستی کے لئے دانتوں ہی کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ڈاکٹروں کا قول ہے کہ دانت صاف نہ کرنے سے بعض ایسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کا ہمیں خواب و خیال نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر روز صبح و شام دانتوں کو بلا ناغہ صاف کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو ہر کھانے کے بعد فوراً دانت صاف کر دینے چاہئیں۔

بعض لوگ صرف کلی کر کے ایک دو دفعہ دانتوں پر پھیر لینا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن دانت صرف مسواک یا برش ہی سے اچھی طرح صاف ہو سکتے ہیں۔ پوڈر بھی دانتوں کو اچھی طرح صاف نہیں کر سکتا۔ دانت اندر باہر اور اوپر سے اچھی طرح صاف کرنے چاہئیں۔ لیکن صاف کرنے کا بھی ایک خاص طریقہ ملحوظ رکھنا چاہیئے یا برش کو ہمیشہ دانتوں کی جڑوں کی مخالف سمت میں جنبش دینی چاہیئے۔ اوپر کے جبڑے پر اوپر سے نیچے کی طرف اور نیچے کے جبڑے پر نیچے سے اوپر کی طرف حرکت دینی چاہیئے۔ اس طریقے سے سوڑوں کو کسی قسم کا گزند پہنچنے کا احتمال نہیں رہتا۔ اور دانت بھی اچھی طرح صاف ہو جاتے ہیں۔

ہر آدمی کو اپنے برش کے سوا دوسرے کسی کا برش یا مسواک استعمال نہیں کرنی چاہیئے کون جانتا ہے کہ کسی کو کیا بیماری ہے۔ اگر کسی کے دانتوں کو پائیوریا جیسی متعدی بیماری ہے تو اس کا برش استعمال کرنے سے فوراً دوسرے آدمی کو بھی جراثیم لگ جائیں گے۔ اور اسے بھی پائیوریا جیسی نامراد بیماری کا سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ جس کا چھٹکارا سوائے دانت نکلوا دینے کے اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اور کئی قسم کی مہلک بیماریاں اس طریقہ سے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کو لگ سکتی ہیں۔ بالفرض اگر کسی بیماری کا خطرہ نہ بھی ہو تو کیا یہ بات ہی کافی قبیح نہیں کہ کسی آدمی کے منہ کا میل دوسرے آدمی کے منہ میں جائے؟ بعض آدمی دوسرے کا برش استعمال کرتے وقت اُسے صابون وغیرہ سے دھو لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ لیکن نہ تو جراثیم ہی صابن سے ہلاک ہو سکتے نہ ہی صابن برش کی جڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے برش کو صابون سے دھو لینا ہرگز کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔

(تازیانہ)

کروشیا میں تورہ پوش

از محترمہ
عزیز کنیز سکینہ بیگم
بنت ڈاکٹر مرزا رضا خان صاحب
(اڈنبرا)

کیانوس میں مناسب رنگوں سے اگر بنایا جائے تو خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

آزمودہ نسخے

از محترمہ صغرا صاحبہ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹرایٹ لا)

اس طرح کے اکثر نسخے ہر ایک گھر میں استعمال ہوا کرتے ہیں۔ لیکن ہماری سستی ایسی ہے کہ ہم ان کو لکھ کر دوسروں کو فائدہ پہنچانا نہیں چاہتے۔ گو نسخے بالکل معمولی ہیں لیکن فائدہ مند ضرور ہیں ضرور ہے کہ ہر مہینہ کوئی نہ کوئی اپنے اپنے تجربے کے نسخہ لکھا کریں۔ (صغرا)

۱۔ اگر کسی جگہ چوٹ آئی ہو اور خون نکل رہا ہو تو گیاس کا تیل اس پر ڈال دینے سے فوراً بند ہو جائے گا۔

۲۔ دانت میں شدت کا درد ہو اور کسی دوا سے کم نہ ہو تو روئی میں تھوڑا گیاس کا تیل لگا کر دانت کو لگانے سے درد بہت جلد کم ہو جائے گا۔ تیل حلق کے اندر نہ جانے دیں۔

۳۔ قبض ہو تو ایک سیب بھوبل میں رکھ کر رات کو کھا کر سو جائیں تو صبح کو اجابت صاف ہوگی۔

۴۔ کان میں درد ہو تو تیجہ کے پتے کو تلی کے تیل میں جوش دیں اتنا جوش دیا جائے کہ پتے سیاہ ہو جائیں۔ اس تیل کو چھان کر کان میں ڈالیں۔

۵۔ گردے یا مثانے میں ریت ہو تو آلو پاؤ بھر لے کر اس کے چھلکے نکال کر ان چھلکوں کو پانی میں جوش دے کر اس پانی کو صبح شام پیا کریں۔ چھلکے پھینک دیں اور آلو بھی کسی دوسرے کام میں لائیں۔

ذریعہ وی پی

محرم نمبر سفینہ کا ان معاونین کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ جنہوں نے ابتداء ہی سے اس کی اعانت کو قبول فرمایا تھا ادارہ کو توقع ہے کہ سال حال بھی سفینہ ایسے کرم فرما حضرات و خواتین کی معاونت سے مستفید ہوگا۔ براہ کرم اس کو نوٹ فرما لیجئے کہ وی۔ پی محرم کے عشرہ اول میں روانہ کئے جائیں گے۔

منیجر

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس۔

S.H. ISMAILJEE.
Ismail Building AFZUL GUNJ, HYD. Dn.
یس۔ ایچ۔ اسمٰعیل جی اسمٰعیل بلڈنگ افضل گنج حیدرآباد دکن
PHONE
76
S.H.I
M. SIDDIQ ARTIST

شیخ عبادت علی صاحب "رکابدار شاہی"

ماہر فن شیرنی سازان

سرٹیفکیٹ و تمغہ جات یافتہ ملکہ وکٹوریہ و شاہان اودھ

دار السلطنت دکن میں یہ کارخانہ اپنی قسم کا بالکل واحد ہے یہاں کی بنائی ہوئی مٹھائیاں آپکو کسی اور جگہ نہ ملینگی کارخانہ کے لئے یہ امر باعث صد فخر و ناز ہے کہ ہمیشہ سے والیان ریاست امرا، اور جاگیردار وغیرہ اسکی سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ حال میں سلطان المسلمین محی الملتہ والدین حضرت اقدس و اعلی سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ نے از راہ نوازش شاہانہ اس حقیر کارخانہ کو "رکابدار شاہی" کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر آپ ایک دفعہ ہمارے بنائی ہوئی شیرنی استعمال فرمائینگے تو ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ اور کسی جگہ کی مٹھائی مرغوب خاطر نہ ہوگی

آپکی تشریف آوری کا متمنی

شیخ عبادت علی، اکرام علی معہ تمغہ یافتہ ملکہ وکٹوریہ و شاہان اودھ پتھر گٹی حیدرآباد دکن

خوشبوؤں کا سرتاج لیلیٰ ہیئر آئل

بالوں کو چمکدار و جڑوں کو مضبوط کرتا ہے۔ دماغ کو قوت اور آنکھوں کو فرحت بخشتا ہے جو کہ خالص دیسی روغنیات و تازہ خوشبویات سے بنایا گیا ہے۔ چار اونس کی شیشی کی قیمت ایک روپیہ۔ ہر شیشی کے ساتھ انعامی ٹکٹ دیا جاتا ہے۔ صرف پچاس ہزار شیشیاں فروخت ہوتے ہی (۶۲۵۰) ساڑھے چھ ہزار روپیہ کے انعامات جملہ خریداروں میں تقسیم کئے جائینگے۔ جو کہ سربرآوردہ صاحبان کے روبرو نکالے اور تقسیم کئے جائیں گے۔ پہلے انعام میں ایک ہزار روپیہ۔ دوسرا انعام پانچ سو روپیہ۔ سو سو روپئے کے تین انعام۔ پچاس پچاس روپئے کے پانچ انعام۔ پچیس پچیس روپئے دس انعام۔ دس دس روپئے کے پچیس انعام۔ اور پچاس انعام پانچ پانچ روپئے کے۔

یہ انعامات جن خریداروں کے نمبر نکلیں گے ان کو تقسیم کئے جائیں گے۔ باقی خریداروں کو گھڑیاں۔ دستیاں چورن اور منجن کی شیشیاں انعام میں دی جائیں گی۔

نوٹ ۔ گھڑیاں اور دستیاں بھی بذریعہ نمبر تقسیم کئے جائیں گے۔ چورن اور منجن کی شیشیاں حسب خواہش خریداروں کو تقسیم کئے جائیں گے۔

جلد کیجئے ایسا نہ ہو کہ شیشیاں ختم ہونے پر کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔ رقمی انعامات [illegible] اور باقی انعامات بذریعہ ایجنسیاں تقسیم ہوں گے۔

گوردھن داس

مالک لیلیٰ ہیئر آئل نامپلی حیدرآباد دکن

عورتوں اور بچوں کیلئے

تصانیف بیگم صاحبہ بھوپال

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
بچوں کی پرورش	عا/۲	اخلاق کی چوتھی	۱۵/	حفظان صحت	۲/۶/	نباتات طبیات	۱۰/
تندرستی	عہ/۲	سیرۃ مصطفےٰ	۴/	ذکر مبارک	۸/	بصائر القرآن	عہ/۱۴
تربیت الاطفال	۱۰/	رہبر صحت	۱۰/	سلک مروارید حصہ اول	۷/۶/	بیگمات بھوپال مجلد	۱۲/
ہدایت تیمارداری	۱/۶/	رہبر اخلاق	۱۰/	۔۔ ۔۔ دوم	۷/۶/	پہیلیاں	۱/۳/
ہدایت الزوجین	۱۰/	فرائض النساء	عا/۴	۔۔ ۔۔ سوم	۷/۶/	ترتیب اخلاق	۳/۶/
حفظ صحت	عہ/۲	[illegible]	عا/۳	۔۔ ۔۔ چہارم	۷/۶/	ڈومیسٹک سائنس ۴ حصے	عہ/۱۴
سینت	۲/	اسلام میں عورت کا مرتبہ	۵/	فرائض مادری	۱۵/	سوال و جواب تندرستی	۷/۶/
معاشرت	۲/	مہذب زندگی	۴/	گل و ریحان	۱۰/	خاک حصہ اول و دوم	۵
سبیل الجنان	عا/۱۲	مدارج الفرقان	۵/	مقالات سلطانی	۷/۶/	ہندوستانی گھر میں تیمارداری	عہ/۱۴
[illegible]	۴/	مقصد ازدواج	۱۲/	آغوش مادر	۲/	شاہراہ صحت	۱۰/
تہذیب النسوان	عا/۲	ہماری روح کا گھر	۴/	ازواج الانبیاء	۴/	خطوط شبلی	۴/
باغ محبت حصہ اول	۱۰/	الترتیب	۲/۶/	انسان	۱۰/	سیر یورپ	۲/
۔۔ ۔۔ دوم	عہ/۴	سلک شہوار	۲/	الصالحات	۱۰/	مصنفہ مسز سجاد حیدر	
۔۔ ۔۔ سوم	۱۰/	آغاز اسلام	۱۰/	باغبانی حصہ اول	عا/	اختر النساء بیگم	۱۴/
اخلاق کی پہلی	۱۰/	افضال رحمانی	۱۰/	۔۔ ۔۔ دوم	۲/	آہ مظلوماں	۱/۱۲/۶
۔۔ ۔۔ دوسری	عہ/۲	فضائل شہور	۷/۶/	۔۔ ۔۔ سوم	۳/	حرمان نصیب	۱/۲/۶
۔۔ تیسری	عہ/۲	فرائض باغبانی	۵/	بیاض گل	۱۰/	نیرنگی تقدیر	۵/

ملنے کا پتہ — (مہتمم مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی (محدود) محی الدین بلڈنگس حیدرآباد دکن)

GULBAHAR HAIR OIL
گلبہار ہیر آئیل
رجسٹرڈ
امتحان کردہ دار التجربہ
سرکار عالی
اس کے اچھے ہونے کی
دلیل ملک کی معزز خواتین کے
صدہا سرٹیفکیٹ کمپنی میں وصول ہورہے
ہیں ۔ بال کی درازی خوشبو کی پائیداری
میں اپنا ثانی نہیں رکھتا ۔ اس لئے ایکمرتبہ ضرور آزمائیے
منیجر گلبہار کمپنی
افضل گنج
حیدرآباد دکن
مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد

کلام الملوک ملوک الکلام
رباعی

گذارش

"محرم نمبر" سید الشہداء امام عالی مقام علیہ السلام اور دیگر رفقاء کی بارگاہِ اطہر میں ایک حقیر ترین نذرانۂ عقیدت ہے دکن اور سارے ہندوستان میں کسی نسائی رسالہ نے آج تک اس خصوص میں کوئی خاص نمبر نہیں نکالا ہم امکانی کوشش کرتے ہیں کہ یہ کامیاب رہے اگر بہ تقاضائے بشریت آپ کو اس میں کوئی فروگذاشت نظر آئے تو براہ کرم نظر انداز فرمائیے

اختر قریشی

۷۸۶

یا علیؑ

سفینۂ نسواں کا محرم نمبر

فہرست مضامین

جلد ۴ — نمبر ۱ و ۲

بابتہ محرم ۱۳۵۳ ہجری

حصہ اردو

مضامین حصۂ انگریزی

اعتذار } "کربلائے معلیٰ" کا بلاک بالکل ناقص طبع ہوا ہے، جس کا ادارہ کو افسوس ہے، وقت کی تنگی نے دوسرا بلاک بنوانے کی مہلت نہ دیا۔
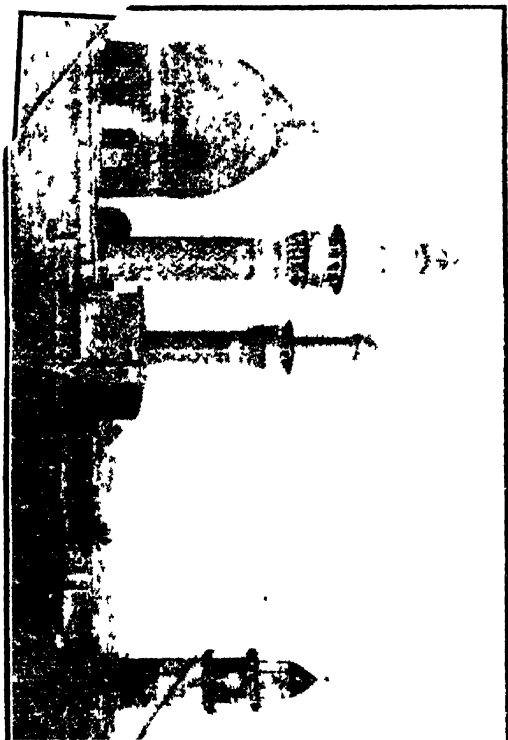
روضہ مبارک حضرت عباس علیہ السلام

سلام

کلامِ فصاحت التیام اعلیٰحضرت سلطان العلوم بندگانعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

آنکھ روتی ہی شہید کربلا کیواسطے — دل تڑپتا ہی اسیرانِ بلا کیواسطے

دردِ دل ہمدرد ہی میرا غمِ شبیر میں — ملتجی کیوں ہوں میں عیسیٰ سی دوا کی واسطے

کیا قیامت ہی کہ ٹھہرے بوسہ گاہِ مصطفیٰ — تیغِ خنجر کے لئے تیرِ جفا کے واسطے

ذوالفقار حیدری کچھ ایسی تیزی سی چلی — ہوگئی چلنے میں دشواری ہوا کی واسطے

اِس کو مارا اُس کو کاٹا یہ گرا وہ چل بسا — تیغ کیا تھی اک بہانہ تھا قضا کی واسطے

عرصہ گاہِ رزم میں اس شان سی آئے حسینؑ — ہوگئے مجبور اعدا بھی ثنا کے واسطے

گنبدِ خضرا کا سایہ سر پہ ہی عثمانؔ مرے — کیوں رہوں گرمِ طلب ظلِ ہما کے واسطے

سلام

کلام فصاحت التیام اعلیٰحضرت سلطان العلوم بندگانعالی مدظلہ العالی

(مطلع) ز اشک دیدہ تہی گشت و دل پر از غم ماند
حسینؑ رفت ز عالم غمش بہ عالم ماند

ز جوشِ آہ و بکا در چمن دہد خبرے
نشانِ اشک کہ بر روئے گل ز شبنم ماند

سیاہ پوش عنادل۔ گل است غرق بہ خون
بہ قتل سبطِ نبیؐ این نشانِ ماتم ماند

بیادِ او کہ زمین لالہ زار از خونش
نہ رفت داغ ز دل تہمتے بہ مرہم ماند

سمندِ عمر رواں تاخت سوئے خلد جناں
کہ لا الٰہ ز سرور نشانِ پرچم ماند

چہ ذکرِ ماتمِ انساں کہ در غمِ شہدا
کماں شکستہ سنانِ خستہ تیغ پر خم ماند

(مقطع) بس است ایں ز عزا یادگار برائے عثماںؔ
کہ سینہ چاک و مرا دیدہ ہائے پر نم ماند

”رہبر“

H. E. H. NAWAB SIR MIR OSMAN ALI KHAN BAHADUR
G. C. S. I., G. B. E.

SALTNATUN NISWAN

Zamindari Press, Market Street, Secunderabad

سلام

ہز ایکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

فنا کہتے ہیں کس کو؟ موت سے پہلے ہی مرجانا — بقا ہے نام کس کا؟ اپنی ہستی سے گزر جانا

جو روکا راہ میں حُر نے تو شہ عباس سے بولے — مرے بھائی نہ غصے میں کہیں حد سے گزر جانا

کہا اہلِ حرم نے رو کے یوں اکبر کے لاشے پر — جوان ہونے کا شاید نام رکھا تم نے مرجانا

بقا میں تھا فنا کا مرتبہ حاصل شہیدوں کو — وہاں اسپر عمل تھا موت سے پہلے ہی مرجانا

نہ لیتے کام گر سبطِ نبیؐ صبر و تحمل سے — لعینوں کا نگاہِ خشم سے آساں تھا مرجانا

دکھائی جنگ میں صورت اُدھر جا پہنچے تو تیر پر — یہ اصغر ہی کی تھی رفتار اِدھر آنا اُدھر جانا

یہاں کا زندہ رہنا موت سے بدتر سمجھتا ہوں — حیاتِ جاوداں ہے کربلا میں جا کے مرجانا

خیال اتنا رہے اے شاد برپا جب قیامت ہو — تم سبطِ نبی میں پیش ہو اور توجہ کر جانا

سلام

از

آقائے محترم و معظم عالیجناب مولنا محمد علی داعی الاسلام پروفیسر فارسی نظام کالج

(مولف "فرہنگ نظام")

آقائے محترم مولنا داعی اسلام کا شمار ملک کی اُن چند مایۂ ناز اور ممتاز ہستیوں میں ہے جو علم کے دریا اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں مولنا کو ہر علم اور ہر زبان پر کافی عبور حاصل ہے جسکے ثبوت میں آپ فرہنگ نظام جیسی اہم اور قیمتی لغت ترتیب دے رہے ہیں جسکی ابتک دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور باقی جب مکمل ہو جائے تو انشاءاللہ یہ مولنا کی غیر فانی شہرت بنکر آپکے تبحر علم پر صاد کریگی۔

(اختر قریشی)

غبار کوئے تو ایم آسمان بما چہ کند ‖ بدانہ ایکہ شد است آرد آسیا چہ کند

زخون خویش شود تشنۂ غمت سیراب ‖ عطش بجانِ شہیدان کربلا چہ کند

غم حسینؑ فزود از شہادتِ اصغرؑ ‖ کہ کس نماند براہ خدا فدا چہ کند

نشستہ جائے رسول و نوشتہ قتل امامؑ ‖ بدین گروہ بروز جزا خدا چہ کند

رہ بہشت و جہنم بہ پیش چشم نمود ‖ امام دین وگر از بہر اتقیا چہ کند

زکبر خویش بہ آل نبیؐ یزید آن کرد ‖ کہ گبر ہم نکند قہر کبریا چہ کند

بہ منکران محمدؐ روئے استدلال ‖ بگو حسینؑ۔ دگر خصم ژاژخا چہ کند

بہ چرخ گفت شہ کربلا منم مظلوم ‖ حسینؑ دانست جبر کمین ندا صدا چہ کند

نماند مردے ز زینبؑ باین ہمہ اطفال ‖ میان دشمن بے آب و بے غذا چہ کند

بہ رنگ حق بدر آرند باطلان رہ خویش ‖ کسے کہ پنج تنش نیست رہنما چہ کند

بروز حشر چو داعی شفیع خواہد شاد ‖ بغیر پیروی شاہِ ادبیا چہ کند

سلام

از استاد السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

چمن میں آمد فصل عزا معلوم ہوتی ہے
کہ درد انگیز بلبل کی صدا معلوم ہوتی ہے

وہی دلکش نوا سنجی جو کل تک روح افزا تھی
فغاں و نالہ و آہ و بکا معلوم ہوتی ہے

علی اکبرؑ کی صورت دیکھکر دشمن بھی کہتے تھے
کہ تصویر نبیؐ صل علےٰ معلوم ہوتی ہے

وہ کہنا ہائے صغراؑ کا کہ یارب خیر بابا کی
کئی دن سے تڑپ دل کی سوا معلوم ہوتی ہے

جما ہے گلشن ایجاد میں کیا رنگ ماتم کا
لہو میں تر ہر اک گل کی قبا معلوم ہوتی ہے

چلے ہیں حضرت قاسم کچھ اس شان جلالت سے
کہ رن میں آمد شیر خداؑ معلوم ہوتی ہے

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ جسم ابن حیدر پر
شہادت کی قبا کیا خوشنما معلوم ہوتی ہے

گلا کٹتا تھا پیاسوں کا تو یہ آواز آتی تھی
کہ آب تیغ بھی آب بقا معلوم ہوتی ہے

غم سرورؑ میں شاید خاک اسنے بھی اڑائی ہے
غبار آلود جو باد صبا معلوم ہوتی ہے

ثبات شاہؑ دیکھو اور وہ کرب و بلا دیکھو
یہیں صبر و رضا کی انتہا معلوم ہوتی ہے

زبان شہؑ کے قرباں بات جو منہ سے نکلتی ہے
کلام حق یا حدیث مصطفےٰ معلوم ہوتی ہے

جلیل آٹھوں پہر خونبار رہتی ہے جو آنکھ اپنی
عزادار شہید کربلا معلوم ہوتی ہے

رباعیات

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر — ہے ابرِ کرم دستِ سخائے حیدر

یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ — سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

(انیس)

حیدر

مشکل میں ذری کام بنائے حیدر — کیا دور کہ بگڑی ہو بنائے حیدر

تسکین قسم خدا کی مدت سے ہوں — منتظرِ دستِ سخائے حیدر

سید تسکین کاظمی

تخمیس بر غزل حضرت جامی

سلطان العلما آقا طوبی سوشتری طاب ثراہ

گشتم تمام روئے زمیں ملاء قافقین | از بہر آنکہ کسب کنم مخزن شائقین
در چشم آب گریہ و در سینہ شور شین | کردم ز دیدہ پائے سوئے مشہد حسین

ہست ایں سفر بمذہب عشاق فرض عین

سنّی و شیعہ قائل فضل امامتش | دانند ہر دو فرقہ شفیع قیامتش
افزون ز انبیا ببلا استقامتش | از قاف تا بقاف پر است از کرامتش

آں بہ کہ حیلہ جوئی کند ترک شید و شین

باشد خدا یکے و یکے کعبہ یک مطاف | در دور او ست طوف کناں قاف تا بقاف
جائے حسین ہیں بخدائی گزاف و لاف | کعبہ بدور روضۂ او میکند طواف

رکب الحجیج این تروحون این این

ڈاکٹر سر محمد اقبال

هر که پیمان با هو الموجود بست — گردنش از بند هر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است — عشق را ناممکن ما ممکن است
عشق را آرام جان حریت است — ناقه اش را ساربان حریت است
آن شنیدستی که هنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

آن امام عاشقان پور بتولؑ — سرو آزاد ز بستان رسولؐ
الله الله بائے بسم الله پدر — معنیٔ "ذبح عظیم" آمد پسر
بہر آن شہزادۂ خیر الملل — دوش ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خون او — شوخیٔ این مصرع از مضمون او
درمیان امت آن کیوان جناب — همچو حرف قل هو الله در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید — این دو قوت از حیات آمد پدید
زنده حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
چون خلافت رشته از قرآن گسیخت — حریت را زهر اندر کام ریخت

ایکہ در مدحت نہ تنہا دوستاں رطب اللساں
دشمناں ہم پیش پائے تو سپر انداختند

سرکار ذیشاں، حاتم دوراں، فلک مرتبت نواب سر سالار جنگ بہادر رئیس اعظم

جو اسی ہفتہ یورپ سے واپس فرخندہ بنیاد ہوئے ہیں

"اے آمدنت باعث آبادیٔ ما"

مولٰنا امداد امام صاحب (نجیب آباد)

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ امام مظلوم کے شہید ہونے اور بال بچوں سمیت اسلام پر قربان ہو جانے میں یہ راز تھا کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا مسلمانوں میں کشت وخون باہمی معرکہ آرائی اور تفرقہ پردازی کو متلزم تھا اور سبط رسولؐ کا ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت کر لینا تقویٰ اور اسلام کی بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے برابر تھا اس لئے آپ نے اپنے نانا کی امت اور اپنی قوم کو کشت وخون سے محفوظ رکھنے اور ایک فاسق کی بیعت سے بچ کر اپنے ایمان کو بھی سلامت رکھنے کے لئے یہ رائے قائم کر لی اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود ہی اپنا خون اپنی قوم کے واسطے بہا دیا تاکہ تینوں باتیں حاصل ہو جائیں اور یہی اس اجمال کی تفصیل اور اس فقرہ کے معنی ہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ امت کیلئے شہید ہوئے نہ یہ کہ آپ اپنی قوم یا اپنے نانا کی امت کی بدکرداریوں یا بداعمالیوں اور گناہوں کیلئے کفارہ ہوئے جیسا کہ مسیح کی نسبت عیسائیوں کا اعتقاد ہے۔ چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں اور رفقاء کو جو بار بار منع کرتے اور سمجھاتے تھے کہ تم لوگ میرے ساتھ اپنی جان عزیز کو تلف نہ کرو بلکہ اپنے اپنے وطن کو چلے جاؤ۔ اس میں بھی آپ کو خوف دامنگیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن ان کی خون ریزی کی جواب دہی میری گردن پر ہو۔ پس یہی وجہ خاص تھی کہ جو آپ کے ہمدرد وجاں نثار تھے ان میں سے بہتیرے باز رکھے گئے اور اکثر اپنے اپنے وطن وملک کو واپس کئے گئے یا چلے گئے۔

یہ امر امام مظلوم کے مجبور کرنے پر وقوع میں آیا تھا نہ کہ یزید کی طاقت قوت کے سبب کیونکہ

اس زمانہ کے مسلمان کچی گولیاں کھیلنے والے مسلمان نہ تھے۔ ان کا قول وفعل یکساں ہوتا تھا جو بات منہ سے نکال دیتے تھے خواہ اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے اس کو پلٹنا نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض کا یہ حال ہوا کہ وہ حسب وعدہ مقام کربلا پر ایسے وقت پہنچے جبکہ خاندانِ نبوت بے چراغ ہوچکا تھا۔ الغرض آپ نے اپنی حجت پوری کردی تو اپنے اعزہ واقارب . . . . کے ساتھ آرام کی نیند سو رہے اور اپنے ساتھ قناعت وصبر. رضا وتسلیم، حلم وتحمل، ہمت وشجاعت وہمدردی کا خاتمہ کردیا۔

ہمارے اس بیان کی کامل تصدیق واقعات شہادت سے ہوتی ہے . . . .

جب امام مظلوم اور آپ کے ہمراہیوں کو پیاس کی بے انتہا تکلیف پہنچنے لگی تو آپ نے ہرچند چاہا کہ آپ کو یزید تک جانے اور بذات خود اس سے گفتگو کرنے کا کسی طرح موقعہ ملے۔ مگر آپ کی درخواست قطعاً نامنظور کی گئی۔ اور آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ یزید کو فوراً بادشاہِ اسلام تسلیم کریں اور نہایت تاکید سے اس مضمون کا پیغام بھیجا کہ "اگر حسینؑ اطاعت نہ کریں تو اُن کو فوراً قتل کردو۔،، جس سپاہی کے ہاتھ یہ حکم بھیجا تھا،، اس کا نام شمر تھا۔

پوشیدہ طور پر شمر کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا۔ کہ اگر عمر ابن سعد اس حکم کی تعمیل سے پہلوتہی کرے تو اس کا بھی سرکاٹ لینا اور سپاہ کا چارج خود لے لینا۔ اسی کے ہاتھ ایک اور خط بھیجا گیا تھا، جو امام مظلوم کے بھائیوں کے لئے حفاظت اور راہداری کا پروانہ تھا تا کہ اگر وہ چاہیں تو بحفاظت وطن چلے جائیں۔

یہ احکام جو کوفہ کی حکومت کی طرف سے آئے تھے حضرت کو سنائے گئے اور آپ کے بھائیوں کو راہداری کے پروانہ کا مضمون بھی بتلایا گیا۔ امام مظلوم نے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو جمع کرکے فرمایا کہ "یہ سپاہ جس نے ہم کو گھیر رکھا ہے صرف میرے خون کی پیاسی ہے اور میری موت سے اُن کو سیری ہو جائے گی۔ تم میرے واسطے کیوں ہلاک ہوتے ہو۔ تمہاری حفاظت کے واسطے راہداری کا پروانہ آگیا ہے تم اپنے بچاؤ کا بندوبست کرلو،، اس کے جواب میں سب عزیزوں نے کہا،، کہ خدا نہ کرے ایسا دن آئے کہ آپ نہ ہوں اور ہم اس دنیا میں موجود ہوں جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم خون بہانے کو تیار ہیں۔

اہل بیت نبوی کے خیمے دو قطاروں میں لگے ہوئے تھے۔ دونوں کے بیچ میں آمنے سامنے آمدورفت کی راہ تھی۔ خیموں کے پیچھے ایک خندق کھودی گئی تھی۔ دائیں بائیں خیموں کی طنابوں کا ایک جنگلہ سا

بنا ہوا تھا۔

رات کا وقت تھا امام مظلوم اپنے خیمے کے دروازے میں اداسی کے عالم میں بیٹھے تھے دل پر ابر غم چھایا ہوا تھا کہ اتنے میں آپ کی پیاری بہن زینبؑ آئیں۔ بہن بھائیوں میں ایسی درد انگیز گفتگو ہوئی کہ بہن غش کھا کر گر پڑیں۔ آپ نے پیار سے اٹھایا جب ہوش آیا تو اس عزیزہ کو صبر اور شکیبائی اور خدا پر توکل کرنے کی نصیحت فرمائی اہل بیت نبوی پر جس مصیبت کی یہ رات گذری خدا کسی دشمن پر نہ گذارے۔ آخر صبح ہوئی غنیم کا لشکر حملہ کرنے کو تیار ہوا۔ یہ بندگان خدا بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لئے چلے۔ مگر اس طرح کہ جوش شہادت میں مدہوش تھے۔ خوشبوؤں سے پیراہن معطر تھے۔ گویا دربار کبریا میں پورے ادب سے حاضر ہونے کو سربکف میدان جنگ میں جاتے ہیں باوجود اس استقلال کے بہنوں اور بیٹیوں کی گریہ وزاری سے ان شجاعوں کے چہرے بھی متغیر ہو جاتے تھے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ان بیکسوں کو اسی بیکسی میں چھوڑ کر میدانِ کارزار کو چلے۔

نظارہ بہت دردناک تھا دشمن سپاہیوں کا بھی دل بھر آیا اور جو لوگ اس نالائق خدمت پر متعین ہوئے تھے عذر معذرت کرنے لگے کہ اتنے میں بے درد شمر نے امام مظلوم کے خیمہ کی طرف ایک تیر مارا۔ اور پھر تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوئی اس کا جواب اہل بیت نے بڑی شجاعت سے دیا۔ لیکن تابکے ؟ آخر عمر ابن سعد نے ایک عام دھاوے کا حکم دیا۔ حرم نبوی کا رونا اور بچوں کا بلبلانا۔ غریبوں کی آہ وزاری کچھ ایسی دلخراش اور موثر تھی کہ شمر کے آدمی بھی متاثر ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

موت کی تکلیف ایک دم کی تکلیف ہے اور وہ اٹھائی جا سکتی ہے۔ مگر پیاس کی تکلیف ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ خورد سال بچے اور عورتیں مارے پیاس کے تڑپتی تھیں مگر ایک قطرہ دریائے فرات کا ان کو نہ مل سکتا تھا۔ جس دریا سے جنگل کے چرند و پرند پانی پیتے تھے اس کا پانی پیغمبر خدا کے خاندان پر بند کر دیا گیا تھا۔

یہ مقام نہایت غور کا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے باوجود ان مصائب و آلام اپنی قوم کی حمیت کے نشہ میں سرشار رہ کر ایک کلمہ بھی بددعا کا زبان مبارک سے نہ نکالا۔ بجز اس کے کہ "قیامت کے روز میں اپنے نانا سے کہوں گا کہ ان کی شفاعت نہ کیجئے" یا یہ کہ "میں قیامت میں دامنگیر ہوں گا" جس کی نسبت یہ بھی ممکن ہے کہ شاید تہدیداً کہا گیا ہو۔ اس کے سوا کوئی بددعا زبان سے نہ نکلی۔

برخلاف اس کے حضرت نوحؑ اور حضرت ایوبؑ نے بلبلا کر اور مضطرب ہو کر ایسی بد دعائیں اپنی قوم کے حق میں کیں اور ایسی دعائیں ان کی تباہی کے لئے مانگیں جو آخر کش پوری قوم کو تباہ و برباد کئے بغیر نہ رہیں۔ یہ تھے اوصاف جو انبیائے سابقین (علیہم السلام) میں بھی جمع نہیں ہوئے تھے اور جو خاندان نبوت کے ایک ایک ممبر بلکہ کل مشاہیر علما میں تھے۔

البتہ اگر آپ نے کیا تو صرف اتنا کیا کہ اپنی فوج کو باقاعدہ ترتیب دیکر شامیوں کے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے لوگو! تم میری بات سنو اور اس وقت تک جلدی نہ کرو کہ جس قدر مجھ پر واجب ہے میں تمھیں سمجھا نہ لوں اور میں اپنے آنے کا عذر تم سے بیان نہ کرلوں۔ اگر تم میرے عذر کو قبول کر لوگے اور میری بات کی تصدیق کروگے اور حق کو پسند کروگے تو تمھاری اس میں بھلائی ہے اور تمھارا اس میں کوئی ہرج نہ ہوگا اور اگر تم میرا عذر قبول نہ کرنا چاہو تو تم لوگ مجتمع ہو جاؤ اور اپنے شرکا کو جمع کر و تاکہ تم پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے بعد اس کے میرے روبرو آؤ اور بے رو رعایت دیکھو۔ بیشک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری ہے، اور جو صالحین کا ولی ہے۔

آپ کی بہن یہ آواز سن کر رو اٹھیں آپ نے اپنے بھائی عباسؑ اور لڑکے علیؑ ابن الحسن کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ وہ خاموش ہو گئیں تو پھر آپ نے فرمایا۔

"تم لوگ میرا نسب بیان کرو اور دیکھو میں کون ہوں۔ پھر اپنی طبیعتوں کی طرف رجوع کرو اور غور کرو کہ کیا میرا قتل کرنا اور میری آبرو ریزی تمھیں روا ہے؟ کیا میں نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا حمزہ میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں کیا رسولؐ نے ہماری شان میں نہیں کہا کہ "تم دونوں بھائی جوانان جنت کے سردار ہو اور اہل سنت کی آنکھ کی ٹھنڈک"۔ بس میں نے جو تم سے کہا ہے اس کی تصدیق کرو۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے، جو تمھیں میرے قتل سے روکے؟ کیا تمھارے خیال میں میرے سوا کوئی اور رسول کا نواسہ ہے؟ کیا میں نے تمھارے کسی آدمی کو قتل کر ڈالا ہے جس کا قصاص مجھ سے طلب کر رہے ہو؟ یا کسی کا مال غصب کر لیا ہے جسے تم واپس لینا چاہتے ہو۔؟"

حضرت امام مظلوم کے یہ فقرے پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر اہل شقاوت پر کچھ اثر نہ ہوا! اور لڑائی شروع ہو گئی۔ تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اہل بیت نبیؐ ایک ایک کرکے گرتے تھے آخر امام مظلوم بے یار و عزیز تنہا رہ گئے۔ اس اثناء میں ایک تیر اُن کے شیر خوار بچہ کو لگا۔ امام حسینؑ اس ننھے بچے کا خون اپنے ہاتھوں سے پونچھتے جاتے تھے، اور کہتے تھے، کہ پیارے بچے! تو بہت جلد اللہ کی بارگاہ

میں پہنچے گا اور وہاں اپنے عزیزوں سے ملیگا۔
یہ حال دیکھکر زینبؑ بیقراری سے گریہ وزاری کرنے لگیں۔ اتنے میں شمر نے پھر حملہ کیا۔ آپ کب تک لڑتے۔ تھوڑی دیر میں زخموں سے چور ہو گئے اور بے بس ہو کر گر پڑے اور شقی ازلی شمر نے آپ کے سینۂ مبارک پر چڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
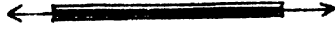
سلام

از

جنابہ "ن" بیگم صاحبہ نفیس

حاصلِ زیست ہے وقفِ غمِ سرور ہونا
قلب پُرسوز۔ جگر خستہ۔ مژہ تر ہونا

موجیں دریا کی پٹکتی رہیں سر حیرت دیکھا
آبِ شمشیر سے پیاسوں کا گلا تر ہونا

مست رہنے کیلئے تا بہ ابد کافی ہے
جاں نثارِ خلفِ ساقیِ کوثر ہونا

سر کیا معرکۂ صبر و رضا سرِ دیگر
کیوں نہ ہو آپ کا حق خلق کا سرور ہونا

چاہتا ہے کہ اسی دم ہو قیامت برپا
بوسہ گاہِ نبوی کا تہِ خنجر ہونا

سربلندی کا تھا تمغہ شہ والا کیلئے
قتل کے بعد وہ بالائے سناں سر ہونا

حیف جو خون بہائیں رہِ خالق میں نفیس
اُن کو ممکن تھا نہ پانی کا میسر ہونا

"ن" بیگم نفیس
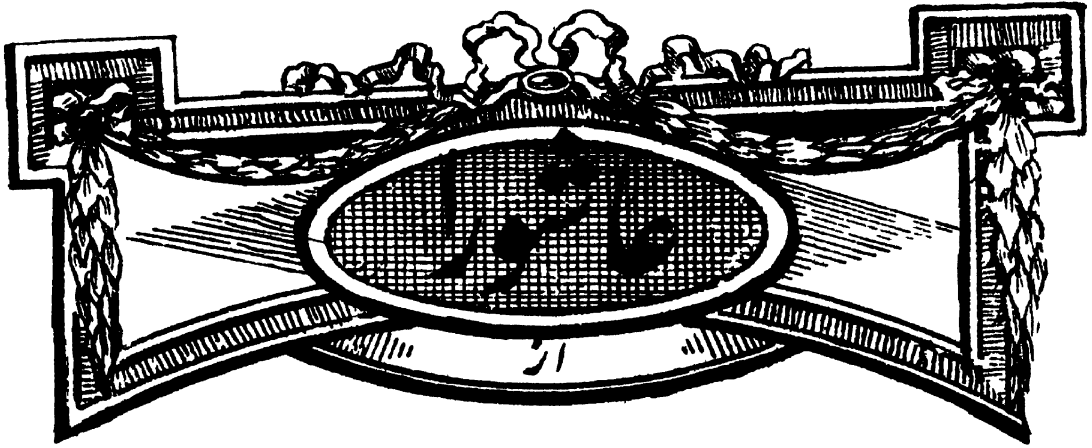
مولٰنا عبدالماجد صاحب بی۔ اے (دریابادی)

(ایڈیٹر "سچ" لکھنو)

بندہ خدا کے ساتھ، روح جزئی روح کل کے ساتھ اپنے تعلق کو جب اور جہاں بھی تازہ کرتا رہے باعث اجر ہے۔ لیکن اس عام کلیہ میں بعض اوقات اور مقامات کو امتیاز و تخصیص بھی حاصل ہے۔ نماز ہر جگہ پاکیزہ ہے۔ لیکن مسجد میں پڑھی جائے تو پاکیزہ تر ہو جاتی ہے اور بعض خاص مسجدوں میں اور بھی پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ دوپہر کی نماز ہفتہ میں جس روز بھی ادا کی جائے اجر رکھتی ہے، لیکن جمعہ کی دوپہر کو جو نماز ادا کی جاتی ہے اس کا اجر کہیں زائد ہے۔

اسی طرح یوم عید الفطر، یوم عید قربان، ایام تشریق بہت سے دن ایسے ہیں جو اسلامی جنتری میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

اسی قسم کے متبرک اور مخصوص دنوں میں ایک دن ماہ محرم کا دسواں دن بھی ہے جسے یوم عاشورا کہتے ہیں۔ روایات حدیث میں اس تاریخ کی بہت سی فضیلتیں اور برکتیں منقول ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خدا نے شروع ہی سے اس تاریخ کو اپنے فضل و انعام کے لئے چن لیا ہے۔ دوسرے واقعات سے قطع نظر کرکے اس تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فرعون جو مصر کا مشہور ظالم و جابر فرماں روا گذرا ہے اسی تاریخ کو مع اپنی حاکمانہ شوکت و دبدبہ کے ہلاک و تباہ ہوا۔ اور ایک مظلوم و محکوم قوم بنی اسرائیل نے اس تاریخ کو اس کے پنجۂ غضب سے رہائی پاکر آزادی کی سانس لی۔ چنانچہ قوم یہود ہزار سال بعد تک

اپنے اس یوم آزادی کی یادگار میں اس روز طرح طرح کی خوشیاں مناتی رہی۔
کئی ہزار سال بعد ٹھیک اسی تاریخ کو دشت کربلا میں وہ واقعہ خونین پیش آیا جو تاریخ کی یاد سے شاید کبھی محو نہ ہو سکے۔ ایک ظالم و جابر، فاسق و فاجر شخص سرورکائنات کی مسند پر قابض ہو گیا تھا اور سب کو اپنی بیعت و اطاعت پر مجبور کر رہا تھا۔ اللہ کے ایک نیک و برگزیدہ بندے حسینؑ بن علیؑ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ اس نے ایک لشکر جرار بھیجکر امامؑ کو مع ان کے چند رفقاء کے دشت کربلا میں گھیر لیا۔ اور شقاوت بیدردی سنگدلی و بے رحمی کے جملہ لوازم کے ساتھ تہ تیغ کر ڈالا۔ حسینؑ نے جان دیدینا گوارا کی۔ لیکن ظالم حکومت کو تسلیم کرنا گوارا نہ کیا۔ اپنا سرتن سے جدا کیا جانا قبول کر لیا۔ لیکن غیر خدائی قوت کے آگے جھکنا قبول نہ کیا۔ حق و باطل آزادی و غلامی۔ خلاف یزدانی و خلاف شیطانی کے درمیان معرکہ آرائی جس طرح حضرت موسیٰ کو دس محرم کو پیش آئی تھی۔ ٹھیک اسی طرح امام حسینؑ کو دس محرم کو پیش آئی۔ پہلی صورت میں حق کی کامیابی سب کو نظر آ گئی۔ دوسری صورت میں ظاہری و فوری ناکامی رہی۔ تاریخ عاشورہ دونوں صورتوں میں مشترک رہی۔

—— ۲ ——

ایک ظالم حکومت کے پنجہ سے ایک مظلوم قوم کی رہائی و آزادی سرورکائنات صلعم کی نظر میں ایسی حقیر و غیر اہم شئے نہ تھی جس کی یاد آپ مٹ جانے دیتے۔ بلکہ آپ نے خود بھی اس مقدس دن کی مقدس یادگار کو برقرار رکھنا ضروری خیال فرمایا۔
ذی الحجہ کی دسویں تاریخ خلیل اللہ کی مقبولیت کی یادگار ہے۔ محرم کی دسویں تاریخ کلیم اللہ کی برگزیدگی کی یادگار ہے۔ عید اضحیٰ جانوروں کی قربانی کا دن ہے۔ عاشورا انسانی قربانی کی تاریخ ہے۔ دس ذی الحجہ کو خدا کے دوست نے مینڈھا خدا کی راہ میں قربان کیا تھا۔ دس محرم کو رسول خدا کے نواسہ نے اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کر دی۔ ہم قربانی کے جانور ذبح کر کے سنت ابراہیمی کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ چاہئے کہ بوقت ضرورت خود اپنی جانیں راہ حق میں پیش کر کے سنت حسینی کو زندہ رکھیں

ہمیں اس روز موسیٰ کلیم اللہ و حسینؑ شہید کربلا کے نقش قدم پر چلنے کی اور زاید کوشش کرنی چاہئے۔ یعنی نتائج سے بالکل بے پرواہو کر حق کی حمایت آزادی کی طلب، خودمختاری کی کوشش باطل سے گریز، غلامی سے نفرت مادی حکمتوں سے بے خوفی، برداشت مصائب کے لئے جرات، تحمل شدائد کے لئے ہمت، اور اللہ سے خلوص و اخلاص کی توفیق خواہی،

سلام

(از)

جناب محمد نوازش حسین صاحب

ہاں نجاتِ اُمّتِ خیرالوریٰ کے واسطے	جان دی شبیرؑ نے حق کی رضا کی واسطے
آہ۔ فرزندِ پیمبرؐ نورِ عین مصطفیٰؐ	کیوں نہو ماتم بپا نورِ الٰہدیٰ کے واسطے
دل پھٹا جاتا ہے سنکر ماجرائے کربلا	اب زبان کو روک لے ذاکر خدا کی واسطے
ہم اسیروں پر نہ آیا رحم تجھکو اے فلک	حشر برپا کر دیا آہ و بکا کے واسطے
اب نوازِ خستہ جاں بھی عرض کرتا ہے سلام	ہاتھ پھیلائے حصولِ مدّعا کے واسطے

نذرِ عقیدت

از جناب حاجی سید شاہ نذیر احمد صاحب رئیس ضلع بارہ بنکی

سوارِ دوشِ شہ دوسرا سلام علیک — نشاطِ روحِ شہ ہل اتی سلام علیک

امام جادۂ صبر و رضا سلام علیک — شہید خنجرِ اہل دغا سلام علیک

نہالِ باغِ نبی[2] و گلِ ریاضِ علی[1] — بہارِ گلشنِ خیر النسا[3]، سلام علیک

تو نورِ دیدۂ زہرا[3] و ہم نبی و علی[4] — برادرِ حسنِ مجتبیٰ[4] سلام علیک

تو مقتدائے جوانانِ جنت الفردوس — تو صدر بزم شہادت شہا سلام علیک

خلیل کعبۂ دلہا ذبیح راہ خدا — محیِ دین و سراج ہدیٰ سلام علیک

امام برحق و غواصِ قلزم عرفاں — درِ یگانۂ بحرِ سخا سلام علیک

بہ روح پاکت و ہم اقربا و ہم رُفقا — مدام باد ز اہل ولا سلام علیک

شہادتت سبب رستگاریِ امت — حضور داور یوم الجزا سلام علیک

تہی ز نقدِ عمل دامنِ نذیر شہا — توئی ست شافع روزِ جزا سلام علیک

(جناب منشی سید عین الحسن صاحب جری مدیر بنی فاطمہ)
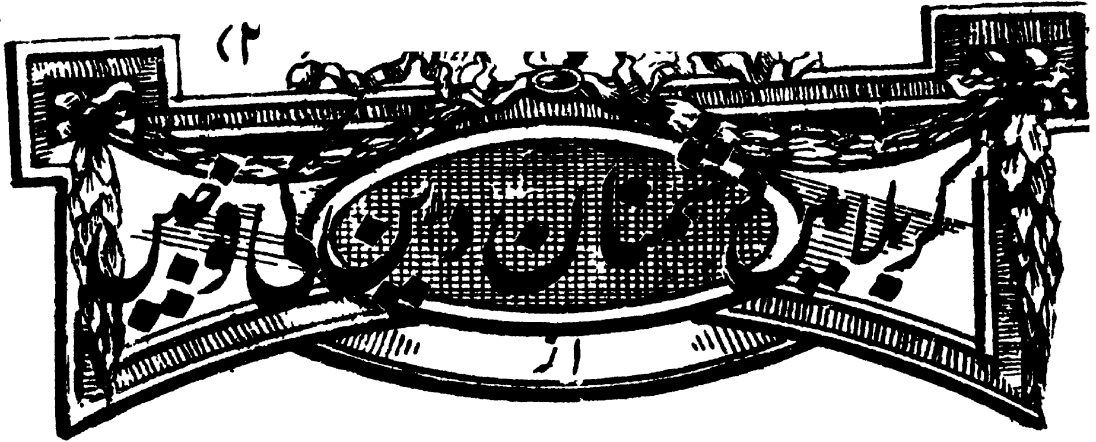
جب ابن زیاد کو کوفہ میں اس بات کی یقینی خبر پہنچ گئی کہ امام حسینؑ کربلا پہنچ گئے تو اس نے فوجوں پر فوجیں اور رسالوں پر رسالے بھیجنے شروع کردئے چنانچہ تاریخوں میں فوج کی تعداد کی نسبت اختلاف ہے ابو اعثم کوفی ۲۰ ہزار علامہ ابن جوزی ۶ ہزار امام یافعی ۲۲ ہزار علامہ ابو الفراس ۵ ہزار اور ابن صباغ مالکی ۲۲ ہزار بتاتے ہیں. لیکن بعضوں کا قول تو ۲ لاکھ سے ۹ لاکھ ہے۔ ابن زیاد کی فوج کربلا میں کم از کم ۲۰ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ۸۱ ہزار بتائی گئی ہے ...... (دیکھو ناسخ التواریخ ص ۲۴۲) غرضکہ ابن زیاد نے اس کثیر التعداد لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ سب سے پہلے عمر ابن سعد کو ۶۰۰۰ ہزار سوار دے کر روانہ کیا پھر شیث ابن ربعی کو بلوا کر ۲۴ ہزار آدمیوں پر افسر بنا کر عمر سعد کی ماتحتی میں دیا پھر عروہ ابن قیس کو ۴۰۰۰ ہزار سوار دے کر اس کو بھی عمر سعد کی ماتحتی میں دیا اور ایک نشان بھی عطا کیا

شمال
فوج مخالف
قریہ عاذریہ
میدان قتال
مغرب
میمنہ
میسرہ
خیمہ گاہ حسین
کنواں جو امام حسینؑ نے اپنے ہاتھ سے کھودا تھا مگر پتھر حائل ہونے سے پانی نہ نکلا
جنوب

پھر سنان ابن انس نخعی کو بھی ایک علم اور ۔۔ ۴ہزار سوار دیئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر حصین ابن تمیم متعینہ قادسیہ کو ۴ ہزار سواروں کے جدید اضافہ کے ساتھ کربلا کی روانگی کا حکم دیا۔ شمر ذالجوشن الضبابی کو بھی چار ہزار سوار دئے (اسی نے حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک تن سے جدا کیا ہے۔ مضائر ابن رہینۃ المازنی کو تین ہزار فوج دی۔ یزید ابن رکاب الکلبی کو ۲ ہزار سوار دئے۔ محمد ابن اشعث کو ایکہزار سوار دئے گئے۔ عبد اللہ ابن الحصین کو ایکہزار سوار دئے۔ خولی اصبحی کو سرداری کا علم اور دس ہزار سوار۔ بکر ابن کعب ابن طلحہ کو تین ہزار سوار دئے۔ محجا ز ابن الحرؑ کو ایک ہزار سوار ملے۔

غرض ابن سعد اس طرح لشکروں کی ترتیب دے کر ۶ ہزار سواروں کے ساتھ داخل کربلا ہوا اور پھر باری باری تمام افسران اپنی اپنی فوج لے کر کربلا پہنچتے گئے (مذکورہ بالا تمام فوج کی تعداد بہتر ہزار ہوتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کل ۷۲ آدمی کا حساب چلتا ہے)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خیمے کربلا پہنچنے کے بعد نہر فرات کے قریب نصب کردئے تھے لیکن یزید کے اس کثیر لشکر نے ابن زیاد کے حکم کے مطابق نہر فرات کے قریب سے آپ کے خیمہ ہٹوا دئے۔ اور ساتویں محرم سے بحکم ابن زیاد امام حسینؑ ان کے اہلبیت اور ان کے اعوان و انصار پر پانی بھی بند کر دیا گیا اور پیام دیا گیا کہ یا تو بیعت یزید کرو ورنہ قتل کئے جاؤ گے۔

اب جیسی کچھ حالت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ قارئین کرام خود کرلیں۔ عرب کی سخت دھوپ کی ادنیٰ کیفیت یہ ہے کہ جب پانی نہیں ملتا تو زبان اور ہونٹھ پھٹنے لگتے ہیں۔

بہرحال امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے چھوٹے سے لشکر کا انتظام کیا اور سب کو ایک جگہ جمع کر کے تلقین صبر و استقلال فرمائی۔

دسویں محرم اور آغاز جنگ

جانبین سے مقابلہ کی تیاری ہوئی۔ رسالہ اصلاح النشائتین کے مولف تاریخ طبری کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ "دسویں محرم جمعہ کے دن قبل زوال سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ عمر سعد نے فوج کو یوں

سلام

از ڈاکٹر میر مہدی حسین رضوی صاحب علم قاآنی دکن

یا خدا آئیں نظر شبیرؑ و شبرؑ خواب میں — جی اٹھوں جاگے اگر میرا مقدر خواب میں

جن کو ہے چشم بصیرت جلوۂ جاں بخش دوست — دیکھتے رہتے ہیں بیداری میں اکثر خواب میں

پڑ گئے ہیں پردے جنکی آنکھوں پہ غفلت کے آہ — وہ تو بیداری میں بھی رہتے ہیں یکسر خواب میں

عمر بھر سیلوں گا آنکھیں شاہد مقصود سے — ہو اگر دیدار پیغمبرؐ گھڑی بھر خواب میں

مجھکو دنیا بھی نظر آئے خوشی سے اک بہشت — وعدۂ جنت اگر فرمائیں حیدرؑ خواب میں

گر بقا بعد فنا ممکن نہیں۔ کیا جانیئے — مرنے والے آتے ہیں مرمٹ کے کیونکر خواب میں

فرش مخمل کو نہیں کچھ فوق فرش خاک پر — ایک سے ہوتے ہیں درویش و توانگر خواب میں

پرسش اعمال کیا ہوگی۔ کہ ہیں مست ازل — دیکھلینا ہم رہیں گے روز محشر خواب میں

صبح عاشورا کہا شہؑ نے کہ ہم ہوں گے شہید — دیکھئے شب کو خبر۔ آکر پیمبرؐ خواب میں

کہتی تھی یہ ام لیلیٰؑ۔ کیا خطا ماں سے ہوئی — کچھ خفا ہو کیوں نہیں آتے ہو اکبرؑ خواب میں

سوتے سوتے چونک اٹھتی تھی سکینہؑ بار بار — اس کو آتا تھا نظر شمر ستمگر خواب میں

قطعہ

روز عاشورا کہا شہؑ نے یہ ابن سعد سے — چونک اب۔ کبتک رہیگا بندۂ زر خواب میں

سر سے اونچا ہو گیا پانی تمرد کا ترے — تجھ سے ناخوش آئے تھے ختم پیمبرؐ خواب میں

لے کہے دیتا ہوں سن رکھ۔ آج سے تا زندگی — روئے آسائش نہ دیکھیگا بداختر خواب میں

پھر زیارت کربلا کی اے الم ہوگی نصیب

دیکھتا رہتا ہوں میں قبر مطہر خواب میں

تابوتِ سکینہؑ

زنداں سے چلے لیکے جو سجّادؑ دلاور — تابوتِ سکینہؑ

اک شور حرم میں اٹھا اے وائے مقدّر — تابوتِ سکینہؑ

بیچین ہوئے خلد میں بھی سرورؐ کونین — آیا نہ انھیں چین

لینے کے لیئے خود ہی چلے شافعِ محشرؐ — تابوتِ سکینہؑ

مولا کو ہوا حال جو معصومہ کا معلوم — بس ہو گئے مغموم

جنّت سے چلے دیکھنے کو حیدرِ صفدرؑ — تابوتِ سکینہؑ

حوروں نے فلک پر صفِ ماتم جو بچھائی — دیتی تھیں دوہائی

اِن آنکھوں نے دکھلایا ہمیں وائے مقدر — تابوتِ سکینہؑ

بے گور و کفن نعشِ حسینؑ اِبنِ علیؑ ہے — کیا بوالعجبی ہے

زنداں سے لئے جاتے ہیں سجّادؑ دلاور — تابوتِ سکینہؑ

السیّد تمکین کاظمی
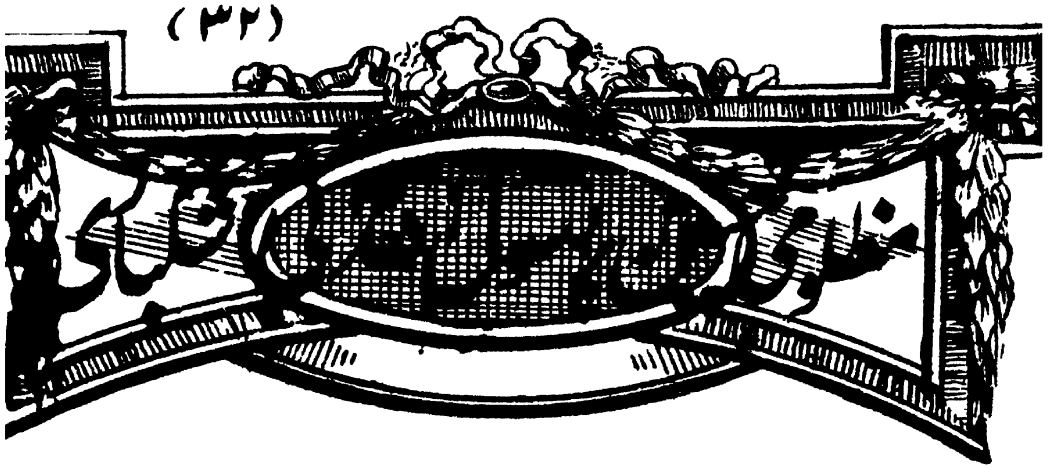
دنیا کی مادّی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیوانے امامؑ کی شہادت کو حصول عزّوجاہ کا سبب بتلاتے ہیں (ا - ق)

(شہادت حسینؑ کا روحانی محضر)

عقیدت تو یہ کہتی ہے کہ ذبیح نینوا کی شہادت ایک اصلی وفطری قرارداد تھی اور خداوند کریم اپنی رحمت کاملہ سے اس محبوب و برگزیدہ بندے کو شہادت کبریٰ کا منصب جلیل عطا کرے "تتمہ شرف مصطفےٰ" کا وہ مایۂ ناز خطاب عطا فرمانا چاہتا تھا جس پر دین و دنیا کی تمام عزّتیں۔ تمام عظمتیں قربان ہیں۔

قسام ازل نے روز الست ہر شخص کو وہ چیز عطا کی جس کی متقاضی اس کی استطاعت وقابلیت تھی۔ باعث ایجاد خلق محمد رسول اللہؐ کو اس نے خاتم النبین اور رحمتہ العالمین بنا کر اپنی تمام نعمتوں کو ختم کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام ایسے برگزیدہ بندے کی بھی عزت افزائی لازمی تھی۔ لیکن اب نعمت باقی کون سی رہ گئی تھی۔ نبوت کا درجہ ختم تھا۔ ولایت کا سرچشمہ سلطان ولایت امام المشارق والمغارب مظہر العجائب والغرائب امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات پاک قرار دی جا چکی تھی۔ لہٰذا امام پاکؑ کو شہادت کبریٰ کا منصب عطا فرمایا گیا تاکہ اس طرح آپ کی عزّت افزائی کے ساتھ ہی محمدؐ وآل محمدؐ پر تمام فضیلتوں اور بزرگیوں کا خاتمہ ہو جائے

ظاہرین تو ہیں دنیا کو عالم اسباب سمجھنے اور اس بات پر یقین رکھنے کے بعد کہ ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے۔ امام عالی مقامؑ کی شہادت کا سبب بھی تلاش کرتی ہیں۔

ہم حیران ہیں کہ شہادت امامؑ کے اسباب ظاہری کی جستجو کریں۔ یا فوائے عقیدت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر تھی کہ ایک دن میرا پیارا حسینؑ اشقیائے امت کے ہاتھوں میدان ستم میں شہید ہوگا۔ عم رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت اُم الفضل فرماتی ہیں:۔

دخلت علیٰ رسول اللہ یاما بالحسین فوضعتہٗ فی حجرۃ ثم کانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریقان من الدموع۔ فقال امانی جبریئل فاخبرنی انی امتی تقتل ابن ھذا واتانی بتربۃ من تربۃ حمراء

یعنی ایک دن میں حضورؐ سرور کائنات کی خدمت میں حضرت امام حسینؑ کو لیکر حاضر ہوئی۔ اور آپ کی گود میں دے دیا۔ پس میں نے دیکھا کہ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ میرے اس فرزند کو میری امت قتل کرے گی اور مجھے سرخ رنگ کی مٹی لاکر دکھائی ہے۔

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کسی سبب ظاہری کی پابند نہیں بلکہ خداوند کریم کی ایک ازلی و فطری قرارداد تھی۔

شہادت حسینؑ کی نشانی زبان رسولؐ سے

حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ام سلمہؓ کو ایک مٹھی خاک دے کر فرمایا کہ اے ام سلمہؓ! جب یہ مٹی سرخ ہو جائے تو تم سمجھ لینا کہ میرا فرزند حسینؑ منصب شہادت پر فائز ہوا۔

قاتل بھی باخبر تھا

اگر سید الشہداء علیہ السلام کو اپنے منصب شہادت پر فائز ہونے کی خبر پہلے سے تھی تو قاتل بھی اس حقیقت سے آشنا تھا۔ یزید پلید کے باپ معاویہ امیر شام کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نزع کے وقت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے حاضر تھا۔ دیکھا کہ آپ حضرت امام حسینؑ کو اپنے سینے سے لگا کر فرما رہے ہیں "میرا یہ بیٹا میری عترت و ذریت میں سب سے اچھا ہے۔ یا اللہ تو اُس سے برکت لے لے جو میری وفات کے بعد حسینؑ کی عزت کو ملحوظ نہ رکھے۔ یہ فرما کر حضور رسالت مآب بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا۔ اے حسینؑ! قیامت کے دن تیرے قاتل سے مجھے معاندت و خصومت ہو گی اور میں خوش ہوں کہ خداوند کریم مجھے اس شخص کا دشمن قرار دے گا جو تجھے قتل کرے"

اس کے بعد امیر شام معاویہ کا کہنا ہے کہ "میں نے اپنے بیٹے یزیدؔ سے کہا کہ میں نے خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک دن جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کے فرزند حسینؑ کو آپ کی امت شہید کرے گی۔ اس کا قاتل لعین امت کا بدترین ہو گا" اور خود امیر معاویہ نے قاتل حسینؑ پر لعنت بھیجی۔

غور و عبرت کا مقام ہے کہ جس طرح سید الشہداء برضا و رغبت منصب شہادت حاصل کرنے کے لئے میدان کربلا میں تشریف لے گئے اسی طرح یزید پلید نے سب کچھ جاننے کے باوجود۔ خود اپنے باپ سے قاتلِ حسینؑ کے ملعون ہونے کی اطلاع پا لینے کے بعد حضرت سید الشہداء کے خون ناحق سے اپنے ملعون ہاتھوں کو رنگا۔ شقاوت و کور بختی کا اس سے زیادہ شرمناک مظاہرہ دنیا میں اور کیا ہو سکتا ہے۔ قاتل جانتا ہے کہ میں خطا پر ہوں۔ اسے مظلوم کی بیگناہی کا پورا یقین ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ میں جس کے نام کا کلمہ پڑھتا ہوں اس نے قاتل حسینؑ پر لعنت بھیجی ہے لیکن پھر بھی دنیا پرستی اور ہوس ملوکیت کی ملعون پٹی آنکھوں پر بندھ جاتی ہے اور قاتل اپنے انجام کو بھول کر جہنم کے شعلوں کو اپنی ناپاک ہڈیوں کی دعوت دیتا ہے ؎

بروز واقعہ اے ظالم خدا ناترس
بیا ببیں کہ چہا کردۂ بجائے حسینؑ

خدا است حاکم و پیغمبر است دعویٰ گیر
چگونہ مید ہی انصاف با جزائے حسینؑ

سلام

از جناب سید عباس حسین صاحب صمصام

ہر کوئی ہے دو جہاں میں نوحہ خوانِ کربلا
کیا قیامت ہے خدایا داستانِ کربلا

دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تیغِ رنج سے
خون کے آنسو رلاتا ہے بیانِ کربلا

دیکھنا جنت میں یے لیکے مزے کس شوق سے
جامِ کوثر پی رہے ہیں تشنگانِ کربلا

رتبہ ارضِ نینوا کا پوچھتے ہم سے ہو کیا
خانۂ کعبہ سے بھی افزوں ہے شانِ کربلا

راہِ حق میں جان دیکر کیسی میٹھی نیند ہائے
سوتے ہیں خاکِ تپاں پر کشتگانِ کربلا

حضرتِ شبیرؑ ہی تھے ہو گئے جو کامیاب
سخت تھا صمصام گرچہ امتحانِ کربلا

رباعی
شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سرداد و نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ
سلطان الہند غریب نواز رح
حسینؑ
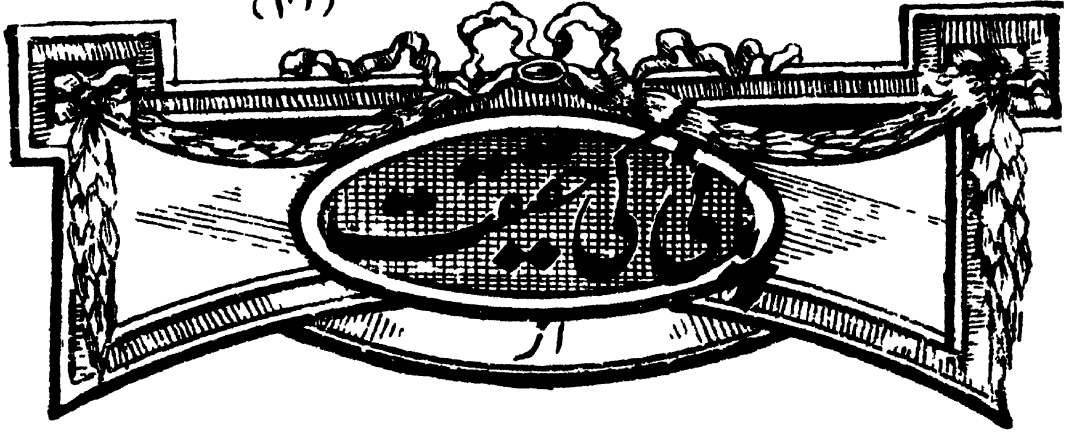
سیدہ کبریٰ بیگم صاحبہ بنت ڈاکٹر حکیم آقا سید حبیب اللہ صاحب شیرازی

پانی جسے فارسی میں آب، عربی میں ماء اور انگلش میں واٹر (Water) کہتے ہیں یہ پہلی چیز ہے جسے حق سبحانہ و تعالیٰ نے پیدا کیا۔ زمانہ ماسبق میں یہ ایک عنصر بسیط مانا گیا تھا اب ڈیڑھ سو برس سے ذریعہ علوم جدیدہ جسے سائنس (Science) کہتے ہیں ثابت ہے کہ یہ دو عنصر سے مرکب ہے آکسیجن (Oxygen) اور ہائیڈروجن (Hydrogen) مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ ان دو تو عنصروں کو ایک اور اٹھ کی نسبت سے ملانے سے پانی بنجاتا ہے اور کیمکلی جب اس کو تحلیل کرتے ہیں تو وہی دو نو چیزیں علٰحدہ علٰحدہ ہو جاتی ہیں۔

پانی میں حیرت انگیز اور تعجب خیز صفات متضادہ جمع ہیں پانی سے آگ بجھ جاتی ہے اور پھر آگ سے پانی جم کر برف بھی بنجاتا ہے۔ پانی کمزور بھی ہے اور زور آور بھی۔ اگر اس کی کمزوری دیکھنا چاہو تو تنکے سے جہاں کہیں چاہو پھیر سکتے ہو۔ اگر اس کی زور آوری کا مشاہدہ کرنا چاہو تو دیکھتے ہو کہ یہ پہاڑوں کو پہاڑیاں بنا دیتا ہے بعض بعض مواقع پر یہ بلند پہاڑوں کو میدانوں کے ساتھ ہموار کر کے نیست و نابود کر دیتا ہے پانی کو دو قوتیں حاصل ہیں۔ قوت انفعال اور قوت فعل۔ قوت انفعال اس طرح کہ جس ظرف میں اس کو ڈالا جائے فوراً وہ اس کی صورت قبول کر لیتا ہے۔ قوت فعل یوں کہ ہزاروں جمادات مثل نمک شکر کو گلا اور گھلا کر اپنی صورت بنا لیتا ہے۔ اتنی بڑی زمین جو ہم دیکھتے ہیں پانی کے ہی اوپر قائم ہے جسے سمندر کہتے ہیں۔ آفتاب جہاں تاب کی گرمی جب پانی پر پڑتی ہے

تو گرم ہو کر بھاپ بنکر اڑتا ہے اور بادل بنکر برستا ہے جسے ہم بارش کہتے ہیں۔ آفتاب جہانتاب کی گرمی برف وغیرہ کو پگھلا کر دریاؤں کے بہاؤ کو چڑھا دیتی ہے درخت اگر رطوبات سے خالی ہوں تو خشک ہو جائیں۔ اشرف المخلوقات انسان کے بدن میں اگر رطوبت نہ ہو تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ نامور اطبا اور گرامی قدر حکما کا قول ہے کہ انسانی جسم میں تین ربع (۳/۴) پانی اور بقیہ ایک ربع (۱/۴) خشک چیزیں ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد بچہ جب اپنی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے تو اس دودھ کے پانچ حصوں میں سے چار حصے پانی ہوتا ہے اور ایک حصہ دوسرے اجزا ہوتے ہیں انسان کے جسم میں ہضم غذا اور دوران خون کا باعث بھی پانی ہوتا ہے تجربہ سے ظاہر ہے کہ انسان بغیر غذا کے کئی روز تک زندہ رہ سکتا ہے مگر بغیر پانی کے ایک روز بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حق جل شانہٗ اپنی پاک کتاب میں جسے ہم قران مجید اور کلام اللہ کہتے ہیں ارشاد فرماتا ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ یعنے ہم نے ہر جاندار شئے کو پانی سے پیدا کیا ہے اور زندہ رکھا ہے سبحان اللہ ایسی نعمت غیر مترقبہ جو ہر شخص بلا قیمت پاتا ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ راکب دوش رسول خدا ناز پروردہ علی مرتضیٰ و جگر گوشہ بتول عذرا جس کے ماں کے مہر میں نہر فرات ہو وہی پانی نہ پائے۔

حاکم کا یہ تھا حکم کہ پانی بشر پئیں
گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
حیواں پئیں پرند پئیں جانور پئیں
جو تشنہ لب جہاں میں ہو سب بے خطر پئیں
کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو
پر فاطمہؑ کے لال کو پانی نہ دیجیو

چونکہ بغیر پانی کے انسان ایک روز بھی زندہ نہیں رہ سکتا اسی وجہ سے شریعت میں پانی پلانے کا بیحد ثواب ہے صاحب خصائص الحسینیہ لکھتے ہیں کہ پانی پلانے کا اجر اور تمام عبادتوں سے بڑھا ہوا ہے خصوصاً امام تشنہ کام کے نام پر اگر پانی پلایا جائے تو اس کا ثواب اور بھی المضاعف ہو جائے گا اسی وجہ سے جگہ جگہ ہر قوم و ملت کے لوگ سبیل مظلوم کربلا کے نام نامی سے رکھتے ہیں کیونکہ وہ مظلوم سہ شب و روز لب تشنہ گرسنہ اپنے عزیز و اقارب اور اصحاب کے ساتھ میدان کربلا میں کنار نہر فرات امت جد کے ظلم و جور سے مثل گوسفند قربانی کے ذبح کیا گیا۔

از آب ہم مضایقہ کردند کوفیاں
خوش داشتند حرمت مہمان کربلا
بودند دام و دد ہمہ سیراب می کنید
خاتم ز قحط آب سلیمان کربلا
آواز العطش ز بیابان کربلا

(اکبرا بیگم)
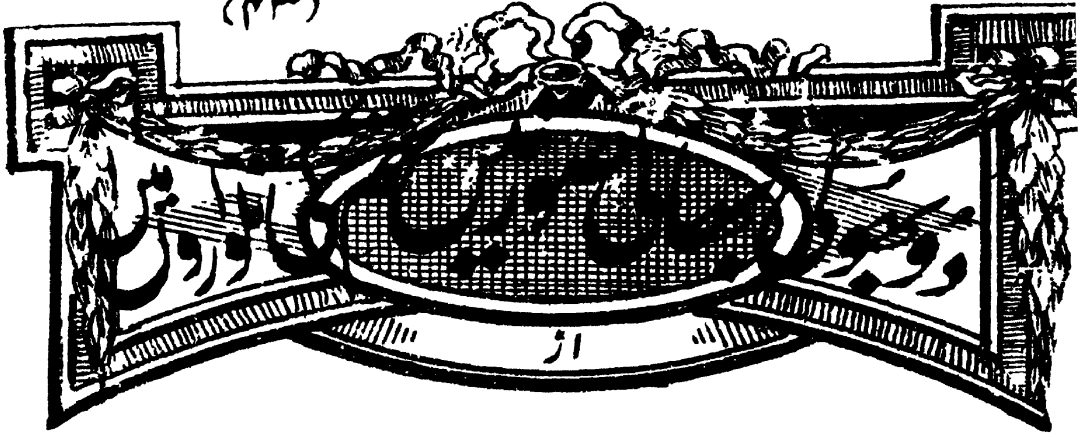
مولٰنا سید نذیر الحق صاحب دہلوی

غریب الدیار مسلمؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے کوفہ میں اعلان کرادیا کہ مسلمؑ کے دو بچے محمدؑ و ابراہیمؑ کوفہ میں موجود ہیں جو ان کو اپنے یہاں پناہ دیگا تو اسکے خاندان کو کولہو میں پلوادونگا اور جو ان کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو انعام و اکرام سے مالامال کردونگا مسلمؑ کے یہ دونوں یتیم ولاوارث بچے قاضی شریح کے گھر میں تھے اور اپنے باپ کا انتظار کر رہے تھے انھیں کیا خبر تھی کہ ہم جس باپ کا انتظار کر رہے ہیں وہ مارا گیا اور اب موت ہماری تاک میں ہے۔

دونوں بھولی بھالی صورتیں اور نور کی مورتیں اس انتظار میں تھیں کہ بابا جان آئیں تو ان کے ساتھ کھائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ ہمیں مدینہ کی گلیاں اور بچوں کے ساتھ کھیلنا یاد آتا ہے اچھے بابا اب ہمیں مدینہ لیچلئے بہت دن ہو گئے ہیں۔

اتنے میں خبر پہنچی کہ ابن زیاد نے اعلان کردیا ہے کہ جو مسلمؑ کے بچوں کو پناہ دے گا وہ سزا پائے گا قاضی شریح کو اپنی جان کا اندیشہ ہوا اور بچوں کے پاس آکر کہا کہ تمھارے باپ تو شہید ہو گئے اور اب تمھاری جان بھی خطرہ میں ہے کل ایک قافلہ مدینہ کو جا رہا ہے میں تمھیں اس کے ساتھ کردوں گا یہ بدنصیب دونوں ہاتھ سے اپنا کلیجہ پکڑ کر رہ گئے اور حسرت و یاس سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے قاضی شریح نے اپنے لڑکے کے ہاتھ ان کو بھیجا تو قافلہ روانہ ہوچکا تھا قاضی شریح کا لڑکا اسد نے کہا کہ قافلہ ابھی دور نہیں گیا ہے دوڑ کر شامل ہو جاؤ اسد تو یہ کہکر

کوفہ کو چل دیا اور یہ بچے قافلہ کے پیچھے دوڑ پڑے۔

چھ اور آٹھ برس کے بچے جنگل میں دوڑے جا رہے ہیں، پاؤں لہو لہان ہیں دل سہما جا رہا ہے، پتھروں کی ٹھوکریں، کانٹوں کی چبھن اور [illegible] سائیں سائیں یہ تمام چیزیں ننھی سی جانوں کو دہلائے دے رہی تھیں [illegible] کر بیٹھ [illegible] جاگتے، ہانپتے کانپتے، خوف و ہراس سے چاروں طرف دیکھتے، زمین و [illegible] آسمان [illegible] یتیمان مسلم پر کیسا نازک وقت تھا کہ ان بدنصیبوں پر بیکسی بھی آنسو گرا رہی تھی آسمان کے فرشتے رو رہے تھے اور عرش عظیم تھرا رہا تھا۔

آہ یتیمان مسلم کی کیسی دردناک اور جگر شق کر دینے والی حالت ہے کہ ان ننھی سی جانوں کو ڈرانے اور ستانے کے لئے دنیا جہان کے مصائب و شدائد متفق ہو گئے ہیں سینہ میں انسانی دل رکھنے والو! غور کرو ان بدنصیبوں پر رات کیسے گذری ہوگی اور ظلمت و غم اور خوف ہراس کے دریا کو کیسے پار کیا ہوگا۔ کیا دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ درد انگیز تصویر پیش کر سکتی ہے، ہرگز نہیں

جب ہر طرف سے یہ دونوں گلفام مایوس ہو گئے اور موت کی تصویر ہر طرف نظر آنے لگی تو ایک کھوکھلا درخت نظر آیا اور یہ اس میں بیٹھ گئے۔ حسرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے چھوٹے بھائی ابراہیم نے کہا پیارے بھائی جان میرا تو دل دھڑکتا ہے خبر نہیں ہم پر کیا گذرے گی۔ اب ہم مدینہ کیسے جائیں گے اور امی جان کو اپنے لہو لہان پیر کیسے دکھائیں گے اگر امی جان پاس ہوتیں تو میں ان کے گلے سے لگ کر کہتا کہ دیکھو اماں میرے پیر میں کتنے کانٹے لگے ہیں بیچارے بھائی کیا جواب دیتے سن کر چپ ہو گئے پھر جو کچھ خیال آیا تو ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگے ساری رات اسی طرح رو کر کاٹی صبح کو اس درخت کے نیچے چشمہ سے پانی بھرنے کے لئے ایک لونڈی آئی تو دیکھا کہ دو حور کے بچے گلے ملے ہوئے رو رہے ہیں پوچھا بچو تم کس کے چمنستان آرزو کے پھول ہو اور تم یہاں جنگل میں کہاں فلک کے ستائے ہوئے بدنصیبوں نے سارا ماجرا سنا دیا لونڈی نے یہ دردناک کہانی اپنی مالکہ کو سنا دی عورت بڑی رحم دل، خدا ترس اور اللہ والی تھی کہا جا ان دونوں بچوں کو یہاں لے آ وہ جا کر لے آئی مالکہ نے ان کمہلائے ہوئے چہروں اور بھولی صورتوں کو دیکھا جن کے چہروں پر حسرت و بیکسی برس رہی تھی جن کی معصومی بزبان حال کہہ رہی تھی کہ ہم فاطمہ زہرا کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور گلشن رسالت کے گل نو دمیدہ ہیں مگر ہماری شگفتگی باد خزاں نے چھین لیا اور ہماری امیدوں کی دنیا اجڑ گئی باپ کو موت نے ہم سے زبردستی چھین لیا، ماں سے ہم دور ہیں، مدینہ
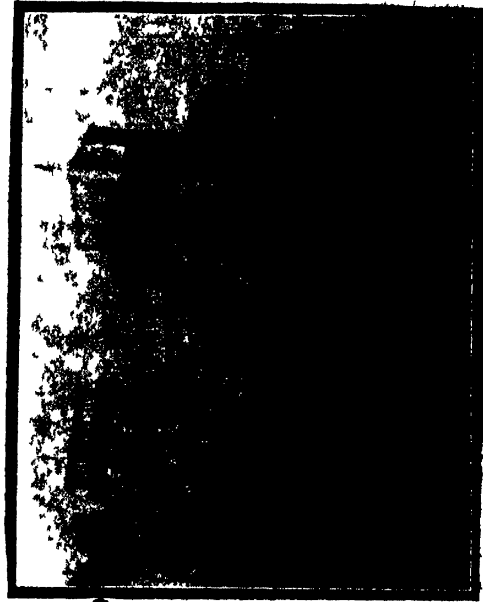
Two different views of the Sacred mountain "Kauvam (Khayam munzil)

کی یاد تڑپا رہی ہے اور کوفہ کی زمین ہمارے خون [illegible]
محبِ رسولؐ کی متوالی آگے بڑھی سر پر ہاتھ پھیرا پیٹ [illegible] کر کہا کہ چاند کے ٹکڑو نہ گھبراؤ
میں تمھیں اپنے سر پر بٹھاؤں گی، تمھارے قدم آنکھوں پر لوں گی، [illegible] پسینہ کی جگہ خون گراؤں گی
اور تم پر اپنی جان فدا کر دوں گی نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے اور کھانا سامنے رکھا مگر باپ کی مفارقت
اور ماں کی دوری یاد آ گئی آنکھوں سے آنسو پٹ پٹ گرنے لگے ایک دو نوالے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا
آخر مالکہ نے تسلی دلاسا دیکر ایک کوٹھری میں سلا دیا۔ ابھی یہ سوئے ہی تھے کہ خواب میں رسول خدا صلعم
نظر آئے دیکھا کہ بہشت میں تشریف فرما ہیں اور مسلمؓ سے فرما رہے ہیں کہ مسلم! تم اپنے بچوں کو ظالموں میں
اکیلے چھوڑ آئے انہوں نے عرض کیا حضور وہ بھی آیا ہی چاہتے ہیں یہ خواب دیکھ کر بچے جاگ اٹھے
اور رونے لگے۔ ان کے رونے کی آواز سے اس عورت کا خاوند حارث بھی جاگ اٹھا پوچھا یہ کسکی
آواز ہے اللہ والی نے بیان کر دیا کہ یہ یتیمانِ مسلم ہیں جو اپنے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے میرے گھر
میں پناہ گزیں ہیں۔ حارث ان کی تلاش میں تھا کہ انعام حاصل کرے خوشی خوشی اٹھا اور کوٹھری میں
جا کر نہایت بیدردی کے ساتھ ان کے لمبے لمبے بال پکڑ لئے اور کھینچتا ہوا باہر نکال لایا۔

بیوی۔ میرے سرتاج تمھاری عقل کو کیا ہوا۔ تم ایسے سنگدل کیوں بن گئے خدارا بن ماں
باپ کے بچوں پر رحم کرو یہ اہلبیت کے چراغ ہیں ان کو گل نہ کرو کہ ہمارا چراغِ ایمان گل ہو جائیگا
آخر ان بچوں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے اگر دولت کی ہوس ہے تو یاد رکھو یہ دنیا فانی ہے ان کے
خونِ ناحق سے دوزخ میں اپنا گھر نہ بناؤ۔

حارث۔ بیوقوف عورت ہٹ جا سامنے سے اور میرے ارادہ میں مزاحم نہ ہو دولت
ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو اعزاز و مرتبہ دلاتی ہے۔

بیوی۔ (ہاتھ جوڑ کر) دیکھ یہ سیدزادے ہیں انہی کے گھرانے سے ہدایت کا چشمہ پھوٹا
انہی کے نانا جان کا تو کلمہ پڑھتا ہے ارے ظالم یہ نازک ہاتھ جن کو تو نے رسی سے باندھا ہے
تو اس لائق تھے کہ ان کو چوما جاتا یہ غریب الوطن اور قابل رحم ہیں ان بیگناہوں کو نہ ستا انھوں
نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔

بچے۔ (عورت سے) دیکھو بی اس وقت تم ہماری اماں ہو تم نے ہمیں نہلایا دھلایا تھا اور
تھپک کر سلایا تھا ہمیں ان سے بچاؤ یہ ہمیں مارتے ہیں ہم نے تو ان کا کچھ نہیں بگاڑا دیکھو انھوں نے
ہمارے ہاتھوں کو اس زور سے کس کر باندھا ہے کہ نیل پڑ گئے ہیں۔

عورت - بچوں کے قدموں پر گری اور کہا۔ آنکھ کے تارو! میں کیا کروں اس ظالم کو رحم نہیں آتا میرا فریاد اور تمہاری آہ وزاری سے پہاڑ پگھل جاتا مگر اس کا دل نرم نہیں ہوا میری تقدیر کا لکھا میرے سامنے آیا تمہاری تکلیف اور بے بسی دیکھ کر میری روح پگھلی جا رہی ہے مگر بے بس ہوں تمہارے طمانچوں کے نشان میرے دل پر ہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہوں قیامت کے روز مجھ گنہگار کی لاج رکھ لینا میں تمہیں اکیلا نہ جانے دوں گی بلکہ تمہارے ساتھ میں بھی جنت میں چلوں گی۔

اس تعزیر اور حالت سے حارث اور بھی زیادہ برا فروختہ ہوا تن بدن میں آگ لگ گئی اور بچوں کے پھول سے رخساروں پر طمانچے مارے اور تیغ آبدار کھینچ لی بیوی اور کنیز سامنے آگئیں کہ پہلے ہمیں ان کے قدموں پر نثار کر بعد ان کو ہاتھ لگا تو ظالم نے پہلے انہی کا چراغ ہستی گل کیا پھر دونوں بھائیوں کی گردنیں تن سے جدا کر دیں۔

صابری یہ فضل ہے اللہ کا محرم راز محمدؐ کر دیا

محمد

رے کو اُو پریم کی آئی کشش مصطفٰےؐ کا آنکھ میں نقشہ کھچا

حکیم مرزا بشیر احمد صابری

مصور غم علامہ راشد الخیری دہلوی

حضرت امام حسینؑ علی اصغرؑ کو سپرد زمین کر کے خیمہ کی طرف آرہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے آتا دکھائی دیا قریب پہنچا تو اونٹ بٹھا کر نیچے اترا ہاتھ چوم کر قدموں میں گرا اور کہا چہرۂ اقدس کی کیا کیفیت ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مدینہ کا مسافر ہوں اور چونکہ ایک وعدہ کر چکا ہوں اس کے ایفا کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ فرمائیے یہ سامنے کس کا لشکر ہے اور کس کا خیمہ ہے آپ کا قیام کس جگہ ہے اور بیعت یزید کا کیا حشر ہوا سنا تھا کوفہ آپ کے ساتھ ہے معلوم ہوا آپ کربلا میں مقیم ہیں۔ امام حسینؑ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا تم نے میرے واسطے کیوں تکلیف اٹھائی وعدہ کس کا ہے کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔

مسافر نے کہا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں اور بنو فاطمہ کا غلام ہوں ایک روز دوپہر کے وقت گرمی غضب کی پڑ رہی تھی میں ایک گلی سے جا رہا تھا کہ میں نے یا حسینؑ یا حسینؑ کی جگر خراش آواز سنی اور یہ آواز اس قدر دردناک تھی کہ کلیجہ کے پار ہوئی جاتی تھی میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ ایک لڑکی دروازہ میں زمین پر بیٹھی یا حسینؑ حسینؑ کے نعرے لگا رہی ہے میں نے پاس جا کر پوچھا کہ تو کون ہے اور حسینؑ کو کیوں پکار رہی ہے میرے سوال پر اس لئے کہ اس میں تسکین تھی اس کا دل بھر آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا۔ کہ آج مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا نماز فجر کے بعد دروازہ میں آ بیٹھتی ہوں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میرے دل کی لگی کو بجھا دے

کوئی اولاد والا مجھ پر رحم کھا کر میرے باپ تک میرا پیغام پہنچا دے آنکھیں رستے کو لگی ہوئی ہیں کہ اپنے باپ حسینؑ ابن علیؑ کی صورت کی زیارت کروں، مائیں اپنے بچوں کو گود میں لئے باپ اپنی بچیوں کی انگلی پکڑے ہوئے آنکھوں کے سامنے نکلتے ہیں ان سے سوال کرتی ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ کی خیریت بتا دو وہ میری طرف دیکھکر چلے جاتے ہیں کوئی مسلمان میری رُخ نہیں کرتا۔ میں بیمار ہوں اور اس دنیا میں چند روز کی مہمان ہوں۔ ایک بدنصیب لڑکی جو دنیا سے ناشاد و نامراد اٹھ رہی ہے اپنے نانا کی امت سے رو رو کر التجا کر رہی ہے کہ واسطہ خدا کا باپ سے بچھڑی ہوئی بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغراؑ کا خط اس کے باپ تک پہنچا دو۔ اے بھائی سانڈنی سوار! اگر تو کوفہ کی طرف جاتا ہے تو اپنے بچہ کا صدقہ مجکو ساتھ لے لے مجھے بیمار نہ سمجھ میں تیرے اونٹ کے ساتھ بھاگوں گی میں تجھے کھانے پینے کی تکلیف نہ دوں گی میری بھوک اڑ گئی میری پیاس ختم ہو گئی تو جہانتک جائے مجھے ساتھ لے جب کہیں اور جائے تو مجھے راستہ بتا دے میں پوچھتے پوچھتے کوفہ چلی جاوں گی یقین کر میرے پاؤں باپ کی زیارت کو تیرے اونٹ سے زیادہ تیز اٹھیں گے ملاقات کا شوق میرے تکان کو دور کر دے گا اور میں ہانپتی کانپتی نہیں اچھلتی کودتی اپنے کنبہ میں پہنچ جاؤں گی میرے پاس کچھ نہیں جو تجکو دوں یہ کپڑوں کے دو جوڑے ہیں تیرے بچوں کے کام آجائیں گے یہ ایک چھلنی ہے اگر تیرا دل قبول کرے میرا زخمی دل تجھ کو دعائیں دے گا خدا تیرے بچوں کی عمر دراز کرے میری آنکھیں اپنے بابا کی صورت کو ترس رہی ہیں میرا دل بھائیوں کے دیکھنے کو تڑپ رہا ہے۔ اے سانڈنی سوار ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے تارے گن گن کر صبح ہوتی ہے جس وقت اذاں کی صدا بلند ہوتی ہے تو دل کہتا ہے کہ آج باپ کی زیات نصیب ہوگی مگر جب وہی مؤذن مغرب کا پیغام پہنچاتا ہے تو آکر لیٹ جاتی ہوں اور دروازہ کھلا رکھتی ہوں کہ میرے باپ کو آواز دینے کی تکلیف نہ ہو۔ اے خوش نصیب مسلمان حسینؑ سے بچھڑی ہوئی صغراؑ کی دعائیں لے یہ دکھے ہوئے دل کی صدا خدا کے حضور میں قبول ہوگی۔

اتنا کہکر بیمار بچی بابا بابا کہکر بیہوش ہو گئی۔ میں نے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچی بخار میں بھلس رہی ہے میرا دل کٹ گیا میرے آنسو نکل پڑے جب دیکھا بیمار کی ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی ہیں گوشت کا پتہ نہیں اور سانس ہڈیوں میں چل رہا ہے میں چیخ اٹھا جب مجھے معلوم ہوا کہ مظلوم بچی کی زبان سے بیہوشی میں بھی باپ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں جس وقت بیمار بچی ہوش میں آئی تو میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھکر کہا کچھ اس لئے نہیں کہ میں مسلمان ہوں

بلکہ اسلئے اور صرف اسلئے کہ یہ کیفیت دیکھکر میرا دل تڑپ اٹھا میں تیرے سامنے قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تیرا یہ خط تیرے باپ تک نہ پہونچا دوں گا مجھ کو زندگی ہر حالت حرام ہے میری بیمار بچی یہ کپڑوں کے جوڑے خدا تجھ کو نصیب کرے میں اپنی خدمت کی اجرت قیامت کے روز تیرے نانا سے لوں گا زمین شق ہو اور میں سما جاؤں اس سے پہلے کہ تجھ سے اپنا معاوضہ طلب کروں میرا بچہ بیمار ہے اور میں اس کے واسطے دودھ لینے آیا ہوں مگر کٹ جائیں یہ قدم اب اگر گھر واپس ہوں اور پھوٹ جائیں یہ آنکھیں اگر اپنے بچہ کی صورت تیرا پیام پہنچانے سے پہلے دیکھ لیں میں تجھ کو ضرور ساتھ لیجاتا لیکن تو دیکھ لے میرے اونٹ پر کجاوہ نہیں ہے اس کو باندھنے جا رہا تھا مگر خدا کے بھروسہ پر تیری خدمت کو روانہ ہوتا ہوں۔

میں اب الفاظ میں وہ کیفیت بیان نہیں کر سکتا جو بیمار پر طاری ہوئی وہ میری گفتگو سے ساکت ہو گئی حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگی اور اتنا کہا کہ خدا کے واسطے مجھے گناہگار نہ کر اور پہلے اپنے ننھے کو دودھ دے آ ایسا نہ ہو وہ روئے اور اس کا صبر مجھ پر پڑ جائے۔ اے بھائی! میرا بھی ایک معصوم بھائی بابا کے ہمراہ ہے اس کی تصویر میرے آنکھوں کے سامنے پھر گئی پہلے اپنے بچہ کو دودھ دے آ۔ خدا تیری ماتا ٹھنڈی رکھے تیرے بچہ کی ہزاری عمر ہو اور سب بچوں کے طفیل میں میرا بھائی بھی جئے۔ میں نے ہر چند کہا مگر وہ نہ مانی اور میں بچہ کا دودھ دیتے ہی کوفہ روانہ ہوا پرسوں صبح کو جب میں کوفہ پہنچا ہوں تو معلوم ہوا کہ آپ کربلا میں تشریف فرما ہیں خدا را بتائیے کیا حالت ہے اور یہ کیا کیفیت گذری ہے۔

امام حسینؑ نے قاصد کی طرف دیکھکر ہاتھ بڑھایا خط لیا اور کہا:-

پیارے بھائی تو میری بچی کا خط لیکر آیا ہے تیرا شکریہ نہیں ادا کر سکتا جس بچی کا تو پیامبر ہے وہ میری بیمار بیٹی صغرا ہے اور میں اس وقت جس حال میں ہوں خدا میرے جانی دشمن یزید، ابن زیاد اور عمر سعد کو بھی اس سے محفوظ رکھے تجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اس باپ کی گود میں پرورش پائی ہے اور میں اس ماں کے دودھ سے پلا ہوں جنھوں نے مہمانوں کے واسطے خود فاقے کئے مگر اس وقت اس قابل بھی نہیں کہ صغرا کے مہمان کو دو گھونٹ پانی بھی پلا دوں بھائی! آج تیسرا دن ہے کہ آل رسول پر یزید اور ابن زیاد کے ظلم سے عمر و سعد نے دانا پانی بند کر رکھا ہے میرا تمام خاندان بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر میدان جنگ میں ختم ہو چکا صبح سے اب تک سب کا صفایا ہو گیا جس اصغر کا تو ذکر کر رہا ہے اور جس کی یاد میں بیمار صغرا

نے تجھکو دودھ کے واسطے بھیجا وہ دودھ تو درکنار پانی کے چند قطروں کو تڑپتے ہوئے زمین کے نیچے پہنچ گیا میری بہن کے دونوں بچے عون و محمدؑ قبروں میں اس معصوم کو لوریاں دے رہے ہیں جن ہاتھوں میں یہ خط لیا ہے یہ اکبرؑ جیسے شیر اور قاسمؑ جیسے پیارے خاک میں لٹا چکے میرے بھائی میری بچی کے اور میرے سچے محسن قیامت کے روز تیری دعوت کردوں گا اور جس طرح تو نے عہد کیا ہے میں بھی میدان کربلا میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حوض کوثر سے تجھ کو سیراب نہ کروں گا مجھ کو ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔

قاصد قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ اجازت دیجئے کہ عمر و سعد ملعون کے مقابلہ میں جا کر نثار ہوں امام حسینؑ نے اس کا شکریہ ادا کیا مگر جب اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا تیری خدمت یہی ہے جو تو نے انجام دی اب اس کا جواب بھی بیمار بچی کو پہنچا دے ذرا میں اسکو پڑھ لوں اور عورتوں کو سنا دوں یہ کہکر امام حسینؑ خیمہ میں تشریف لائے اور خط پڑھنا شروع کیا۔

بابا! ایک مہینہ ایک سال ہو گیا۔ راتیں آنکھوں میں کٹتی ہیں اور دن دروازہ میں ختم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا تو اچھی ہو جاؤ گی بلوا لوں گا۔ بابا اب میں بالکل اچھی ہوں بخار کو آرام اور کھانسی کو بھی آپ کے پاس اللہ رکھے سب بچے موجود ہیں ان کو دیکھکر دل بہلاتے ہونگے مجھ بیمار کو کیوں یاد کرنے لگے ایسے بھولے کہ خیر صلاح تک نہ بھیجی اچھے میرے ابا جان میرا قصور معاف کر دیجئے میں آپ کے چلتے وقت روئی نہیں تھی جو آپ خفا ہو گئے ہیں تو اوڑھنی سے یونہی منہ پوچھ رہی تھی میرے ابا مجھے جلدی سے اپنے پاس بلوائیے دیکھئے تو سہی مجھ پر کیا گذری ہے۔ اصغرؑ بھیا کی یاد میں گھنٹوں مچھلی کی طرح تڑپتی ہوں اب تو ماشاء اللہ اور بھی زیادہ گھٹنوں چلتے ہوں گے ہائے کس طرح کہوں کلیجہ منہ کو آتا ہے بھیا کو دیکھے کتنے دن ہو گئے نام لے لیکر کس طرح ہمکتے تھے ارے میرا بھائی الٰہی ہزاری عمر ہو، اکبر بھیا بھی مجھکو بھول گئے ہیں تو سب کی کنیز ہوں پھوپی جان سے یہ امید نہ تھی کہ اپنی لونڈی کو اس طرح بھول جائیں گی اور پلٹ کر خبر تک نہ لیں گی میں یہ تو نہیں کہتی کہ وہ مجھے بھائی کی اولاد سمجھیں اور بھتیجی کہیں مجھے اپنے بھائی کی ماما ہی سمجھ لیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ خدمت کروں گی لونڈی باندی کو عذر ہو گا اور مجھے عذر نہ ہو گا رات بھر آپ کے پاؤں دباؤں گی اماں بیوی کا سر دہلاؤں گی۔ پھوپی جان کا اور ان کے بچوں کا کھانا پکاؤں گی اکبر بھائی کے کپڑے سیوں گی۔ اصغرؑ بھیا کو ساتھ سلاؤں گی لوری دوں گی منہ ہاتھ دھلاؤں گی ننھا سا دلہا بناؤں گی، بابا جان آپ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ میں نے

سنا ہے دادی جان ایسی نرم دل تھیں کہ چکی پیس پیس کر اللہ کے نام دیتی تھیں۔ باباجان آپ اللہ کے نام مجھے اپنے پاس بلا لیجئے ارے رے مجھے سب ہی بھول گئے اماں بیوی، پھوپی جان اکبر بھیا کسی کو بھی میرا دھیان نہ رہا۔ بابا! رہ رہ کر کلیجہ میں ہوک اٹھتی ہے آنکھیں سب کی صورتوں کو ترس رہی ہیں میں نے اپنے اصغرؑ کے واسطے ایک شلوکا تیار کیا ہے انشاءاللہ اپنے ہاتھ سے پہناؤنگی پھوپی جان اپنے بچوں میں ایسی لگیں کہ اتنا بھی خیال نہ رہا کہ جلدی بلانے کا وعدہ کر آئی ہوں جلدی ہی جلدی میں اتنے دن تو ہو گئے اب خبر نہیں کہ وہ جلدی کب پوری ہو گی ۔"

رو رو کر اور ہچکیاں لے لیکر امام حسینؑ نے بیمار صغراؑ کا خط ختم کیا اور باہر نکل کر قاصد سے فرمایا:۔ احسان ہو گا اگر میرا یہ پیغام میری بچی تک پہنچا دو گے کہ جب موت سر پر کھیل رہی تھی جب زندگی کا حقیقی مقصد مکمل ہو رہا تھا، جب دلی خواہش کے پورا ہونے کا وقت آچکا تھا، جب حسینؑ میدان کربلا میں نانا کی امت کو صبر و استقلال کے معنے بتا رہا تھا۔ جب حسینؑ کی آنکھیں زینبؑ کو بن بچوں کا دیکھ چکی تھیں جب حسینؑ کی نشانی حسینؑ کی بدولت اس کے سامنے دنیا سے مٹ چکی تھی، جب حسینؑ کے ہاتھ اصغرؑ و اکبرؑ کو قبروں میں دبا چکے تھے، جب عباسؑ حسینؑ کی کمر توڑ چکا تھا جب ماں اور باپ کی صدائے تحسین اور بھائی کے مرحبا کے نعرے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے جب نانا کی مقدس آواز اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اور جس وقت اس کے اپنے بھائی اور بہن کے بچے کلمہ توحید پر قربان ہو چکے تھے اور جب ایک بیمار بچی کے سوا جو اس سے کوسوں دور اس کی یاد میں تڑپ رہی تھی اس کے مردہ بچے اس کی آنکھ کے سامنے تھے اس وقت اس کو صرف ایک ارمان تھا اور وہ یہ کہ زندگی کے ان آخری لمحوں میں وہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل، اپنی اس بچی کی صورت دیکھ لے جس کی یاد میں نیند اچٹتی تھی اور جس کے خیال سے دل روتا تھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ساعت آخر میں وہ خواہش بھی پوری ہوئی اور صغرا کا خط پہنچ گیا۔ میرے پیارے بھائی میں موجود نہ ہوں گا مگر صغرا کے سامنے شہادت دیجیو کہ شہادت سے قبل حسینؑ نے تیرے خط کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا بھائی جو دیکھ رہا ہے وہ کہہ دیجیو جو سنا ہے وہ سنا دیجیو اور کہیو تجھ کو خدا کے سپرد کیا وہی تیرا حافظ و نگہبان ہے جن کو یاد کر رہی ہے وہ سب خدا کے ہاں پہنچ گئے ماں اور پھوپی اگر زندہ رہیں تو خدا جانے کیسی کیسی تحقیر و تذلیل کے بعد تجھ تک پہنچیگی باپ کی یاد اگر زیادہ ستائے صبر سے کام لیجیو بھائی اب تو میرے سامنے سے رخصت ہو جا ایسا نہ ہو دشمن تیرا بھی خاتمہ کر دیں اور میرا پیام میری بچی تک نہ پہنچے۔

(ماخوذ)

سلام

از جناب سید سبط حسن الحسینی خوشتر جونپوری

نہ تو مرحب ہی رہا اور نہ عنتر باقی
رہ گیا تذکرۂ فاتحِ خیبر باقی

مٹ گئے نامِ محمدؐ کے مٹانے والے
آج تک کرب و بلا میں ہیں بہتر باقی

ذکرِ مظلومؑ ہر اک فرد بشر کرتا ہے
قتل ہو کر بھی رہے سبطِ پیمبرؐ باقی

مٹ نہیں سکتا زمانہ کے مٹانے سے کبھی
حشر تک یوں ہی رہیگا غمِ سرورؑ باقی

نہ رہا شام میں کوئی نہ رہا کوفہ میں
ہے مگر ذکرِ جہادِ علی اکبرؑ باقی

ہو گیا منقطع النسل عدوِ نبوی
شان میں اسکی رہیگا ھو الابتر باقی

ق

کھینچ کے تیغ یہ کہتے تھے علمدارِ جری
دیکھ لو ہے مری شمشیر میں جوہر باقی

پانی مشکیزہ میں بھر لینے دو بہرِ اطفال
ورنہ پھر شمر رہیگا نہ یہ لشکر باقی

نہر سے ابنِ علیؑ کو کوئی سرکا نہ سکا
اب بھی ہے قبضۂ عباسؑ دلاور باقی

ق

کام جب آچکے سب یاور و انصارِ حسینؑ
رہ گئے یکہ و تنہا شہِ صفدر باقی

کہہ کے رخصت ہوئے شبیرؑ یہ بیمار سے آہ
اب نہ اکبرؑ ہی رہے اور نہ اصغرؑ باقی

کربلا میں تو ہوئی قتل سب آلِ رسولؐ
اک فقط رہ گئے تھے عابدِ مضطرؑ باقی

سحر و شام شفق دیکھو لہو کے ہمرنگ
خونِ اصغرؑ کا اثر ہے یہ فلک پر باقی

ق

کس طرح بھائی کے لاشہ کو بہن پہنچانے
کہ نہیں جسم پہ اب فرقِ مطہرؑ باقی

ہائے پامال نہ کی ہوتی شہیدوں کی لاش
کاش رہنے دیا ہوتا تنِ بے سر باقی

ہم مسلمانوں کے ہیں خانۂ دل بیتِ حزن
گر مدینہ میں نہیں فاطمہؑ کا گھر باقی

جب کہ یہ سن لیا خوشتر نے کہ پیاسے تھے حسینؑ
تشنگی اب نہیں اے ساقیِ کوثرؑ باقی

رونقِ بزمِ حیات

(۲)

از

جناب محمودہ اختر صاحبہ

السلام اے مجمع والاصفات | السلام اے رونقِ بزمِ حیات

اے شہیدِ کربلا، اے فاتحِ ملکِ جفا | اے ذبیحِ نینوا اے رہبرِ صدق و صفا

اے شفیعِ امتِ محبوبِ ربّ العالمین | اے حسینؑ، فرزندِ دلبند امام المشرقین

اے سراپا نورِ حق، اے سیّد عالی وقار | اے مجسّم صبر، ابن المرتضیٰ، والابرار

اے فدائے حق پرستی، اے شہِ عالی ہمم | جادۂ حق سے ہٹے تھے، کب بھلا تیرے قدم

اے حسینؑ اے زورِ بازوئے علیؑ | صاحبِ صبر و رضا، اے پیکرِ نورِ نبیؐ

اے عظیم المرتبت، اے صاحبِ عزم و ثبات | تو نے واضح کر دیا، جو تھا نہاں رازِ حیات

تیری عظمت نے شہادت کو دیا کچھ اور شان | تیرا باعث ہے شہادت ایک عظمت کا نشان

مخزنِ حلم و وفا، اے منبعِ لطف و کرم | حق کی خاطر تیری گردن پر چلی تیغِ ستم

کام وہ تو نے کیا اے مجمع والاصفات
نام تیرا بن گیا ہے "رونقِ بزمِ حیات"

کب زیارت ہو میسر جاؤں کب میں کربلا | اب تو محمودہ یہی دن رات ہے میری دعا

اس کوہ مقدس کو (جو بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) ایک چھوٹی ناہموار پہاڑی پر شریعتمدار سلطان الواعظین مولانا مولوی عباس علی شریف صاحب قبلہ مرحوم و مغفور نے لواء مبارک (نشان) نصب فرماکر قائم آل نبیؐ کے نام نامی سے منسوب فرمایا اس واجب الاحترام وادی پر ہر جمعہ اول کو بوقت عصر مجلس عزا برپا ہوتی ہے اور بعد مجلس حضار کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ۱۴ شعبان المعظم کو بوقت عصر لواء مبارک نصب اور اس رات اعمال بجالائے جاتے ہیں۔ ۱۵ شعبان المعظم کو بوقت عصر جشن میلاد صاحب العصر و الزمانؑ منعقد ہوتا ہے بلدہ کے نامی گرامی شعراء بارگاہ مقدس میں بحضور حضرت صاحبؑ قصائد خوانی سے مجلس میلاد کو رشک فردوس بنادیتے ہیں۔ سامعین کے نعرۂ صلوات سے تمامی کوہ مقدس معطر ہوجاتا ہے ۲۹ ذی الحجۃ الحرام کو بوقت مغرب سیاہ لواء نصب اور عاشور خانہ استادکیا جاتا ہے زائرین ہر موقع پر کافی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اس کوہ کے بانی و متولی عالم متبحر فاضل جلیل شریعت مدار اشرف الواعظین مولانا مولوی عباس علی شریف صاحب قبلہ طاب ثراہ تھے جن کا انتقال بتاریخ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ روز شنبہ بوقت پانچ ساعت شام بعمر (۶۱) سالگی ہوا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

اس وقت کوہ مقدس کے منتظمین جناب مولوی میر جوہر علی شریف صاحب اور جناب مولوی قیصر علی شریف صاحب اور جناب مولوی صفدر علی شریف صاحب بی۔ٹی اور جناب سکندر علی شریف صاحب مرحوم قبلہ و کعبہ کی یادگار ہیں اول الذکر سب سے بڑے فرزند ہیں۔

جناب مولوی سید عباس حسین صاحب معصوم بھی جو مرحوم کے بڑے داماد ہیں کوہ مبارک کے انتظام میں خاص حصہ لیتے ہیں۔ ہر جمعہ اول کو زائرین کثیر تعداد میں اس کوہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے ہیں۔ اس وادی مقدس سے ابتک متعدد معجزات ظہور میں آئے ہیں از آنجملہ اس کوہ اقدس پر ایک چشمہ ہے اس چشمہ کا پانی اگر کسی دائم المرض کو پلایا جائے تو خدا کے فضل سے فوری شفا پائے اس کوہ مقدس کی خاص بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دیگر مقدس مقامات کے پہاڑی پر جوتا پہنے چڑھنا سخت منع ہے جس کی خاص طور پر نگرانی کیجاتی ہے۔ کمان اول ہی پر پا برہنہ ہو جانا پڑتا ہے واقعاً یہ انتظام جو متعلق بہ احترام کوہ مقدس سے نہایت اچھی ہے خداوند عالم ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم دوسرے مقامات مقدسہ کا بھی احترام اسیطرح کریں

صمصام شیرازی

مظہرِ شانِ محمدؐ مصطفےٰ — ہیں حقیقت میں علیِؑ مرتضےٰ

(ع) کو جب (ی) کے اوپر لکھ دیا — لام مٹ کر وال کیصورت بنا

کوئی بتلادے کہ کسکی شان میں — لحمک لحمی کہا اور دمک دمی کہا

سننے والوں پر یہ فرض عین ہے — دونوں ناموں پر کہیں صلِّ علےٰ

تجھکو نسبت ہی جو دل سے صابری — آج دونوں نام کا عقدہ کھلا

از حکیم مرزا بشیر احمد صاحب صابری

سلام

شفیعِ امّت، خیر الوریٰ ولیِّ خدا
قتیلِ تیغِ جفا، یا حسین ابنِ علیؑ

شبیہِ سرورِ کونین، آں علیؑ اکبر
بسوئے خلد رواں شد، بہ جاں تشنہ لبی

ہزار جان بفدایت کہ یوم عاشورا
فدائے امتِ جدِ خود، شہا کردی

بجائے آب کند حلق تر ز قطرۂ خوں
علیؑ اصغرِ شش ماہ، آہ تشنہ لبی

شہید شد، و نہ شد منحرف ز صدق و صفا
فدا شوم بہ دل و جاں بر آلِ مصطفوی

برائے بخششِ ما، نورِ دیدۂ زہراؑ
شہید گشت، و بشد از برائے ما سببی

برار حاجتِ اختر قریشیٔ مضطر
برائے شاہِ شہیدانِ کربلا، ربّی

اختر

سلکِ جواہر

مرتبۂ عزیزہ کنیز فاطمہ بیگم

قدیم زمانے کی عبادت گاہوں میں پیالے مٹی کے ہوتے تھے اور پجاری سونے کے لیکن آج کل کے مذہبی مناد میں پیالے طلائی ہوتے ہیں اور پجاری مٹی کے۔

اونی چور تو ہتکڑی بیڑی میں جکڑے ہوئے قید خانوں میں سڑ رہے ہیں لیکن بڑے ڈاکو سونے چاندی سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

زمین سرسبز ہو، موسم بھی خوشگوار ہو، پیداوار بھی خوب ہو، پھر بھی اگر کسان و مزدور بھوک سے تڑپ رہے ہوں، تو سمجھنا چاہئے کہ ملک کی حکومت ناکارہ ہاتھوں میں ہے۔

بادشاہ کا رعایا کے باب میں سستی کرنا اس کے ظلم سے بڑھکر ہے۔

اگر مجھ سے کہا جائے کہ زمانہ کے حوادث سے امن و امان تلاش کرلے تو میں صرف عزیزوں سے کنارہ کر لوں گا۔

تمام وہ حکومتیں جو رعایا کی رضامندی کے بغیر حکومت کرتی ہیں، یا اُن کی مرضی کے بغیر قانون بناتی ہیں۔ غلامی کی اصل تصویر ہیں۔

کوئی شئے بھی ایسی مضرت رساں نہیں جیسا کہ وقت کو فضول ضائع کرنا۔

کسی آدمی کو تنہائی میں اُس کی بُرائیوں سے آگاہ کرنا اور اُسے سمجھانا نصیحت کہلاتی ہے۔ لیکن چند آدمیوں کے سامنے کسی کے عیوب ظاہر کرنا بُرائی میں شامل ہے۔

جس طرح تم لوگوں کو اپنا دوست نہیں بنانا چاہتے ہر شخص سے دشمنی بھی نہ برتو۔ اس کی سخت ضرورت ہے کہ دوستوں کی طرح دشمن بھی منتخب کئے جائیں، کیوں؟ اس لئے کہ دراصل دشمن بھی دوست ہے، صرف طریقہ اور روش بدلی ہوتی ہے۔

سب سے محبت کرو۔ اور کسی سے بگاڑ پیدا نہ کرو، اس کے بعد تم دیکھو گے کہ تم فرشتہ بن گئے ہو۔

کسی شخص کو سمجھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی کتابوں سے اتنا کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ جتنا اُس کے قریب بیٹھنے والے دوست نہیں جان سکتے۔ (زمانہ)
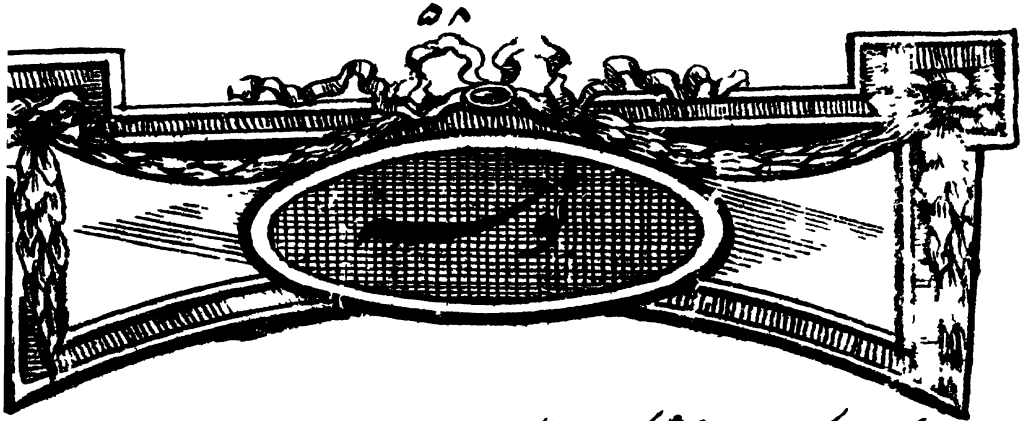
زینبؑ نے کہا "بھائی حسینؑ تو کہاں ہے" ؎ ہر دل میں تمیری یاد ہے، ہر لب پہ فغاں ہے
شبیرؑ سا خورشید مرا، آج نہاں ہے ؎ اندھیر ہے دنیا میں، قیامت کا سماں ہے
ہر آنکھ ہے پُر نم ——— ہر دل میں ترا غم
جب تم نہیں پھر کس کے سہارے پہ جئیں ہم
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

منہ موڑ گئے، مجھکو یہاں چھوڑ کے بھائی ؎ ہے ہے، لُٹی غربت میں لوں اماں کی کمائی
صدقے گئی قرباں ہوئی، لیتی ہوں بلائی ؎ کچھ منہ سے کہو، تمکو ہے، نانا کی دُہائی
کیا مجھ سے خفا ہو؟ ——— غلطی تو بتا دو؟
تنہا نہ مجھے چھوڑ کے جنّت کو سدھارو!!
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

تم حق کے پیارے ہوئے، اے حق کے فدائی ؎ امّت کی شفاعت کیلئے، جان گنوائی
قربانی سے بچّوں کی بھی، تسکین نہ پائی ؎ اے کاش، میں ہو جاتی تصدق مرے بھائی
اماں کو دکھاتی ——— بابا کو سناتی
اُفتاد یہ کہہ کہہ کے میں، اُن سب کو رُلاتی
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

گلزار میں بلبل نہ رہا، ہُو کا ہے عالم } غنچوں کا چٹکنا نہیں، ہے نوحہ ماتم
ہر طائرِ گلشن بھی ہے وقفِ غمِ پیہم } جس آنکھ کو دیکھوں ہے بنی دیدۂ پُر نم
مصروف بکا ہیں ــــــــ سب محوِ عزا ہیں
دوری سے تمھاری یہاں سب نوحہ سرا ہیں
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

مجبور تھی، اے جانِ پدر زینبؑ ناشاد } کام آ گئی، صد شکر، تمھارے، مری اولاد
اس ادنیٰ سی خدمت کو جو کرتی ہوں کبھی یاد } مسرور کبھی ہوتی ہوں، ہوتی ہوں کبھی شاد
اے سرورِ عالم ــــــــ اس کا ہے مگر غم
وہ دو تھے کئی ہوتے، فدا کرتی میں ہر دم
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

اکبرؑ گئے، اصغرؑ گئے، عباسؑ سدھارے } ہے، کیسے کہوں ٹوٹے ہیں کیا عرش کے تارے
تم بھی گئے اب کون رہا، پاس ہمارے } بتلاؤ کہ اب بہن مجھے کون پکارے
اے حق کے فدائی ــــــــ ہے ہے مرے بھائی
جیتی رہی میں ہائے مجھے موت نہ آئی
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

تم ہی کہو بھیّا، جو میں جاؤں گی وطن کو } پوچھیں گے وہاں لوگ مرے شاہِ زمن کو
لِلّٰہ کہو، شرم نہ آئے گی بہن کو } میں کیسے کہوں چھوڑے ہیں وہ دارِ محن کو
پاس اپنے بلا لو ــــــــ اس غم سے چھڑا لو
دیکھو مجھے یوں بحرِ ندامت میں نہ ڈالو
اے بھائی حسینؑ، اے وائے حسینؑ

اختر

سفینہ کی نظر میں (تنقید و تبصرہ)

شہادت نامہ | مؤلفہ عبد السّلام صاحب ذکی، بی۔ اے (عثمانیہ)
کتابت طباعت معمولی، پونیہ سائز، ۸۴ صفحات، قیمت عصہ۔

ملنے کا پتہ:۔ تاجران کتب بلدہ۔

تصنیف و تالیف کا شغل اچھا ضرور ہے۔ بشرطیکہ اس سے منشا جلبِ منفعت اور شہرت نہ ہو۔ افسوس ہے کہ آج کل اکثر کتابیں صرف حصول شہرت کی خاطر لکھی جاتی ہیں، جس کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں کہ مصنفین کی فہرست میں نام شریک ہو۔

زیرِ تبصرہ تالیف شہادت معصومین کے حالات اور کربلا کے سانحہ فاجعہ کی تفصیلات سے ملو ہے، جس کی ترتیب میں تاریخ طبری کے اردو ترجمے، عناصر الشہادتین اور سرّ الشہادتین وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ "شہادت نامہ" کے اندرونی سرورق کی یہ عبارت خصوصیت سے قابل دید ہے:۔

"شہادت نامہ"

(یعنی):۔

"حضرات حسنینؑ اور شہدائے کربلا کے قابلِ دید، دلچسپ اور دلگداز واقعات کا مرقع" اس "قابل دید اور دلچسپ مرقع" کے جملے نے ہمارے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کیا، کربلا کا خونیں واقعہ سنہ ۶۱ھ سے عالم اسلام کو خون کے آنسو رُلا رہا ہے اور قیامت تک رلاتا رہیگا، مگر ذکی صاحب اس کو دلچسپ قرار دیتے ہیں، یہ الفاظ غالباً کسی عشقیہ ناول کے سرورق سے نقل کئے گئے ہیں، ورنہ ایک ذی عقل خون رُلانے والے واقعہ کو ہرگز "دلچسپ مرقع" نہیں کہتا۔ گویا فاضل مؤلف کی نظر میں کربلا کا حادثہ اور حسنینؑ کی شہادت ایک "دلچسپ" چیز ہے۔

یہ تھا سرورق کا حال، اب کتاب کا مطالعہ شروع کیجئے تو دیباچہ کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔

"ناظرین کرام! اس کتاب کو لکھنے سے قبل میرا ارادہ تھا کہ تاریخی واقعات سلیس زبان میں قلمبند کردوں لیکن جب لکھنا شروع کیا تو آغاز سے انجام تک ارادت اہل بیت کے جذبات ظاہر ہونے لگے یہاں تک کہ پوری کتاب حسنِ ارادت سے لبریز ہوگئی ——"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ذکی صاحب کا ابتدائی خیال (تاریخی حالات کی ترتیب) پورا نہ ہو سکا جس کی وجہ کتاب "غیر تاریخی" رہ گئی' اور عبارت جابجا افسانوی صورت میں ظاہر ہوئی ہے' صاحب تالیف کو افسوس ہے کہ "تاریخی حالات کی ترتیب" کے خیال کو "ارادت" میں تبدیل کرنا پڑا' حالانکہ ہر صفحہ پر مستند کتب کے حوالے اور ماخذات اس کتاب کے بعض اجزاء کو تاریخی حیثیت دیتے ہیں اب رہ گیا حصہ "ارادت" تو وہ ناول یا افسانہ کی زبان لیا ہوا ہے' جو "شہادت نامہ" کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔

باب اول کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

"ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے مسجد کوفہ میں متضرر ہو کر حضرت سیدنا علی علیہ السّلام نے بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ کوفہ میں انتقال کیا ــــ"

معلوم ہوتا ہے کہ اس حسنِ ارادت سے متاثر ہو کر جس کا ذکر قبل ازیں آیا ہے' ذکی صاحب حضرت امیر علیہ السّلام کی شہادت کو شہادت تسلیم نہیں کرتے کیونکہ "انتقال" کا لفظ مؤلف کے اس عقیدہ پر دلالت کر رہا ہے۔

فاضل مؤلف کی عبارت بھی کچھ کم "دلچسپ" نہیں' بعض نمونے ملاحظہ ہوں :ــــ

"امیر شام نے یہ چال چلی کہ لشکر شام میں حضرت امام حسنؑ کے سردار کے قتل کی جھوٹی افواہ اور غداری پھیلا دی۔"

غدر پھیلا تو کہتے سنا ہے' مگر غداری کا پھیلانا سننے میں نہیں آیا' ممکن ہے یہ نئی ایجاد اور ادبی غداری ہو۔

حضرت امامؑ عالی مقام سے متعلق لکھتے ہیں کہ :ــ

"نویں محرم کو عصر کے وقت آپ تلوار کے بل گھٹنوں پر سر ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔"

"تلوار کے بل گھٹنوں پر سر ٹیک کر" بیٹھنا ایک نئی روایت ہے' جس کے راوی و اقدیٔ ناب ذکی ہیں۔

اب ذرا اس رنگینی کو ملاحظہ کیجئے :ــ

"ریگستانِ عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں وجہِ حیات یعنی پانی کا سراب ہو جانا ایک دردخیز سانحہ ہے۔"

پانی کا سراب ہو جانا کس قدر ابوالکلامانہ ترکیب ہے ؟ اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں ــــ "مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اس ایجاد کی ماں نے کنوئیں کھدوانے کی صلاح دی" دیکھئے اس مثل کو کس عمدگی سے میدان کربلا کے تذکرہ میں استعمال کیا ہے ؟ تاریخ سے بیگانہ یہی خیال کریگا کہ وہاں "ایجاد" نامی کوئی شخصیت تھی' جس کی والدہ محترمہ نے "کنوئیں کھدوانے کی صلاح دی" کیوں ہے نا یہ بھی ایک ادبی ایجاد ؟

امام مظلومؑ کی وہ تقریر بھی نقل کی گئی ہے جو آپ نے شقی القلب یزیدیوں کے سامنے کہا تھا، اس میں ایک جملہ یہ بھی آگیا ہے:۔

"کیا میں ان کے ولی اور ابن عم کا فرزند نہیں ہوں"؟

اب لفظ ولی پر ایک نوٹ دیا گیا ہے کہ "جو حضرات جناب امیر علیہ السّلام کو وصی مانتے ہیں وہ یہاں ولی کی بجائے وصی پڑھیں" حضرات قارئین کی طرف سے اس اجازت کے لئے ہم جناب ذکی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں بصد تحقیق یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کے بعد آپ نے عربی پوشاک زیبِ تن فرمائی اور عمامۂ نبویؐ سر پہ باندھا" غالباً ذکی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ سے پہلے امام پاک عجمی لباس میں تھے اور جنگ کے وقت عربی لباس زیب بدن فرمایا گیا۔ یہ کیا اسی طرح کی بہت سی بد حواسیوں سے کتاب پُر کیگئی ہے۔

اتفاق سے ذکی صاحب شاعر بھی واقع ہوئے ہیں، اس لئے موقعہ بے موقعہ بکمال انکسار آپ نے داد شاعری بھی دی ہے۔ اور ایک حزنیہ و المیہ تذکرہ کو اشعار کی شرکت سے "قابل دید اور دلچسپ مرقع" بنایا ہے۔ اس کے چند ایک نمونے بھی ملاحظہ ہوں:۔

سیدنا امام حسنؑ کی زہر خورانی کا ذکر کرتے ہوئے کہ یزید ملعون کی سازش سے جعدہ نے آپ کو زہر دیا اور آپ کو تکلیف ہونے لگی، فوراً آپ رسول کریمؐ کی مزار مبارک پر پہونچے۔ اس جگہ شعر کی شدید ضرورت غالباً محسوس ہوئی۔ اس لئے امجد کا یہ شعر لکھ دیا ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں ۔۔۔ دنیا تری گلی میں، عقبیٰ تری گلی میں

حضرت مسلم کے ایک بڑھیا کے گھر میں پناہ لینے کا واقعہ نقل کرتے ہوئے گلفشانی فرماتے ہیں کہ "اس بڑھیا نے آپ کو کھلایا پلایا اور خلوص دل سے خدمت بجا لائی اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماتی تھی" یہاں بھی ایک شعر بطور الہام کے شاید نازل ہوا جو فوراً چسپاں کر دیا گیا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

استعمال کی موزونیت ملاحظہ ہو، یعنی بغیر اس شعر کے آپ کا ذہن ناقص اس بڑھیا کی خوشی اور مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

اور سنئے ـــــ "حارث معصومین مسلم کو ڈھونڈھکر تھک جاتا ہے۔ اور جب گھر آکر

دونوں ننھے شہزادوں کو اپنے ہی گھر میں پاتا ہے تو اُس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی' ذکی صاحب بھی یہاں مجسمۂ حیرت بن گئے۔ جس کا ثبوت یہ کہ بجائے کسی شعر کو ٹھونسنے کے مصرعہ ذیل پر قلم رک گیا یعنی

"یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم"

دیکھئے یتیم و بیکس شہزادوں کو پاکر حارث کے منہ سے اس مصرعہ کا ادا کرنا کس قدر کمال کی ہے؟
اسی حیرت کے سلسلے میں عمر بن سعد کے متعلق بھی ذکی صاحب حیرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ "ایک صحابی کا بیٹا ایسا ناخلف کس طرح پیدا ہوا" یہاں بھی ایک شعر نہیں مصرعہ ضروری تھا جو عرض کیا ہے

"سلف اُن کے وہ تھے' خلف اُن کے یہ ہیں"

غالباً فاضل مؤلف کو یہ یاد نہیں رہا کہ معاویہ بھی صحابی ہی تھے' اور حسینؑ مظلوم کے رونے والے قاتل پر رسول اکرمؐ کے ساتھ وہ بھی لعنت بھیجے تھے' اور کیا آپ ابولہب کو خانوادۂ نبوت سے علیحدہ سمجھ رکھے ہیں۔؟

میدان امتحان میں خیمۂ اہل بیت اطہار کے اطراف خندق کھدوا کر اُس میں آگ جلائی جانا 'وراس آگ کو دیکھکر یزیدی فوج کے ایک سپاہی مالک بن حوزہ کا استہزا کرنا اور آگ میں گرنا نقل کرکے جلدی سے ایک شعر بھی لکھتے ہیں ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بے ہودہ بخت و خیال باطل بست

ہم شبیہ پیمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کا خون رُلانے والا ذکر کرتے ہوے ارشاد ہوتا ہے:۔
"آپ کی والدہ حضرت ام لیلیٰ کا دل مسلسل صدمات کے داغوں سے لالہ زار بنا ہوا تھا"
اور لیجئے ایک شعر بھی آموجود ہوا ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

صدمات کے داغوں سے لالہ زار والی انوکھی ترکیب پر یہ شعر کتنا بھونڈا معلوم ہو رہا ہے۔ بہرحال پوری کتاب سوائے اُن ماخذات کے جو تاریخی ہیں (اور ذکی صاحب کی ذکاوت کی رنگ آمیزی سے بچ رہے ہیں) یقیناً قابل دید اور دلچسپ "ہے
آخر میں "آراء علمائے کرام" کے تحت ہز اکسلنسی سر مہاراجہ بہادر نواب اختر یار جنگ بہادر

قبلہ وکعبہ مولوی سید علی نقی صاحب، قبلہ وکعبہ مولوی سید بندہ حسن صاحب، سید شاہ محمد صاحب شطاری قبلہ مرزا بہادر علی صاحب، جناب امجد اور عبدالمجید صاحب صدیقی ایم۔ اے کی رائیں درج ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ متذکرہ محترم حضرات نے بغیر کتاب ملاحظہ فرمائے یا چند اوراق اچٹتی نظر سے دیکھکر ایسی بیش قرار رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

قابل مؤلف عثمانیہ کے گرائجویٹ ہیں اور شاید بعض چھوٹے چھوٹے رسایل کے مصنف بھی مگر افسوس کہ ان کا یہ تازہ شاہکار کسی صف میں جگہ پانے کے قابل ہماری رائے میں ہرگز نہیں ہے۔

ماہنامہ مسلمہ جالندھر شہر

مدیرہ حمیدا خاتون صاحبہ زیر نگرانی انجمن اشاعت اسلام جالندھر۔ کتابت طباعت عمدہ، کراؤن سائز ۴۲ صفحات

چندہ سالانہ ایک روپیہ — فی پرچہ ۲ر

ہم مسرور ہیں کہ آج کل ہندی نسوانی دنیا خواب غفلت سے چونک رہی ہے غیر مسلم خواتین کی بیداری نے مسلم خواتین کو اب آمادۂ عمل بنایا ہے، عورتوں کی تعلیم جو کبھی گناہ قرار پائی تھی آج ضروری سمجھی جا رہی ہے، ادنیٰ و اعلیٰ ہر گھر میں تعلیم کا چرچا ہے۔ مگر آہ وہی تعلیم جو "چراغ خانہ" کو "شمع انجمن" بنا رہی ہے۔ ہم ایسے علم کے سیکھنے سے جاہل رہنا بہتر سمجھتے ہیں، مغربی معاشرت کی اندھی تقلید مغربی طرز کی بیہودہ گرویدگی کا خمیازہ اب نہ سہی آئندہ نسل کو ضرور بھگتنا پڑیگا۔ ہندی مسلمان عورت کو بے پر کی اُڑانے سے یہ بہتر ہے کہ پہلے مذہبی اور پھر علوم خانہ داری کی تعلیم دی جائے۔ مذہب اس کا ایمان ہو اور گھر کی چار دیواری اس کی دنیا۔

رسالہ زیر بحث بھی اسی ایقان کا حامل اور ان ہی خیالات کو ترویج دے رہا ہے۔ یہ دیکھکر ہمیں خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ اب ہماری بہنوں میں بعض ایسی بھی نکل آئی ہیں جو مغربی طرز و معاشرت کی بُرائیوں کا گہرا مطالعہ کر چکی ہیں، اس سرایت کئے ہوئے زہر کے دفیعہ کا واحد علاج ایسے لٹریچر کی فراہمی ہے جو بگڑی ہوئی ذہنیتوں کو سنوارے، خدا کا شکر ہے کہ اردو کے دس بیس نسائی رسالے جیسے مسلمہ، عصمت، حریم، خاتون، سہیلی، نورجہاں وغیرہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

مسلمہ کا مطالعہ مسلم لڑکیوں کے لئے بیحد ضروری ہے، اس کے ابتک کئی نمبر نکل چکے ہیں۔ ابتدا سے زیر مطالعہ رکھنے کے بعد ہم اس کے ادارہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں برابر کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ اتنا نفیس پرچہ سالانہ صرف

ایک روپیہ کے معاوضہ پر کیسے چل رہا ہے؟ یہ یقیناً مدیرۂ محترمہ اور اُن کے معاونین کی نیک نیتی اور اخلاص کا نتیجہ ہے۔

ماہوار رسالہ انتخاب لکھنؤ } زیر ادارت جناب نقش سلطانپوری۔
کتابت طباعت اوسط، کراؤن سائز ۴۸ صفحات
چندہ سالانہ ۲ روپیہ۔ فی پرچہ ۴؍
مقام اشاعت:۔ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔

صدیق بک ڈپو علمی و ادبی حلقہ میں کافی روشناس ہے، اس کی علمی خدمت خود اس کی شہرت کی ضامن بن گئی ہے۔ زیر نظر رسالہ اسی کتبخانہ کا ایک "انتخابی" آرگن ہے، یوں تو ہندوستان میں آئے دن نئے نئے رسائل منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ مگر یہ ایک جدت کا پہلو لئے ہوئے ہے، یعنی اس کے مضامین کا بیشتر حصہ محض انتخابی ہوتا ہے۔ ہم ادارہ کو اس وقت مبارکباد دیتے جب وہ مضامین کے انتخاب میں کچھ دلچسپی سے کام لیتا۔ اب تک انتخاب کے تین نمبر ہماری نظر سے گذرے ہیں، جس کے اداریہ کے اوپر یہ شعر درج رہا ہے ؎

باغ جہاں میں جو گل معنی کھلا کہیں
دامن میں رکھ لیا نگہِ انتخاب نے

مگر انتخاب کی نگاہ مضامین کے انتخاب میں جیسی کچھ تنگ رہی اس کا ہمیں افسوس ہے، اگر فاضل مدیر ذرا کاوش سے کام لیں تو انتخاب کا دامن "بامعنی" گلوں سے یقینی بھر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ رسالۂ زیر بحث اب تک کوئی گل پیش نہیں کیا، کیا ضرور ہے۔ لیکن کانٹوں کی کثرت نے گل کے جویا کو دور سے ہی کھٹکا دیا۔ دامن انتخاب میں اگر گل ہی گل ہوں تو انشاء اللہ یہ بہت جلد مہک اُٹھے گا۔ جس کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔

حیدری جنتری ۱۳۵۳ھ } مرتبہ شیخ ابو القاسم صاحب مالک مطبع و کتبخانہ حیدری چھتہ بازار حیدرآباد
لکھائی چھپائی بہتر، رائل سائز، ۱۸۰ صفحات (مصور)
قیمت چکنا کاغذ ۱۲؍ کھرا ۸؍

سالہائے گذشتہ کی طرح اس سال بھی مطبع حیدری سے ایک عظیم الشان جنتری شائع ہوئی ہے۔

جس میں تاریخ اور جنتری کے علاوہ مشہور واقعات دعائیں اوقات طلوع و غروب درجات شمس و قمر اور سبعہ اجساد اربعہ عناصر قواعد ٹپہ اور شرح پارسل کرایہ ریل، انبیاء کرام اور ازواج مطہرات وغیرہ کے حالات اور سنہ ولادت و وفات اور شاہان قدیم کے جداول ایران جدید کے حالات علمی اسلامی اور تاریخی واقعات، شاہ فیصل کے حالات زندگی اور دنیا بھر کی کارآمد باتیں نواب کمال یار جنگ بہادر کی سوانح حیات اور مولوی مرزا بہادر علی صاحب کے حالات وغیرہ بہترین چیزیں اس جنتری میں فراہم کی گئی ہیں۔ اس جنتری کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ امید کہ شائقین جنتری کو خرید کر عند اللہ ماجور ہونگے۔ کئی ایک قیمتی تصاویر سے اس کی زینت بڑھائی گئی ہے، بعض تصاویر کے ساتھ ملک کے نوجوان شاعر سید عباس حسین صاحب صمصام کے تاریخی قطعات بھی درج ہیں جو قابل ذکر ہیں۔ صمصام صاحب کے اہتمام نے جنتری کو مرصع کر دیا ہے۔

باز کے سو شعر

انتخاب کلام میر تراب علی خاں صاحب باز
کتابت طباعت عمدہ، جیبی تقطیع، ۳۲ صفحات قیمت ۲ ر
ملنے کا پتہ:۔ کاشانۂ باز بازار گھانسی حیدر آباد دکن۔

حضرت مولنا کیفی کے شاگرد رشید میر تراب علی خاں صاحب باز ایک کہنہ مشق اور جوان عمر شاعر ہیں آپ کا تخیل بلند، زبان صاف روزمرہ حد درجہ لطیف ہے۔ زیر نظر مجموعہ۔ آپ کے ایک سو شعر کا انتخاب ہے۔ جو مختصر حالات اور تصویر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ جیبی تقطیع کے (۳۲) صفحات پر عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

ماہوار زمانہ کانپور

مرتب:۔ پنڈت دیا نارائن نگم بی۔ اے، رائل سائز، کتابت طباعت عمدہ ۶۴ صفحات (مصور)
قیمت سالانہ پانچ روپیہ (کلدار) فی پرچہ ۸ ر

"زمانہ" کے ادارہ کی خواہش ہے کہ ہم زمانہ سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں، مگر حیران ہیں کہ کیا لکھیں، جو چیز سرتا پا حسن و خوبی کا مجموعہ ہو بھلا اس میں قبیح کی تلاش کیا "جستجوئے گرد احمر" کے مرادف نہیں ہے؟ بھلی چیز کو بھلی کہنا آسان ہے مگر بھلائیوں کی تفصیل گنوانا ذرا مشکل ہے کیونکہ گنوانے والا الجھن میں پھنس جاتا ہے کہ کس خوبی کو پہلے گنوائے؟ یہی حال ہمارا ابھی ہے۔ زمانہ کا ہر صفحہ ایک ایک خوبی کا حامل ہوتا ہے، بحیثیت مجموعی اگر یہ کہدیں کہ یہ ایک خوب! وربہت ہی خوب رسالہ ہے تو اگرچہ اس کی پوری تعریف نہیں ہوتی لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ زمانہ کی مقبولیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ برابر پابندی سے بتیس ۳۲ سال سے علم و ادب کی خدمت کر رہا ہے، زمانہ کی ناقدری کے باوجود کسی اردو رسالے کی اتنی طویل عمر ایک عجوبہ سے کم نہیں۔ زمانہ اپنے ہمعصروں میں بلند پایہ مضامین اور تنوع کے لحاظ سے ہمیشہ پیش پیش رہا، ہماری بہترین تمنائیں اس کے ساتھ ہیں اور ہم معزز و موقر ہمعصر کو کامیابی کی انتہائی بلندیوں پر دیکھنے کے متمنی ہیں ——— ق ا

تاریخ طبع محرم نمبر سفینۂ نسواں

نتیجۂ فکر حکیم میرزا نادر علی صاحب رعد

اس سے حاصل نجات نسواں ہے
ہے یہ کیسا سفینۂ نسواں

سال نمبر کی رعد نے تاریخ
نوح و از فضل سفینۂ نسواں

١٣٥٣

(ایضاً)

ماہنامہ کا سال نامہ ہے
خوب و بہتر سفینۂ نسواں

رعد سے بے حساب نے یہ کہا
خاص نمبر سفینۂ نسواں

١٣٥٣

(ایضاً)

شد چو فایق خزینۂ نسواں —— ہست تقویٰ سفینۂ نسواں

١٣٤٢ ف —— ١٣٥٣ ھ

کا مطالعہ آپ کو دوسرے سارے جرائد سے بے نیاز کردیگا۔ ملکی اور بیرونی
تازہ ترین دلچسپ کوائف، ممالک اسلامیہ کے حالات بلند پایہ علمی، ادبی،
سیاسی اور معاشرتی مقالے، عربی ڈاک کے تراجم۔ ایسوسی ایٹڈ اور ریوٹر
کی خبریں غرض یہ وہ خصوصیات ہیں جو رہبر کو ہر دلعزیز بنا رکھے ہیں۔
تفصیلی حالات اور نمونہ کے لئے مینجر کو مخاطب فرمائیے۔

روزنامہ "رہبر دکن"

افضل گنج حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نمبر (۱۵)
تاج حسینہ ہیئر آئل
(اصلی روغن تاج حسینہ)
جملہ امراض سر کے لئے لاجواب علاج، تقویت بصارت میں لاثانی ہے، بالوں کا محافظ، بے شمار فوائد کا مجموعہ ایک دفعہ کا استعمال خود ہمارے بیان کی تصدیق کر دیگا۔
کارخانہ میں نامی گرامی اطباء اور ڈاکٹروں کے صدہا سرٹیفکٹ موجود ہیں
قیمت فی شیشہ کلاں عہ خورد ۱۰/
حیدرآباد میں لکھنو

زرین موقع

جلد نظام صابن کے انعامی ٹکٹ حاصل کیجئے

برادران وطن کی نفع کی غرض سے ہم نے اپنی مشہور و معروف نظام صابن کے ڈبوں و بنڈلوں
میں انعامی ٹکٹ بصراحت ذیل رکھا ہے۔ مال کا مول اور تقدیر آزمائی علاوہ نفع کثیر صرف نقلی صابن
سے بچنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے امید کہ دیسی اشیاء کے قدردان و محبان وطن ضرور
اپنے نفع اور عمدہ چیز کے دستیاب کا موقع اس کی خریدی سے حاصل کر کے کارخانہ کو ترقی کا موقع
دیں گے سکندرآباد و بلدہ حیدرآباد و ممالک محروسہ سرکار عالی و صوبہ برار کی ہر چھوٹی بڑی دکان میں دستیاب
ہو سکتی ہے۔ قیمت فی بنڈل ۹ اور فی ڈبہ ۱۰ جن میں ۳ جوڑواں بٹی ہوتے ہیں۔ یہ نرخ صرف بلدہ
سکندرآباد کے لئے مخصوص ہے۔ امید کہ قدردان و محبان وطن ایسے زرین موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے

تفصیل انعامی ٹکٹ

پہلا ٹکٹ (عنہ) دوسرا ٹکٹ (صہ) تیسرا ٹکٹ (ــہ) چوتھا ٹکٹ (عاں) جن ڈبہ جات یا
بنڈل نظام صابن میں مذکورہ ٹکٹ نکل جاویں مہربانی فرما کر ہماری دکان واقع مہانکالی اسٹریٹ میں
تشریف لا کر بعد ادائی ٹکٹ انعام حاصل فرمالیں

نوٹ:۔ ہر بنڈل یا ڈبہ نظام صابن پر کیل۔ین۔یس محفوظ پا کر خرید لیا کریں۔ مذکورہ انعامی ٹکٹ پر جب تک
کالیرکشٹیا کی دستخط بخط تلنگی نہ ہو وہ مسروقہ تصور کیجائے گی۔ **نوٹ**۔ برادران اہل ہنود کے نئے سال میں تقدیر
آزمائی کا نادر موقع ہے

پروپرائٹرس کالیرکشٹیا اینڈ برادرس مینجنگ بخشت سنچ چاند

سکندرآباد

رشتہ کی ضرورت

ایک تعلیم یافتہ نوجوان ادیب کیلئے ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو خود بھی تعلیم یافتہ ہو۔ لڑکا علمی و ادبی دنیا میں کافی شہرت پاچکا ہے، نیز اوائل عمر میں ہی اسکی حب الوطنی اور ملکی و قومی خدمات دن خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں وہ فی الوقت اپنے ذاتی سرمایہ سے ملک کی ایک اہم خدمت بجالارہا ہے۔ لڑکے کے والدین بخوشی رضامند ہوں گے اگر کوئی صاحب جائداد اوس کو اپنے زیر سایہ رکھ لیں خط و کتابت رازمیں رکھی جائیگی۔

تفصیل کے لئے پتہ ذیل پر باشا نہ ملئے یا ذریعہ ڈاک تصفیہ فرمائیے۔

پتہ — م — ا بتوسط منیجر ماہ نامہ "سفینۂ نسوان"
پوسٹ بکس نمبر (۴) دروازہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

دی امپیریل واشنگ اینڈ ڈائنگ کمپنی
۶۱ جیمس اسٹریٹ سکندرآباد
قایم شدہ سنہ ۱۹۲ رحیم خاں اکشنر بلڈنگ
علمی اصول سے کپڑوں کی صفائی کا
واحد کارخانہ آپکو حیرت ہوگی۔
جب آپ اپنے پرانے اور مستعملہ کپڑے بالکل
نئے پائیں گے ہمارا چودہ سال کا تجربہ ہمیں یہ کہنے پر
مجبور کر رہا ہے کہ رنگوائی اور دھلوائی کا کام
کم اجرت اور وقت کی پابندی کے ساتھ جس طرح ہم کرتے ہیں کوئی نہیں کرسکتا۔

ever relent. With full appreciation of what was coming, they with one unanimous voice decided not to surrender, and stuck to their determination till the last drop of blood was shed on the ground.

This is a unique example of heroic performance unequalled in history, which displays an utter disregard of life and a remarkable degree of fearlessness even in the face of certain death. They had the option before them of yielding to the more powerful physical force, and of the probabilty of saving their lives. But they were moved by a still higher spiritual force, which would not allow their moral sense to be subdued for the sake of worldly benefit. The lesson taught to mankind through this great example of martyrdom undoubtedly is that truth and righteousness must supersede falsehood and injustice, and are never to be sacrificed even under pressure of necessity.

There is not a single Muslim who has not been moved to tears on reading or listening to the harrowing account of this historic martyrdom. Hazrat Imam Husain has indeed had the love and affection of the true Mussalmans of all ages, and will continue to occupy the highest position among martyrs in the annals of Islamic history.

Prophet, and had no doubt in his mind that Yazid had not the shadow of a claim to the Khilafat. With such a conviction firmly fixed in his mind he could not tolerate the idea of admitting Yazid claim even at the point of the bayonet. To him an admission of what was not the truth would have been an act of unpardonable surrender and an abominable concession.

His brave conduct on the burning sandy desert of Korbala-e Mualla is not to be judged by any military standard of strategy or tactics. A mere modern soldier, with a band of a few dozen of followers, surrounded by thousands of enemies, cut off from all sources of supply, denied access to natural water, starving from hunger and dying of thirst, would have considered that the only possible course of action in such helpless circumstances was an unconditional surrendor. But the rules of warfare which are recognised in worldly matters were not the guiding principles working in Imam Hussain's mind. He was facing death deliberately and intentionally. His line of action was not to be determined by ideas of practicability or notions of feasibility. The thought of saving his own life or even those of his relations and followers at the exponse of religious principles, could not possibly enter his mind. Such an idea was totally abhorrent to him. The cause for which he stood was not to be given up at any cost no matter even if the adhorence to it meant the sacrifice of the lives of all his devoted fighters. The unswerving loyalty to the righteous cause was paramount and far above any regard for personal safety. The heroic spirit displayed on that memorable occasion is not only a standing proof of his great courage and determination and of his great strength of character, but also of the firmness of his conviction in truth, and his unalterable resolve not to flinch from it.

So deep was the devotion to the cause of righteousness that not only he but all his followers unanimously agreed that the only honourable course open was to sacrifice their lives but on no account to surrender. The small band of men with ladies and young children, stood in front of an immense assembly of armed warriors, realising that they were fighting against incalculable odds. There never was the smallest ray of hope of escape from death. They were fully aware of the sternness of the opposing forces, and they could not for a moment imagine that the enemies would

The Place of Hazrat Imam Husain in the List of Benefactors of Mankind
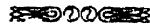
BY THE HON'BLE SIR S. M SULAIMAN, KT., M A. LL.D.,
BARRISTER-AT-LAW.
Acting Chief Justice, High Court, Allahabad.

FOR his greatest heroic martyrdom, Hazrat Imam Husain occupies the highest place among the Muslim heroes, who made the supreme sacrifice of surrendering their lives in the way of God. The position of our Holy Prophet was unique. The trials, hardships and the persecutions, which he endured during the early years of his great mission to the world, possessed different characeristics. When passing through that ordeal, the great Prophet of God displayed an unparalleled degree of patience and forbearance in the full confidence of the ultimate triumph of his cause. His unflinching conviction was the direct result of the Divine inspiration which filled him with the hope of a final victory. But his meek submission to the existing adverse environments in the early stages aimed at the gradual conversion of the disbelievers.

The sacrifice made by Imam Husain was actuated by a different motive altogether. It was a declared fight for a principle and a voluntary choice of death in preference to giving up the great cause of truth. Imam Husain clearly saw the fate that was staring him in the face, realised the inevitable consequences that must follow and knew full well that his life could not possibly be spared. And yet he deliberately made up his mind to sacrifice not only his own life, but also the lives of those who were dear and near to him, and to risk humiliation for the members of his honoured haram rather than deviate an inch from what he consider-
right path of religious uprightness
as the true successor of the great

bounden duty to wage a war against the wicked and dethrone godlessness from its stolen place of vantage and destroy its potentiality for working mischief among God's poor and innocent creatures. From his illustrious father, he had inherited a spiritual injunction and a noble mission to fulfil, and that was to rid the world of evildoers and restore the sacred Religion of the holy Prophet Mohammad his grandfather (may the blessings of Allah be on him) to its pristine purity and glory, and carry its bright and glorious mission to the four corners of the world The name of Islam, the religion of peace and unity of Godhead, stood in danger of being stained by unscrupulous hypocrites on the eve of the great tragedy of Kerbala. And it was the beloved grandson of the Holy Prophet, who came out boldly and challenged the rights of those who, by their very nature and character, were thoroughly unfit to remain the custodians of the sacred mission. The lamp of Islam was flickering in the hands of the unholy, and it was Hazrat Imam Husain who by his stupendous sacrifice restored it to its former brightness and dazzling glory. Islam, the universal Religion of humanity, has been enriched by this great benefactor of the human race. His was, indeed, the greatest fight ever put up by any individual mortal against the unjust and the unrighteous. And in laying down his life cheerfully on the battlefield—the brave and undaunted warrior that he was, an intensely kind and feeling human being, the fountain head of high and noble virtues---Hazrat Imam Husain has stood as the bright and luminous beacon light among the the martyrs of history. Such a soul never dies. It becomes immortal. It stands aloft surrounded by the bright halo of martyrdom—aye to tell successive generations of mankind as to how a noble scion from the house of the founder of the great Religion of Islam laid down his life and those of his dearest and beloved ones—in fact his all—for the sake of humanity The spirit of Hazrat Imam Husain has inspired Muslims for centuries and it will continue to do so till eternity. Forsooth, Imam Husain occupies a most conspicuous position in the list of the benefactors of mankind. He is peerless, supreme.

Husain: The Great Martyr of Kerbala
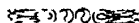
BY MR. YUSOOF D. MOTALA, B.A.
Editor of the "Rangoon Daily News."

HAZRAT Imam Husain, the noble son of Hazrat Ali and Fatema-Tuz Zahra, and the great martyr of Kerbala takes a very high place in the list of the benefactors of humanity. The tragedy of Kerbala is an example of peerless self-sacrifice and self-immolation on the part of a human being for the benefit of mankind. Imam Husain has immortalised himself by his unparalleled sacrifice at the altar of truth. He stood for righteousness, purity of life and purity of administration. He warned bravely against evil and refused to submit to what was vicious and ungodly. The worthy son of a worthy father with high ideals of nobility, chivalry, truth and righteousness instilled into him since his very childhood by parents who themselves were the glorious exemplars of all the highest known human virtues, Hazrat Imam Husain did not consider even his own life and those of his dear and beloved ones to be too great a price to pay for the upholding of those great ideals. Where others of a weak and selfish nature would have surrendered to the behest of an adventurer and an imposter, Hazrat Imam Husain withstood all the inhuman tortures and persecutions on both himself and the members of his family--men, women and children—until his last breath and attained martyrdom. History can point to no greater self-sacrifice than that of Imam Husain, and no human being has equalled him unto this day. And why did this great saint of Islam invite on himself all the ruthless cruelties and persecutions that an unprincipled ruler of the day, sunk in vice and debauchery, was in a position to inflict on innocent and helpless beings? It is precisely because his pure spirit within him revolted against the sorrowful state of affairs existing about him, and consequently he considered it to be his sacred and

to face calmly and heroically the many terrible trials and tribulations of the last year of his life. Thus he lived and died for his ideals and, in the last resort, surrendered his breath at the altar of Truth. as he had realized it in his own life. No wonder then that his life and the struggles he had to undergo especially in the last fortnight of his earthly career—have always evoked the greatest sympathy and admiration not only amongst a fairly large section of Muslims in various countries, but also amongst the non-Muslims as well. "In a distant age and climate," writes Gibbon, in his monumental and immortal history (*Decline and Fall of the Roman Empire*) "the tragic scene of the death of Hussain will awaken the sympathy of the coldest reader." "It will be easy to understand," writes (the late) Syed Ameer Ali, in his excellent *History of the Saracens* "perhaps to sympathize with the frenzy of sorrow and indignation to which the adherents of Ali and his children give vent on the recurrence of the anniversary of Husain's martyrdom." And it is impelled by such a spirit of sympathy that I have come forward, (in compliance with the wishes of my friend, who are responsible for this volume), to pay my humble tribute to the memory of Husain "the martyr"
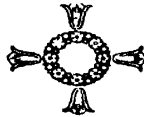
at last one wounded Husain upon the hand, and a second gashed him on the neck, and a third thrust him through the body with a spear. No sooner had he fallen to the ground, than, Shimr rode a troop of horsemen over his corpse, backwards and forwards, over and over again, until it was trampled into the very ground, a scarcely recognisable mass of mangled flesh and mud. Thus, twelve years after the death of his brother Hasan, Husain, the second son of Ali, met his death on the bloody plain of Kerbala on Saturday, the 10th day of Muharram, A.H. 61 (A.D. 680).

The above sketch of the last few days of Husain, brings into prominent relief the striking features of his great career as a martyr. For what is a martyr if not one who combines those two rare elements of human character—heroism in the face of even the greatest dangers to his life, for the sake of what he regards as Truth, and saintliness in the sense of his entire dependence on God? Judged in the light of this criterion, there can be no two opinions about the fact that Husain has justly taken a prominent place amongst the greatest martyrs the world has produced. I am aware that certain western writers have not taken this view of his work and character. The estimate of this class of writers is embodied in the article on Husain, in the *Encyclopoedia of Islam* (vol. 2, p ge 339) in which the distinguished contributor of the sketch (Mons. H. Lammens) criticises the character of Husain for "indecision and lack of intelligence" and similar other traits. But it is clear to me that such a wrong decision on the part of a modern writer is due to a lack of correct perspective. Even wordly men are influenced in their conduct and action, to some extent, by their beliefs and ideals, while spiritually-inclined persons (like Husain) act under the impulse of influences which the average man of the world naturally finds it difficult to appreciate, or correctly estimate. Those who will have read the account, outlined above, of Husain's last few days, will have no donbt in their mind that he was out-and-out a saintly character, dependent altogether on the will of God, and seeking the kingdom of Heaven—wholly unlike (for instance) Muawiya and his son Yazid. It is this phase of his character which, coupled with his strength of mind, enabled him

The next morning both sides prepared for battle. Early in the day Husain mounted his horse, and set the holy Koran before him, crying: "O God, Thou art my confidence in every trouble and my hope in every adversity," and submitted himself to the judgment of his companions before the opened pages of the sacred volume. At this his sisters and daughters began to weep, when he cried out in bitter anguish self-reproachfully: "God reward the son of Abbas," in allusion to advice which his cousin, Abdullah-idn-Abbas had given him, to leave the women behind in Mecca. At this moment a party of the enemy's horse wheeled about and came up to Husain, who expected to be attacked by them. But it was Hurr who had quitted the ranks of the Syrian army, and had now come to die with Husain, and testify his repentance before men and God. As Hurr rode into the doomed camp, he shouted back to Amr: "Alas for you!" Whereupon Amr commanded his men to "bring up the colours." As soon as they were set in front of the troops, Amr shot an arrow into the camp, saying: "Bear witness that I shot the first arrow," and so the fight began on both sides. It raged, chiefly in a series of single combats, until noon-day, when both sides retired to prayer, Husain adding to the usual office the "Prayer of Fear," never used but in cases of extremity. When shortly afterwards the fight was renewed, Husain was struck on the head by a sword. Faint with the loss of blood, he sat down by his tent and took upon his lap his little son Abdullah, who was at once killed by a flying arrow. He placed the little corpse upon the ground, crying out: "We come from God and we return to Him O God, give me strength to bear these misfortunes." Growing thirsty he ran toward the Euphrates, where he stopped for a while and prayed earnestly. His little nephew, a beautiful child, who went up to kiss him, had his hand cut off with a sword, on which Husain again wept, saying: "Thy reward, dear child, is with thy forefathers in the realms of bliss." Hounded on by Shimr, the Syrian troops now surrounded Husain, but nothing daunted, he charged them right and left. In the midst of the fighting, his sister came between him and his slayers, crying out to Amr, how he could stand by and see Husain slain. Whereupon with tears trickling down his beard, Amr turned his face away; but Shimr, with threats and curses, set on his soldiers again, and

between him and the river," and Amr did so; and the name of the place where he cut Husain off from the Euphrates was called Kerbala.

Then Husain sought a conference with Amr, in which he proposed either to go to Yazid or to return to Mecca, Obaidallah was at first inclined to accede to these conditions, until Shimr stood up and swore that no terms should be made with Husain, adding significantly that he had been informed of a long conference between Husain and Amr. Then Obaidallah sent Shimr with orders to Amr that if Husain would surrender unconditionally, he would be received; if not, Amr was to fall upon him and his men. Should he refuse to do so, Shimr was to strike off Amr's head, and himself command the attack against Husain. Thus passed Sunday Monday, Tuesday, Wednesday, Thursday, and Friday, the 4th, 5th 6th, 7th, 8th and 9th, of Muharram. On the evening of the 9th, Amr drew up his forces close to that of Husain, as he was sitting at the door of his tent, just after the evening prayer, and told him of the conditions offered by Obaidallah. Husain desired Amr to give him time until the next morning, when he would make his answer. In the night his sister came weeping to his bedside, and, awaking him, exclaimed: "Alas for the desolation of my family! Alas for the destruction that is to come!" "Sister,"Husain replied "put your trust in God, and know that man is born to die, and that the heavens shall not remain; everything shall pass away but the presence of God, who created all things by His power, and shall make them by His power to pass away and they shall return to Him alone. My father was better than me, and my mother was better then me; and my brother was better then me; and they and we and all Muslims have an example in the Apostle of God." Then he told his men that Obaidallah wanted nobody but him, and that they should go away to their homes. But they said: "God forbid that we should ever see the day wherein we survive you!" Then he commanded them to cord their tents close together and make a line of them, so as to keep out the enemy's horse. And he dug a trench behind his camp which he filled with wood to be set on fire, so that he could only be attacked in front. The rest of the night he spent in prayer and supplication, while the enemy's guard patrolled all night long, round and round his camp.

directly to Kufa into the presence of Obaidallah." Husain answered: "I would sooner die than submit to that," and gave word to his men to ride on; but Al-Hurr said: "I have no commission to fight with you, but I am commanded not to part with you until I have conducted you into Kufa"; but he bade Husain to choose any road into that city "that did not go directly back to Mecca," and "do you," said he, "write to Yazid or Obaidallah, and I will write to Obaidallah, and perhaps it may please God I may meet with something that may bring me off without my being forced to any extremity on your account." Then he retreated his force a little to allow Husain to lead the way towards Kufa, and Husain took the road that leads by Adib and Cadisia. This was on Thursday, the 1st of Mohurrum, A.H. 61 (A.D. 680). When night came on, he still continued his march all through night.

In the morning, after prayers were over, Husain mended his pace, and as he rode on there came up a horseman, who took no notice of him, but saluted Al-Hurr, and delivered to him a letter, giving orders from Obaidallah to lead Husain and his men into a pace where there was neither town nor fortifications and there leave them till the Syrian forces should surround them. This was on Friday, the 2nd of Muharram. The day after, Amr-ibn-Saad came upon them with four thousand men. They had been encamped without the walls of Kufa, and when Obaidallah heard of Husain's coming he commanded Amr to defer his march and go against Husain. But one and all dissuaded him: "Beware that you go not against Husain, and rebel against your Lord, and cut off mercy from you, for you had better be deprived of the dominion of the whole world then meet your Lord with the blood of Husain upon you." Amr was fain to acquiesce, but upon Obaidallah renewing his command with threats, he marched against Husain, and came up with him, as aforesaid, on Saturday, the 3rd of Muharram. On Amr sending to inquire of Husain what brought him thither, the latter replied: "The Kufians wrote to me; but since they reject me, I am willing to return to Mecca." Amr was glad when he heard it, and said: I hope to God I may be excused from fighting against him." Then he wrote to this purpose to Obaidallah; but Obaidallah sternly replied: "Get

3
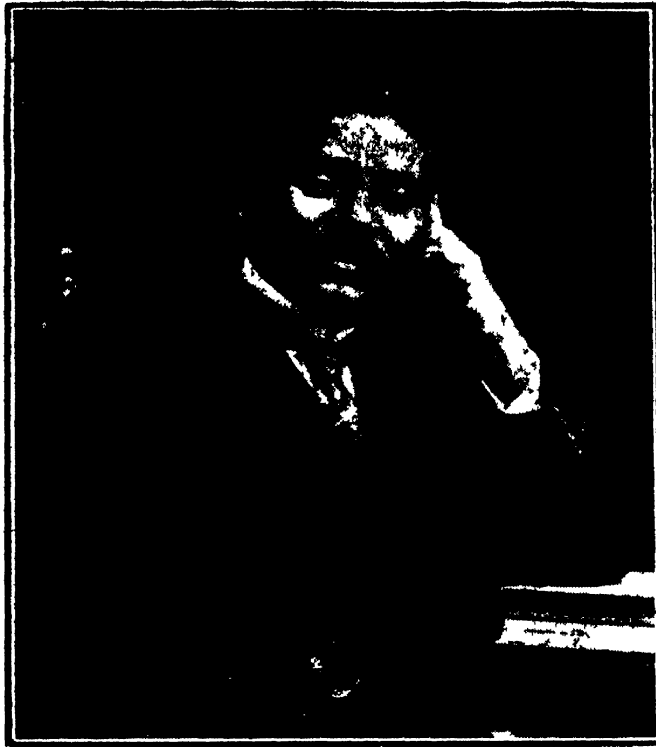
MR SACHCHIDANANDA SINHA, BAR-AT-LAW.

salient facts of Husain's career, leading to his martyrdom, are recorded as follows:—Shortly after the accession of Yazid, Husain recived at Mecca secret messages from the people of Kufa entreating him to place himself at the head of the army in Babylonia now called Iraq. Yazid, however, had full intimation of their intention, and long before Husain could reach Kufa, the too easy governor of that city was replaced, by Yazid, by Obaidallah, the resolute ruler of al-Basrah, who by his rapid measures disconcerte the plans of Husain and his followers, and drove them to a premature outbreak, and the surrender of their leader, Muslim. The latter's head was struck off and sent to Yazid. On Husain arriving on the confines of Babylonia, he was met by Al-Hurr, who had been sent out by Obaidallah with a body of horsemen to intercept his approach. Husain, addressing them, asserted his title to the Caliphate, and invited them to submit to him. Al-Hurr replied: We are commanded as soon as we meet you to bring you

Husain: The Martyr
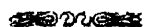
BY MR. SACHCHIDANANDA SINHA, BAR-AT-LAW.
Editor The "Hindustan Review".

I deem it a privilege to have been invited to make a contribution to a collection of papers on the martyrdom of Hazrat Imam Husain. The life and career of the martyr are interwoven with the history of Arabia, under the early Caliphate, and it is no easy task to pick out the personal from the historical elements. I shall make an attempt, however, to do so and I shall, therefore, refer to such incidents only, of the career of the martyr, as reflect clearly his character and ideals, rather than deal with matters which appertain more properly to the domain of history. Even with this important reservation, there is bound to be a deal of overlapping in the articles in the composite collection for which I am writing as the contributions in it(I gather) are not likely to be coordinated by an editor or an editorial board. It also goes without saying that for the data put together, there is no claim to any originality, as they have been taken from a standard authority on the subject. But the views expressed by way of comments are my own.

Al Husain was the second son of Fatima, the daughter of the Prophet, Mohammad (on whom be peace), by her husband Ali, the fourth Khalifah, and was a younger brother of Al-Hasan, the fifth Khalifah. He was born at Medina, in A. H. 4, and died at Kerbala, A. H. 61, being cruelly slain in his conflict with Yazid. The martyrdom of Al-Husain is celebrated even now by the Shiahs every year, during the first ten days of the Muharram, and an account of the circumstances relating to his tragic death is therefore, necessary for appreciating the intensity of feeling with which the scenes and incidents of the last days of "Imam Husain" are enacted during the Muharram in India, and also in Persia in the "Miracle Play," a translation of which was made—many years back—into English by (the late) Sir Lewis Pelly. The

Grandest Episode in Man's History

BY MR. ABDULLAH YUSUF ALI, M.A., LL.M., C.I.E., I.C.S. (Retired), *London*

The mission of Imam Husain was to keep alight the beacon of truth in a world enveloped in darkness—when political power was associated with arrogance, selfishness, luxury, idleness and want of faith, he showed by his life that poverty and humility were consistent with the highest spiritual teaching, and by his death that unselfishness and trust in God were more powerful weapons for the higher life than worldly triumphs. Owing to the corruptions in the UMMAIYED court much dissatisfaction, division and doubt had spread over the Islamic world. The martyrdom of the Prophet's grandson did much to reunite many factions, and to redirect their attention to the prophet's message of brotherhood and righteousness. The moving story of Husain's sufferings and the patience and firmness with which he endured them has appealed to Muslims of all sects and schools of thought, and to non-Muslims also. The domestic details of the tragedy furnish some of the grandest episodes in the inner history of mankind.

event in history surpasses in pathos the scenes enacted on the bloodstained field of Kerbala where fell the beloved grandson of the Prophet in the cause of truth, tortured with thirst and surrounded with the bodies of his murdered kinsmen.

But why did he allow himself and his little children to suffer such unprecedented agonies the reminder of which makes our every nerve to tremble? His own sermon addressed to the enemy troops near Kerbala will give the answer: –

"O People! The Apostle of God has said that he who sees a ruler who is perpetrating injustice, who is exceeding the limits fixed by God, who breaks the covenant of God, who opposes the teachings of the Prophet, who rules God's creatures sinfully and tyrannically,—if a man sees such a ruler, and does not oppose him by word or deed, God will not vouchsafe him a happy abode. Corruption reigns supreme, God's limits are violated, public property is misappropriated, that which God has made lawful, is being made unlawful, that which God has made unlawful is being made lawful. I have the greatest right to change their tyranny with truth and justice . .. . ," by his death.

It is a matter of history that by his death Husain did change the whole course of Islamic life and politics, and saved mankind from the UMMEYADE tyranny and the faith of his grandfather from destruction. Indeed by his Martyrdom he disclosed the secret of the "Great sacrifice" referred to in the QURAN; and of a truth "he became the foundation of 'There is no God but God' by giving his head but not his hand in hand of YAZID."

قواعد و ضوابط

۱۔ سفینۂ نسواں ہر انگریزی کی ۲۰ ؍ تاریخ تک شائع کیا جائیگا۔

۲۔ اگر ۲۵ ؍ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے کے ختم تک مطلع فرمائے تاکہ دوسرا رسالہ ارسال خدمت ہو۔

۳۔ سفینہ بڑے سائز کے ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر ہر ماہ اعلیٰ تصاویر سے مزین ہوکر پابندئ وقت کے ساتھ شائع ہوگا۔

۴۔ زرمعاوضہ عوام سے سالانہ للعہ ششماہی عالر اور فی پرچہ ۱۲ ؍ آنہ مقرر ہے نمونہ کیلئے ۶ ؍ آنہ کے ٹکٹ بھجوائیے۔

۵۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دے کر کارکنان دفتر کو مرہون منت فرمائے۔

۶۔ جواب طلب امور کے لئے کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

۷۔ ترسیل زرمعاوضہ اور جملہ استفسارات بنام "مینجر سفینۂ نسواں" ہونی چاہیئے۔ صرف مضامین مدیرہ کے نام ارسال فرمائے ناقابل اشاعت مضامین خرچہ ڈاک وصول ہونے پر واپس کئے جائیں گے۔

۸۔ چونکہ سفینہ نسواں صرف طبقۂ نسواں کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی حقیقی خدمت بجالانے کے لئے جاری ہوا ہے۔

لهذا ادارہ سفینہ کو سیاسی یا ایسے مضامین جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث ہوں شائع کرنیسے احتراز رہیگا۔

۹۔ اخلاقی۔ علمی۔ ادبی معاشرتی اور تاریخی مضامین نظم و نثر سے ہر ماہ سفینہ کو زینت دیجائیگی۔

۱۰۔ ایسے تراجم کے لئے جو متذکرۂ بالا خصوصیات سے متعلق ہوں سفینہ معقول زرمعاوضہ ادا کریگا۔

۱۱۔ ادارہ سفینہ کو بر موقع حذف و ترمیم کا حق حاصل رہے گا۔

"مینجر"

دولت آصفیہ اور بیرونجات میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے تصفیہ طلب امور کیلئے "مینجنگ ایڈیٹر" کو مخاطب فرمائیے

بیائے علم سے روشن ہوں گوشۂ تاریک ❊ کہ ہر ورق کو سفینہ کے آفتاب بنا

سلطانہ

(محترمہ اکبر النساء بیگم صاحبہ)

سفینۂ نسواں

خواتین دکن کے علمی، ادبی، اخلاقی، اور معاشرتی احساسات کا حقیقی ترجمان

جلد (۲) — نمبر (۱ و ۲)

فہرست مضامین

بابتہ ماہ نومبر و ڈسمبر ۱۹۳۲ء

فہرست تصاویر

به بارگاهِ فلک مرتبت عالی شوکت سلطان العلوم اعلیحضرت خسروِ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

اے کہ در مدحت نہ تنہا دوستاں رطب اللساں

دشمناں ہم پیشِ پائے تو سپر انداختند

سالگرہ ہمایونی کی تاریخ یکم رجب المرجب ۱۳۵۱ھ کا روزِ سعید و یومِ عید نہ صرف وفاکیش کارکنانِ ادارۂ "سفینۂ نسواں" کے لئے ہی موجبِ صد مسرت و باعثِ ہزار بہجت ہے، بلکہ ہر گوشۂ ملک میں ہر برنا و پیر اور کبیر و صغیر شادی کناں، اپنے بیدار مغز و مآل اندیش شاہ جم شوکت و فریدوں سطوت کی درازیٔ عمر فراوانیٔ جاہ و جلال اور ملک و مال کے لئے خاطر جمعی و امن کے ساتھ دست بدعا ہے۔

ع۔ اے آنکہ باقبالِ تو در عالم نیست

شاہا! معمورۂ عالم کا ہر خطہ جود و کرم بیکراں، فضل و احسانِ بے پایاں کی وجہ

معترف ہے کہ سرزمینِ دکن کی رعایا و برایا کے لئے عدیم النظیر و بے مثیل ظلّ سبحانی سایۂ فگن ہے، جس کی وجہ ہماری زندگی بلحاظ ترقی علمی و صنعتی اور ملکی و مالی ساکنان خطۂ خاک کے ہر فرد بشر سے بالاتر اور باعث رشک بن رہی ہے۔

ذالک فضل اللہ یعطیہ من یشاء

اس مسعود تقریب پر یہ فدائی ملک و مالک بھی اپنے حقیر رسالہ "سفینۂ نسوان" کا خصوصی نمبر نکال کر، منجانب مدیرہ اور ادارہ عقیدت مندی اور خلوص کا "محقّر ہدیہ" حضرت جہاں پناہی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہے۔ ع

شاہا چہ عجب گر بنوازند گدا را؟

اور بقائے خانوادہ آصفی کے لئے عرض کناں ہے کہ الٰہی تا دورِ مشتری تابان و درخشاں باد بحرمتہ النون والصاد، آمین

وفا کیش } اختر قریشی
(مدیر معاون)

طرحی غزل

کلام فصاحت التیام اعلیٰحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ

(مطلع) سالِ نو جلوہ نما ہے گُل و گلزار بھی ہے
کاسۂ زر بھی ہے اور بادۂ گلنار بھی ہے

عیش و غم دونوں ہیں توام چمنِ عالم میں
گُل کے پہلو میں کھٹکتا ہُوا اِک خار بھی ہے

کفر و اسلام کی ہستی کا پتہ دیتا ہے
ساتھ تسبیح کے جو رشتۂ زنّار بھی ہے

صوتِ دلکش ہے یہاں قُلقُلِ مینا کا جواب
جام کا دَور بھی ہے نغمۂ مزمار بھی ہے

زر بکف غنچہ ہے گُل مست صبا عطر فروش
اَبر ہے سایہ فگن اور گہر بار بھی ہے

جام بر دست اُدھر نرگسِ شہلائے نگار
دام بر دوش اِدھر طرۂ طرار بھی ہے

(مقطع) آج ہے داخلِ مسجد پے طاعت عثماں
ساتھ زُہّاد کے اِک رندِ قدح خوار بھی ہے

(راہبر)

حضرت اقدس واعلیٰ سلطان العلوم خلداللہ ملکہ
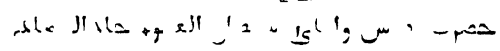
طرحی غزل

کلام فصاحت التیام اعلیحضرت سلطان العلوم تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

(مطلع) خطِ رخسارِ تو رشکِ گل و ریحاں گردید
جلوۂ لعلِ لبت شمعِ شبستاں گردید

مے بہ مینا شدہ روپوش و خضر می گوید
کہ بہ ظلمات نہاں چشمۂ حیواں گردید

جلوۂ حسنِ رخت تا بہ دلم جا کردہ
سینہ ام مطلعِ صد مہرِ درخشاں گردید

گلِ روئے تو بایں رنگ و بایں رعنائی
تو بہارِ چمنِ عالمِ امکاں گردید

عرق آلود رخش طرفہ کرامت کردہ
کآتش و آب بہم دست و گریباں گردید

اے خوشا گریۂ حسرت کہ ز اشکِ خونیں
پُر ز یاقوت و گہر دامنِ مژگاں گردید

(مقطع) دید تا صورتِ زیبائے تو ہمچوں عثماں
آئینہ ششدر و ہم خیرہ و حیراں گردید

(درہبر)

غزل

ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شادؔ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی یمین السلطنت مدظلہ

موسیٰ بدید جلوہ گفتا لقائی کیست
ازمن بپرس شاد کہ او آشنائے کیست

گر دیر و کعبہ معبد اہل جہان بود
دانم من اینکہ دل حرم کبریائے کیست

حرفے بگفت و در تن بیجاں دمید روح
در حیرتم کہ ایں لب معجز نمائے کیست

یک منزل ست بے ہمہ را با ہمہ شدن
آں ابتدائے کیست و ایں انتہائے کیست

گم گشت قطرۂ چو بدریائے وحدتش
پرسی چہ بعد ازیں کہ فنا و بقائے کیست

از پہلویم گرفتی و برباد دادہٗ
دانستہ کہ ایں دل ناداں فدائے کیست

پیدا شدیم شادؔ برائے وصال دوست
آخر بگو مرا تو کہ مردن برائے کیست

قطعہ

از

استاذ السلطان حضرت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

گرہ کا جشن ہے عشرت کی دھوم ہے ہر سو
نشاط و عیش و طرب کا ہجوم ہے ہر سو

دراز ہو شۂ عثماں کی عمر۔ جن کی عطا
دکن سے تا عرب و شام و روم ہے ہر سو

دیگر

سرکار آفتاب سپہر کمال ہیں
بحر کرم ہیں۔ مظہر شان جمال ہیں

عثمان علی کے نام میں دو عین اے جلیل
عشق خدا و عشق محمد پہ دال ہیں

طرحی غزل

از محترمہ و معظمہ اکبر النساء بیگم صاحبہ سلطانہ
(مسز ڈاکٹر مرزا رضا خاں صاحب یم، بی، سی، ایچ، بی اڈنبرا)

طریقہ آپ نے اپنا جو مہرباں بدلا
اِدھر زمانہ اُدھر رنگ آسمان بدلا

خزاں میں باغ سے اُس گل نے جب مکاں بدلا
چمن سے اپنا ہما بلبل نے آشیاں بدلا

ہوا کچھ ایسی چلی رنگِ دوستاں بدلا
زمانہ بدلا زمیں بدلی آسماں بدلا

چمن میں سیر کو آیا جو وہ گلِ رعنا
بہار آئی نئی موسمِ خزاں بدلا

کہا نہ ہم نے کچھ اوسکو جناب کی خاطر
کہ در کا آپ کے ہم پر جو پاسباں بدلا

خزاں چمن سے ہوئی دور پھر بہار آئی
نیا لباس ہر ایک اپنا نوجواں بدلا

شہہِ دکن کی ہے سلطانہ آج سالگرہ
گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

طرحی غزل

محترمہ امتہ الزہرا صاحبہ حجاب (مسز میر مہدی علی شہید)

ستارہ اوج پہ ہے دور آسماں بدلا
گرہ کے جشن نے پھر رنگ بوستاں بدلا

حضور آصف سابع خدیو ملک دکن
فرس نے شاہ کے کیا نقش کامراں بدلا

عقاب عمر کا یہہ نقش - اے اطال اللہ
کہ جسکی دید سے ہے رنگ کہکشاں بدلا

بڑھا ہے ایک قدم شہ کا بزم گیتی میں
یہہ گویا خاک کے ذرّوں نے آسماں بدلا

مبارک اور سلامت کی دھوم ہے ہر سو
خوشی نے آج یہہ چولا - جہاں تہاں بدلا

پرانا ہو گیا تھا جام جم زمانے میں
فلک نے اس سے پھر اک جام زرفشاں بدلا

مجھے بھی دھن تھی کہ کچھ مدح نقش پا لکھوں
جو یوں ضمیر پکارا - کہ ہر گماں بدلا؟

تو - ایک صنف ضعیف یہ ہوسکی جنوں ہے کچھ؟
یہہ تیرے بس کا نہیں - شرط - نقد جاں بدلا

قدوم شاہ کی مدحت کا کب سلیقہ ہے؟
نہ کام دیں گے - یہہ کام و زبان - زباں بدلا

کہا - یہہ مانے کہ کوشش ہی - مضائقہ کیا؟
ہجوم قطرہ - میں ہے بحر بیکراں بدلا

زہے نصیب - یہہ دل ہر گرہ پہ ہو قرباں
کہ عمر خضر سے لینا ہے لے گماں - بدلا

بنی بھی ہوں وہ جبیں - عیش سے قیامت تک
نہ لیوے ان سے کوئی انکا قدرداں - بدلا

ہزار سال جیئں - شاہ دلنواز دکن
ہزار نیکیوں کا پھر بھی تو کہاں - بدلا؟

الٰہی! جتنے ستارے ہیں سقف گردوں پر
ہو - ان کا - رشتہ گوہر میں زباں بدلا

یوں ہی ہو جشن مسرت سدا بہ جاہ و حشم
ہو - جوش گل میں یوں ہی رنگ بوستاں - بدلا

حضور عالیہ - شہزادگان والا تبار
شباب بیتے رہے - ہر بخت نوجواں بدلا

خموش! گو کہ یہہ وہ نظم ہے حجاب خموش!!
دکھا سکیں - نہ کبھی جس کا نکتہ داں بدلا

قصیدۂ مدحیہ

از

مولوی مسعود علی صاحب محوی بی، اے (علیگ) سابق سشن جج

باز گیتی مایۂ نشو و نما آوردہ است
از ہجوم لالہ و گل وز قدوم نوبہار
لازم حسن است مستیٔ شاہد گل را ازاں
میشوم بار دگر مفتون ان شوخے کہ او
بستۂ فتراک عشقیم و بہ بند انیم دوست
زرد نے اندر خزاں نے سرخ پوش اندر بہار
تشنہ کاماں محبت را برائے امتحاں
علت ہر درد خودبینی است ان در عشق نیست
در حریم بندگی بہر دعا گویان شاہ
حضرت عثمان علیخاں آصف ملک دکن
شاہ مادانی کہ از فطرت چہ ہا آوردہ است
در دیار مشرقی، فرزانہ سلطان العلوم
در گلستان فصاحت خامۂ گلریز او
مدح بے پایان شہ محوی ندارد انتہا
شاہ را [illegible] دارد و بر مرادش کامیاب

شاخ بے برگ و نوا برگ و نوا آوردہ است
باد نو روزی نوید جانفزا آوردہ است
شاخ گل سرمست بر دوش صبا آوردہ است
بست عہد نو نہ عذر ماجرا آوردہ است
بے بر دمارا کجا و ز کجا آوردہ است
باغباں چوں سرو مارا یک قبا آوردہ است
یار ما صد بار در کرب و بلا آوردہ است
عشق گوئی بہر ہر دردے دوا آوردہ است
خود شگاف سینہ محراب دعا آوردہ است
آنکہ در نظم جہاں فکر رسا آوردہ است
عقل دور اندیش و رائے بے خطا آوردہ است
از علوم مغربی گنجینہ ہا آوردہ است
صدا دا چوں بلبل شیریں نوا آوردہ است
لاجرم مداح او سوئے دعا آوردہ است
آنکہ از یک لفظ کن ارض و سما آوردہ است

ادوار خاندانِ آصفی

(۱)

مولوی سید وقار احمد صاحب
ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (عثمانیہ) مدیر نظام گزٹ

حکومت آصفی کے قیام کو دو سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا مگر ابتک اس کے حکمرانوں نیز اُس زمانہ کے ماحول اور طرزِ معاشرت کے متعلق کوئی ایسی تاریخ نہیں لکھی گئی جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ وہ صحیح معنوں میں دکن کی تاریخ کہلا سکتی ہے۔

دکن کی تاریخیں جو ابتک شائع ہوچکی ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر انھیں واقعات کی نقل کردی جاتی ہے جو انگریزی تاریخوں میں منقول ہیں یہ عجیب و غریب واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نظام کو بعض موقعوں پر انگریز مورخ ایسا کمزور بتاتے ہیں کہ ان میں کوئی سکت نہیں رہے۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء کے غدر میں وہی نظام دکن کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ اگر "حضور نظام ہمارا ساتھ نہ دیں تو حکومت جاتی رہیگی" یہ ایسی چیزیں ہیں کہ تاریخ دکن کے طالب میں تحقیق و تدقیق کی امنگ پیدا کردیتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ حقیقی واقعات دریافت کئے جائیں۔

اس مختصر مضمون میں اتنی گنجائش کہاں کہ دکن کے جملہ حالات کو بیان کیا جائے صرف یہاں ذیل میں حکومت آصفی کی جدید تقسیم کیجاتی ہے اور اس کے لحاظ سے ہر ایک دور پر مختصر تنقید بھی کردیجاتی ہے۔

۱۔ دورِ قیام سلطنت آصفیہ ——— ۲۵ ۱۷۲۳ء تا ۱۷۴۸ء

۲۔ دورِ استحکام سلطنت آصفیہ ——— ۵۵ ۱۷۴۸ء تا ۱۸۰۳ء

۳۔ دورِ عہد شکنی ——— ۱۰۸ ۱۸۰۳ء تا ۱۹۱۱ء

۴۔ دورِ ترقی (عہد ہمایونی) ——— ۱۹ ۱۹۱۱ء تا سے ابتک

دورِ قیام سلطنت آصفیہ

(۳۵) سال

حضرت آصفجاہ اول ۱۷۲۲ء میں نائب سلطنت مقرر ہوئے اور نظام الملک کا خطاب عطا ہوا آپ نے (۳۵) سال میں حکومت کے استحکام کے لئے بہت ہی تدبر سے کام لیا اس دور میں اکثر صوبہ دار خود مختار ہو چکے تھے آپ نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اس پر مبارز خاں نے دکن پر حملہ کر دیا۔ ایک خونریز جنگ میں مبارز خاں مارا گیا اور نواب نظام الملک کو اس جنگ میں کامیابی ہوئی اور علاقہ برار کو بھی حیدرآباد کی ریاست میں شریک کر لیا گیا۔ اس کے بعد نواب نظام الملک اپنی حکومت کے استحکام کی فکروں میں لگے رہے ملک ارکاٹ کی تسخیر کی اور اس کا انتظام بھی حیدرآباد سے متعلق ہو گیا اس کے بعد ارکاٹ کے کچھ علاقہ پر کمپنی نے قبضہ کر لیا تھا پھر حضرت آصفجاہ اول نے ترچناپلی کے جملہ علاقوں کو مرہٹوں سے فتح کر لیا اور کرناٹک میں ایک لائق منتظم شخص انورالدین خاں کا تقرر کیا۔

حضرت آصفجاہ اول کے زمانہ میں کمپنی کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور نہ یہاں کے حکمرانوں کو کسی قسم کا خوف تھا ۱۷۴۶ء میں انگریزوں سے فرانسیسیوں نے مدراس چھین لیا اور انورالدین خاں نے انگریزوں کو مدد نہیں دی حضرت آصفجاہ اول کی خدمت میں سینٹ ڈیوڈ کے گورنر نے استدعا کی کہ انھیں وہ علاقہ فرانسیسیوں سے واپس دلا دیں۔

اس زمانہ میں کمپنی کے متعلق یہ خیال کسی کے ذہن میں نہ تھا کہ اس کی خواہش ہندوستان پر حکمرانی کرنے کی ہے بلکہ وہ انھیں انگلستان کے چند تاجروں کی ایک کمپنی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے حضرت آصفجاہ اول نے ان کی درخواست منظور کر لی اور انورالدین خاں کو لکھا کہ وہ کمپنی کو اس کا علاقہ فرانسیسیوں سے واپس دلا دیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے ایک گورنر میں اتنی قوت تھی کہ وہ فرانسیسیوں سے

کمپنی کے علاقہ کو لڑ کر دلا دیا۔ ایسی صورت میں ایک ہی سال کے بعد جب حضرت آصفجاہ اول کا انتقال ہو جاتا ہے تو تخت کے دو دعویدار پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی اعانت کے لئے انگریز مورخین نے لکھا ہے کہ ایک فریق کی اعانت کے لئے آمادگی ظاہر کی اور دوسرے فریق کے طرفدار فرانسیسی ہوئے۔

یہ واقعات تو دکن کے متعلق طالبعلموں کے ذہن نشین کر دئے گئے ہیں تاہم ذرا سے غور کے بعد معلوم ہوگا کہ ناصر کی شہادت کا باعث افغانی ہوئے اور بعد میں دکن کی نصف سلطنت کا انھیں لوگوں نے دعویٰ کیا اور اسی کی وجہ سے پھر ایک جنگ ہوئی اس سے یہ واقعہ صاف طور سے معلوم ہے کہ فرانسیسیوں کے نام سے جو قوت کام کر رہی تھی وہ در اصل افغانوں کی تھی ایسی بڑی ریاست کے ساتھ جن سے ایک سال پہلے کرناٹک کا گورنر کمپنی کا چھینا ہوا علاقہ واپس دلا سکتا ہے ایسی صورت میں کس طرح ممکن ہے کہ ایک ہی سال بعد فرانسیسیوں میں اتنی قوت کہاں سے آگئی تھی کہ کسی ایک قوت کے ساتھ شریک ہو کر کامیابی یا ناکامیابی کا باعث ہو سکتے تھے بہر کیف جیسا کہ یورپی اقوام کا دستور رہا ہے وہ کسی نہ کسی طرح یہیں کے دیسی حکمرانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور کامیاب ہونے والوں سے کچھ نہ کچھ بطور جاگیر حاصل کر لیتے تھے۔

یہ خانہ جنگی کچھ زیادہ عرصہ تک نہیں رہا اور اس کے بعد ہی حضرت آصفجاہ اول کے بڑے فرزند صلابت جنگ حکمران ہوئے۔

نواب صلابت جنگ بہادر میں زیادہ انتظامی قابلیت نہیں تھی اس لئے ملک میں بہت بدنظمی پیدا ہو گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت آصفجاہ اول کی جانب سے ان کے بڑے فرزند نواب غازی الدین خاں بادشاہ دہلی کے ہاں تھے اس لئے حضرت آصفجاہ اول نے اپنا جانشین نواب ناصر جنگ کو بنایا تھا اور ہر حیثیت سے انھیں حکومت کے لئے تیار کیا تھا مگر وہ تو جنگ میں شہید ہوئے اس لئے ایکدم نواب صلابت جنگ کو عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینی پڑی نواب صلابت جنگ نے کوئی دس سال حکومت کی مگر اس دور میں مرہٹوں سے ایک دفعہ نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا چونکہ ان میں انتظامی قابلیت نہیں تھی جس کی وجہ ملک میں بدنظمی پیدا ہو گئی اسلئے نواب نظام علی خاں نظام الملک ثانی تخت نشین ہوئے۔

دور استحکام حکومت آصفیہ

(۵۵) سال

اس مختصر دور میں یعنی بارہ سال میں حکومت آصفی کی حالت خطرہ میں تھی۔ آصفجاہ ثانی نے جملہ کاروبار کو اپنے ذمہ لے لیا اور نہایت دانشمندی سے (۴۲) سال حکومت کی یہ وہ دور کہ ہندوستان میں خانہ جنگی کا بازار گرم تھا۔ ایک قوت دوسری قوت سے برسرپیکار تھی۔ ادھر ٹیپو سلطان کی قوت روز افزوں تھی ادھر مرہٹوں کی قوت بھی بہت زوروں پر تھی باوجود اس کے نواب نظام علی خان نے حکومت استحکام کے لئے کوشش کی مسلسل تین سال تک مرہٹوں سے جنگ رہی اس جنگ میں آخرکار مرہٹوں کو شکست ہوئی اور نواب نظام علی خاں کی فوج نے مرہٹوں کی فوج کا تعاقب کیا اور پونا کو جلادیا۔

جب مرہٹوں اور سرکار نظام میں جنگ ہورہی تھی اس وقت کمپنی کی یہ خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح دونوں قوتیں لڑکر کمزور ہوجائیں ایسے موقعوں پر کمپنی نے کسی قسم کی مدد نہیں دی اور ہر طرح عہد شکنی کی مگر یہ دور وہ تھا کہ نظام علی خاں میں قوت تھی وہ ہر دفعہ سزا کے طور پر انگریزی فوج علیحدہ کردیتے اور اس کی جگہ فرانسیسیوں کو مقرر کرلیتے تھے اسی طرح موسیو ریمون کے تحت حیدرآباد میں ایک نہایت منتظم باقاعدہ فوج تیار ہوئی تھی مگر موسیو ریمون کے انتقال کے بعد اس کا جانشین نالائق نکلا۔ اس لئے وہ بات باقی نہیں رہی۔

نواب نظام علی خاں کے دور میں کمپنی کی یہ حکمت عملی تھی کہ سرکار نظام کی قوت کو کسی ہندوستانی قوت میں شریک ہونے سے روکدیں اگر یہ حکمت عملی کامیاب نہ ہوتی تو کسی طرح کمپنی کی حکومت قائم ہی نہ ہوسکتی یہی وجہ تھی کہ سرکار نظام کو ٹیپو سلطان سے ملنے ہی نہیں دیا بلکہ خود ان کے خلاف مرہٹوں اور سرکار نظام سے معاہدہ کیا۔ ٹیپو سلطان ایک جنگجو اور تجربہ کار بادشاہ تھا اس نے آغاز ہی سے انجام کو سمجھ لیا تھا اس لئے اس کی کوشش ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح سرکار نظام کو اپنی طرف کرلیں اگر یہ اتحاد قائم ہوجاتا تو یہ بات ناممکن تھی کہ کسی طرح کمپنی اور فرانسیسیوں کی ہندوستان میں کوئی سلطنت قائم ہوسکتی۔

سرکار نظام اور کمپنی سے کئی معاہدے ہوئے ۱۷۶۶ء کے عہدنامے کی رو سے حضور نظام سے کمپنی نے

وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر طرح امداد کرے گی مگر وہ اس عہد پر قائم نہیں رہی اور ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں اور نواب نظام علیخاں میں جنگ ہوئی تو اس میں کمپنی غیر جانب دار رہی۔

اس کے بعد پھر ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس سے آیندہ ہندوستان کی سیاسیات کا رنگ ہی بدل جاتا ہے یہہ معاہدہ ۱۷۹۰ء میں ہوا جس کی رو سے کمپنی، مرہٹوں اور سرکار نظام نے یہہ وعدہ کیا اگر ایک فریق پر ٹیپو سلطان حملہ کرے تو دوسرا فریق اس کی مدد کریگا۔

اس معاہدہ پر بھی عمل نہیں ہوا۔ ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں اور سرکار نظام میں جنگ ہوئی اس موقع پر کمپنی غیر جانب دار رہی اور باوجود معاہدہ نواب نظام علی خاں کی مدد نہیں کی نواب نظام علی خاں نے انگریزی فوج کو جو حیدرآباد میں متعین تھی برطرف کر دیا اور فرانسیسی افسر موسیو ریمان کی مدد سے ایک اچھی باقاعدہ فوج مرتب کرلی اور یہاں توپ کا سانچہ بھی تیار کروالیا غرض حیدرآباد میں اس وقت ایسا جنگی سامان تیار ہونے لگا تھا کہ اس کی نظیر ہندوستان میں بہت کم ملتی تھی۔

۱۷۹۹ء میں سرکار نظام پنڈت پردھان پیشوا اور کمپنی میں معاہدہ ہوا کہ تینوں متحدہ طور سے ٹیپو سلطان پر حملہ کریں۔ اس عہد نامہ کے موافق ٹیپو سلطان سے جنگ ہوئی اور ٹیپو سلطان جوانمردوں کیطرح لڑتا ہوا شہید ہوا۔

جنگ کے بعد بجائے ٹیپو سلطان کی سلطنت کو مساوی طور سے تقسیم کرنے کے ایک قدیم خاندان کے فرد کو گدی نشین کر دیا گیا۔

نواب نظام علی خاں کے دور میں چونکہ ان کے پاس کافی قوت موجود تھی جب کبھی کمپنی سے عہد شکنی ہوتی ہے تو وہ فوراً ہی کمپنی کی فوج کو سزا کے طور پر برطرف کر دیتے ہیں۔

اس طرح نظام الملک ثانی نے (۴۲) سال حکومت کی اور اس (۴۲) سالہ حکومت میں انھوں نے ملک کی توسیع کی اور ہر طرح حکومت آصفی کو خطروں سے بچانے کی کوشش کی۔

نواب نظام علیخاں

نظام الملک آصفجاہ ثانی کی ساری زندگی جنگی کارروائیوں میں گزری۔ نظام الملک نے ہر طرح سے سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

دور عہد شکنی

(۱۰۰) سال

اس دور کے اہم خصوصیات یہہ ہیں کہ اس عہد میں جو معاہدے ہوئے ان پر کمپنی کے کارندوں نے

قل نہیں کیا ان کارندوں کے پیش نظر کوئی حکومت کرنی تو نہیں تھی بلکہ کسی نہ کسی طرح وہ رقم حاصل کرنا چاہتے تھے اس طرح ان سے کئی بدعہدیاں ہوئیں

نواب نظام الملک آصفجاہ ثالث کے انتقال پر ان کے جانشین ان کے فرزند نواب سکندر جاہ آصفجاہ تخت نشین ہوئے ان سے کمپنی نے ایک جدید معاہدہ کیا اس معاہدہ میں ایسے شرائط رکھے جس سے حیدرآباد کی خارجہ پالیسی پر بہت برا اثر پڑا۔ اس کے بعد کمپنی کی کارگزاریاں بہت زیادہ ہوئیں اور ہر طرف سے معاہدہ شکنی ہونے لگی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اب ٹیپو سلطان کا خطرہ جاتا رہا تھا مرہٹے کمزور ہو گئے تھے اس طرح کمپنی کی قوت بہت بڑھ گئی تھی اس لئے جا و بیجا کمپنی کے کارندے حضور نظام کے معاملات میں دخل دینے لگے اس طرح رفتہ رفتہ کمپنی کے نمائندے اپنے مرتبہ کو بلند کرنے کی کوشش میں لگے رہے عہد شکنی سلسلہ کا برابر جاری رہا ۱۸۵۷ء میں حکومت نظام ہی کی امداد سے کمپنی کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی باوجود اس کے نواب میر محبوب علیخاں مرحوم شاہ دکن کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر درباری آداب سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی گئی اور برار کا دوامی پٹہ بھی وجود میں آیا۔

دور ترقی (۱۹۱۱ء سے اب تک)

عہد ہمایونی

نواب میر محبوب علی خاں شاہ دکن کا انتقال ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ اور نواب میر عثمان علی خاں سلطان العلوم خسرو دکن تخت نشیں ہوئے اس وقت سے حیدرآباد کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ (۲۱) سال سے حیدرآباد کی ترقی کی فکر میں لگے ہوئے ہیں حضور پرنور نے ریاست حیدرآباد میں وزیر کے اختیارات ایک کونسل کے سپرد کئے اور ایک مجلس وضع قوانین مقرر ہوئی جامعہ عثمانیہ کا قیام ہوا۔ اس کے ساتھ دارالترجمہ بھی وجود میں آیا۔

قطع نظر تعلیم کے حضور ہی کے عہد میں عثمان ساگر حمایت ساگر وغیرہ تعمیر ہوئے جس سے ملک کو بہت فائدہ پہونچا۔

قدیم وضع کی گنجان آبادی کی وجہ سے حیدرآباد میں طاعون مستقل ہو گیا ہے اس لئے محکمہ آرائش قائم کیا تاکہ شہر کی رونق میں اضافہ کرے۔ غریب کسانوں کو قرضہ کے بار سے بچانے کے لئے امداد باہمی کا محکمہ قائم کیا

اور یہ محکمہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوا۔

برطانی ہند میں قدیم چیزوں کی جانب لوگوں کی بہت توجہ ہوئی اس طرح یہاں بھی محکمہ آثار قدیمہ قائم ہوا کہ ملک کے چپے چپے میں جو آثار ہیں ان کی حفاظت ہو۔

پھر برار کی واپسی کی کارروائی شروع ہوئی ریلوے کی خریداری سے ملک کو اب بہت کچھ توقعات ہیں شاہجہان۔ عبدالرحمان الناصر کی یاد تازہ کرتے ہوئے کئی عظیم الشان عمارتیں تیار کی گئی ہیں جن میں عدالت العالیہ سٹی کالج کتب خانہ آصفیہ اور کئی ایک عمارتیں بنوائی گئیں۔ غرض حضرت اقدس اعلیٰ کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملک میں امن و امان قائم ہے شہر میں ہر طرف نئی عمارتیں نظر آتی ہیں سڑکیں خوبصورت تیار ہوگئی ہیں

بہت ممکن ہے کہ گول میز کانفرنس میں ریاستوں کے جملہ حقوق کا تصفیہ ہو جائے تو یہ توقع ہے کہ آئندہ ہندوستان میں امن و امان پیدا ہو جائے گا اور گذشتہ معاہدوں کی توثیق ہو جائے گی اس کی وجہ سے ہندوستان میں امن سکون پیدا ہو جائیگا۔

ان امور کے علاوہ ایک خاص بات حضرت اقدس و اعلیٰ میں یہ ہے کہ آپ کی فطرت میں صداقت پسندی ہے ظاہری اور نمائشی چیزوں سے سخت نفرت ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا حیدرآبادی ماحول پر بھی کافی اثر ہوا۔ آپ سیدھی سادھی زندگی بسر کرتے ہیں اس طرح دکن میں باوجود ہندوستان کی ایک بڑی ریاست کے فرمانروا ہونے کے آپ نے اپنی ہی زندگی کو نمونہ کے طور پر پیش فرمایا فضول خرچی کی وجہ سے حیدرآباد کے اعلیٰ طبقہ پر بُرا اثر پڑ رہا تھا آپ نے اس کے لئے کوئی فرمان صادر نہیں فرمایا بلکہ خود ان رسوم کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور آج حیدرآباد میں وہ کون انسان ہے کہ اس کا معترف نہیں ہے طبقہ امراء میں آج کل جو سادگی سے شادیاں ہوتی ہیں وہ محض اس روشنضمیر فرمانروا کی اصلاحی کوشش کا نتیجہ ہے۔

عہد ہمایونی سے پہلے امراء کی حالت فضول خرچی کی طرف مائل تھی محرم الحرام میں ہزاروں روپیہ بے موقع ضائع ہوتا تھا ان امور کو ترک کرنے کے لئے کسی پر سختی کرنے کے بجائے خود حضور پر نور نے اس سے احتراز فرمایا۔

عام طور سے دنیاوی فکروں میں مبتلا ہونے کا بہانہ کر کے لوگ اپنے مذہب کی طرف سے غافل ہو جاتے تھے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے اس ذہنیت کے لوگوں کو اپنی طرز زندگی سے ثابت فرما دیا کہ باوجود دنیا بھر کی فکروں کے انسان یادِ حق میں بھی کس طرح سربسجود ہو سکتا ہے۔

جمعہ کو حضور اقدس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں اور ٹھیک نماز کے وقت حضرت اعلیٰ معہ

مسجد میں تشریف لیجا کر عوام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

آج کل لوگ مغربی تقلید کے دلدادہ ہیں حضرت اقدس کا یہ کارنامہ ہے کہ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگوں میں اب غیر شعوری طور سے فرض شناسی کا احساس ہو چلا ہے۔

یہ چیز نمایاں طور سے معلوم ہوتی ہے کہ سرکار آصفی کے عہدہ دار فرائض دنیاوی کے ساتھ ساتھ فرائض دینوی بھی ادا کرتے ہیں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت اقدس واعلیٰ کی فطرت میں صداقت پسندی ہے جس طرح امور سلطنت کی جانب آپ کو انہماک ہے اسی طرح حضور پُر نور نے خانگی زندگی میں بھی حسن انتظام کو قائم رکھا ہے۔
بچوں کی تعلیم و تربیت ایسی ہے کہ اس کا اثر سارے ملک پر ہوتا ہے اس اہم چیز کی جانب حضرت اقدس و اعلیٰ کی خاص نظر ہے۔

ابھی سے ولیعہد بہادر کو ملک کے ہر شعبہ سے واقف کرانے کی کوشش جارہی ہے اور اس کے لئے قابل اساتذہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے خاندانی روایات کو بہ کمال خوبی جاری رکھا ہے حضرت آصفجاہ اول کے انتقال سے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھائی حکومت پر برسر اقتدار ہوتا ہے اپنے دوسرے بھائیوں سے اچھا سلوک کرتا ہے حضرت اقدس و اعلیٰ کا سلوک اپنے بھائیوں کے ساتھ نہایت ہی اچھا ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی خاص فکر ہے۔ اور ہر وقت ان کے فلاح و بہبود کے متعلق غور و فکر فرمایا کرتے ہیں یہ ساری چیزیں کسی معمولی دماغ کا کام نہیں۔

حضرت جہاں پناہی میں وہ خداداد ذہانت ہے جس کا اعتراف اکثر و بیشتر ہو چکا ہے۔
ہندوستان کامل سکوت و جمود کے بعد ایکدم بیدار ہوگیا ہے اور دس بیس سال میں جو ترقی ہندوستان میں ہوئی ہے اس کی نظیر مشکل سے کسی سابقہ دور میں ملیگی۔

دس بارہ سالہ دور میں اگر کہا جائے کہ ہندوستانیوں کے دماغوں میں سیاسی خیال کی پرورش بہت ہی سرعت سے ہوئی تو بیجا نہ ہوگا۔

حیدرآباد کو بھی اس سرعت کا ساتھ دینا تھا یہ ساری باتیں دکن کے روشنضمیر فرمانروا نے پہلے ہی جان لیا تھا اور اس دور کا حضرت جہاں پناہی نے نہایت خوبی سے نہ صرف ساتھ دیا بلکہ آپ اپنے دور سے
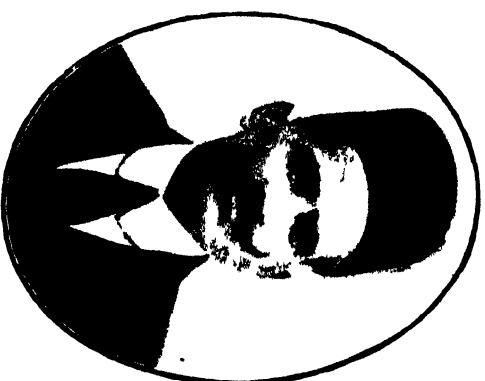
نقش شبیہ مولوی خان فضل محمد خان صاحب ام اے ناظر تعلیمات سرکار عالی

(SALGIRA NUMBER.)

حضرت نظام الملک آصفجاہ اول بانی دولت آصفیہ

سالگرہ نمبر
ماہنامہ "سفینۂ نسواں"
حیدرآباد دکن

By courtesy ' Pictorial Hyderabad"

بھی آگے نکل گئے سیاست و تدبر آپ کی سوانح حیات کا ایک مستقل باب ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ ہندوستان کے غیر متعصب افراد نے حالیہ تقریروں میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ خاندان آصفی کے فرمانروا نہایت امن و امان سے دو سو سال سے حکومت کر رہے ہیں اور موجودہ حکمران کے دورِ حکومت میں اسی کی جھلک ہے۔ خدا اعلیٰحضرت حضور نظام سلطان العلوم کی عمر دراز کرے۔

نوحِ ثانی

(از)

مولوی محمد حبیب اللہ صاحب رشدی ایم۔ اے

(ایڈیٹر نظام گزٹ)

ذیل کی نظم میں رشدی صاحب نے کمال اختصار کے ساتھ ہندوستان کے اُس پُر آشوب زمانہ کا ذکر کیا ہے، جس نے مغلیہ اثر کے پرخچے اُڑا دیئے۔ سلطنت مغلیہ کا چراغ جو ٹمٹما رہا تھا، اسی وقت بجھا مغلیہ دور کے آخری بادشاہوں کی کمزوریوں نے ہندوستان میں ہر جگہ فتنہ و فساد اور شور و شر برپا کر رکھا تھا اسی پر ختم نہ ہوا بلکہ دارالسلطنت دہلی کے در و دیوار کی قسمت میں ایک اور خونیں منظر دیکھنا تھا، جو "نادر شاہی حکم" (قتل عام) کی صورت میں ظاہر ہوا حکم کی دیر تھی کہ ہزارہا جسم بے سر اور سینکڑوں گھر تباہ و تاراج ہوئے، بے حساب زندگیاں افغانی تلوار کی گھاٹ اتریں، یہ وہ وقت تھا جبکہ بےگناہوں کے خون کی ندی بہتے ہوئے دیکھکر خود محمد شاہ (بادشاہ دہلی) کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا مگر جرأت نہ پڑی کہ اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکے پھر حضرت نظام الملک جیسے رحمدل کو اس نظارہ کی کہاں تاب ہوسکتی تھی، اس رحم و کرم کے مجسمہ نے آگے بڑھکر نادر سے استدعا کی، نادر باوجود حالت غیض و غضب میں ہونے کے اس مرد باخدا کی سفارش کو سنتا ہے، اور کہتا ہے کہ :۔

"بپاس خاطرت اماں دادم"

نادر شاہی فوج کی تباہ کاریاں، کیا عجب تھا جو ہندوستان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رکھتیں مگر ع

رحمت خدا کی تجھ پر او پیر مرد غازی!

کہ تو نے نہ صرف بادشاہ دہلی کی لاج رکھ لی بلکہ قتل و غارتگری کی اُن شعلہ فشانیوں کو روک دیا جو ہندوستان کو جلا کر ایک خاک کا ڈھیر بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔

ذیل کی نظم کے عنوان کو میں نے "نوح ثانی" سے تبدیل کر دیا ہے اور خود رشدی صاحب نے بھی ایک جگہ اس کا استعمال کیا ہے گیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت آصفجاہ اول نے مغلیہ تمدن کے ڈوبتے ہوئے "سفینہ" کو بیچ منجدھار سے نکال لایا؟ دراصل یہ اُسی اولوالعزم ملاح کی ہمت تھی اُس نے ڈوبتی ہوئی کشتی کو پیرا کر ایک ایسے محفوظ ترین مقام پر پہنچا دیا کہ زمانہ باوجود ہر بار ایک نیا روپ دھارنے کے دکن سے مغلیہ تہذیب و تمدن کے آثار کو نہ مٹا سکا۔ آصفی تاجداروں نے اس نوح ثانی کے بتلائے ہوئے زریں اصول کو اپنا لائحہ عمل قرار دیا جس کی وجہ آج ہم فخر کے ساتھ اپنی ایک علحدہ "قومیت" و "تمدن" رکھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور ایک ایسے "ثمردار شجر" کے سایہ میں امن و سکون کے ساتھ کامیابی و ترقی کی راہ پر گامزن ہیں جس کی عدیم النظیر پالیسی یعنی "مرنجان و مرنج" ہے۔ خدا ہماری اس "قومیت" کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنائے۔ اور ہمارے آقائے ولی نعمت حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ اور دولت آصفیہ کو ہر آفت سے محفوظ و مصئون رکھتے ہوئے تا ابد قائم و دائم رکھے۔ آمین

اختر قریشی (مدیر معاون)

طوفاں مچا ہوا تھا دنیائے ہند میں جب — گلشن کے ہر شجر پر آفت ہوئی تھی نازل

مغرب کے بادو باراں یلغار کر رہے تھے — سارا چمن ہمارا وقفِ خزاں ہوا تھا

اک پیر مرد غازی سنکر صدا خزاں کی — اُٹھا! اور اُس نے اُٹھکر دیکھا فلک کی جانب

دورِ فلک میں دیکھی تصویر عہدِ نو کی!

مالی تھا وہ چمن کا تھی اُس کے دم سے رونق — دیکھی خزاں جو اُس نے پیارے وطن کو چھوڑا

چھوٹی سی ناؤ لیکر نکلا وہ "نوح ثانی" — اور دُور جا کے اُس نے ڈھونڈھا نیا جزیرا

ڈوبا جہاز جس دم ملاح سارے ڈوبے — غوطے بہت سے کھائے واں جا بسے بہت سے

رحمت خدا کی تجھ پر اے پیرِ مردِ غازی!!

حضرت نظام الملک آصفجاہ بہادر اول

(۲ نمبر)

جناب سید کریم اللہ احمد صاحب (عثمانیہ)

سرزمین دکن جس پر صدہا سال تک اندھیرا چالوکیہ، راشٹرکوٹ وغیرہ خاندانوں کی حکومت رہی جس کو زیرنگیں کرنے کے لئے علاء الدین خلجی۔ اس کا سپہ سالار محمد ملک کافور خاندان تغلق کا مشہور الوالعزم شہریار جونا تغلق عرصہ دراز تک کوشاں رہے جس خطہ پر صدیوں شاہان بہمنیہ اور ان کے نام لیوا شاہان قطب شاہی عادل۔ بریدی و نظام شاہی وراجگان بیجانگر اپنا دبدبہ بٹھا چکے تھے۔ آج اس بااقبال خاندان کے زیر حکومت ہے جس کے جد اعلیٰ حضرت نظام الملک اول ہیں۔ یہ وہی بااقبال نظام ہیں جن کی تاریخ ولادت "نیک بخت" ہے۔ کس کو علم تھا کہ وہ نیک بخت ایک روز صحیح معنوں میں نیک بخت ثابت ہوگا اور نہ صرف اس مبارک ہستی کے نیک بختی کا شہرہ ہوگا بلکہ سارا خاندان آفتاب نیک بختی ہو کر چمکیگا وہ ہونہار جو بڑے ہو کر بڑے کام کرنے والے ہوتے ہیں بچپن ہی سے کچھ ایسی ذاتی خصوصیات لیکر پیدا ہوتے ہیں کہ حقیقت شناس چشم دیکھ لیتی ہے کہ یہ ہستی کچھ ہو کر رہیگی۔ حضرت آصفجاہ بہادر کے ایام طفولیت میں بارہا شہنشاہ عالمگیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس بچے کی پیشانی پر ستارۂ نیک بختی چمکتا ہے۔ اس قدر شناس و مردم شناس شہنشاہ نے ایام طفولیت میں حضرت نظام الملک کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لیلی۔ دربار دہلی میں بہت سے امرا تھے ان کے بچے بھی تھے۔ حضرت عالمگیرؒ کی نظر انتخاب کسی اور پر نہ پڑی بلکہ خاندان آصفیہ کا ہونے والا بانی اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر شہنشاہ ہند کا مورد الطاف بنا۔ ــــــــ آپ ابتدائے سن میں مثل دوسرے بچوں کے کبھی بھی لہو و لعب میں مصروف نہ ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ کو سیاسی امور سے بیحد دلچسپی رہی چنانچہ جب کبھی آپکے والد بزرگوار کسی سیاسی مسئلہ میں مجلس شوریٰ منعقد کرتے تو آپ بڑی دیر تک ٹھیر کر یا چھپ کر اس کو سنتے تا زمانہ بلوغ سے آپ پابند شرع رہے۔ کبھی آپ کا نماز و روزہ قضا نہ ہوا۔ زندگی بیحد سادہ تھی کیوں نہ ہو آپ نے اس عادی پابند سرپرست کے زیرنگرانی تربیت پائی تھی جسکی سادگی شہرہ آفاق ہے۔ اور یہ سادگی جو خاندان آصفیہ کے اکثر تاجداروں کا طرہ امتیاز رہی اور ہے یہ سادگی جو اسلامی تاجداروں میں بحیثیت

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری ہے مسلمانوں کی سیاسی اور مالی برکت کا سبب ہے۔ وہ شاہان اولوالعزم جن کے ہاں دولت و ثروت کی فراوانی، شان و شوکت کے لوازمات موجود ہوں اور پھر بھی اپنے کو رسولؐ کا سچا پیرو و عمرؓ ثانی ثابت کرنے کی کوشش کریں تو واقعی وہ مبارک ہستیاں ہیں اور آپکی رعایا خوش قسمت ہے۔

یہ آصفجاہ اول کی مقدس زندگی اور ان کے پاکیزہ خیالات ہی کا نتیجہ تھا کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے آپکی مدد کی اور آج تک بھی اس خاندان کے حامی و مددگار ہیں۔ اس سے بڑھکر حضرت آصفجاہ اول کے مذہبی اقدس کا کیا اور کوئی ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ نے پرچم آصفی کو ایک بزرگ با خدا کے عطیہ پر قائم کر کے ہمیشہ کے لئے خاندان آصفی کو زیر حمایت الہٰی کر دیا۔

اگر ہم ہندوستان کی تاریخ کے اس حصہ کو نظر غور مطالعہ کریں۔ جہاں ہندوستان پر نادر شاہ کے حملہ کا ذکر آتا ہے تو اس وقت ہم کو اس اولوالعزم ہستی کی عظمت کا صحیح پتہ چلسکتا ہے۔ یوں تو حضرت آصفجاہ بہادر بچپن ہی سے عالمگیرؒ کے چہیتے تھے۔ چھ برس ہی کی عمر سے مناسب و اعزاز حاصل کرتے رہے۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی صوبہ داریاں ملتی رہیں اور نہ صرف صوبہ داری بلکہ بہ عالیمرتبت ہستی اقلیم ہند کی وزارت عظمیٰ کا قلمدان بھی اپنے قبضہ میں رکھ چکی۔ ادھر وزارت اور ادھر سپہ سالاری ہند بھی دوسرے ہاتھ میں رہی اور ہر اہم معاملہ جو اورنگ زیبؒ کی وفات کے بعد خاندان مغلیہ کو پیش آیا اس میں آصفجاہی مشورہ آتنا ہی ضروری تھا جیسے زندگی کے لئے میحا۔

ہندوستان اگر احسان فراموش نہیں ہے۔ اگر ہندوستان اپنے اسلاف کے کارناموں کو اپنی نفاذ ہستی کا سبب سمجھتا ہے تو اس کو اس عالیمرتبہ انسان کا احسان کبھی نہ بھولنا چاہئیے کہ اس مبارک ذات نے ہندوستان کو صرف اپنی شخصیت کی وجہ سے غیر کے جوئے سے بچایا۔ نادر کے قتل کی جھوٹ خبر افواج نادری میں پھیلی نادر سنہری مسجد دہلی پر ننگی تلوار لیکر قتل عام کا آوازہ کسنے لگا۔ ہزارہا بیگناہ قتل کئے گئے۔ مگر حضرت آصفجاہ کی التجا خالی نہ گئی، فوراً نادر شاہ نے اپنی فوج کو قتل عام سے باز رکھا۔

یہ فعل ان سارے عظیم الشان کارناموں سے بڑھا چڑھا ہے جو حضرت آصفجاہ نے کئے۔ ایک طرف تو خاندانِ مغلیہ کی لاج رکھ لی دوسری طرف رعایا کی زندگی بچالی۔ ہندوستان کو بے عزتی سے محفوظ رکھا اور مرتے دم بھی دو مغلیہ کی عزت شان و یادگار خاندان آصفیہ کی بنیادوں کو مستحکم کر کر رکھ لی۔

ملک کی محبت کی ایک مثال جو پیش ہے ایسی اور نظیر ہندوستان کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملیگی اور

ایسے غیر معمولی انسان کے کارناموں پر نظر ڈالنا گویا آفتاب کو چراغ بتلانا ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب کی جو موجودہ شان نظر آرہی ہے وہ اسی ذی وقار دور اندیش فرد کی جہاں دانی کا ادنیٰ نمونہ ہے، ورنہ آج ہم کو وہی دن دیکھنا ہوتا جس کو اندلس کے مسلمان دیکھ چکے ہیں۔ ایک بہت بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی حیات بعض دیگر رہنمایاں قوم کی رہین منت ہے ——— مگر میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر آصفجاہ اول مغلیہ ڈوبتی کشتی کو ساحل دکن پر نہ لیجاتے اور خاندان آصفی کے دیگر جواہر دملاح اس کی شکستہ حالت کو نہ سنبھالتے تو ناممکن تھا کہ آج اقطاع ہند کے مسلمان اپنی بقا کیلئے اس کشتی کے مسطول کو تھامے۔ اس پر جلال شخصیت کو بھی وہ دن دیکھنا نصیب ہوا جس کے دیکھنے کیلئے ہر ذی روح متمنی ہے بارگاہ ایزدی میں باریابی ہونی تھی اس مقصد کے لئے خانوادہ آصفی کا وُرّا ولیں ۴ ؍ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ میں اپنی آب و تاب کی جھلک سرزمین دکن پر چھوڑ کر راہی سلطنت جاویدانی ہوا وقت رحلت اس عالیہ نسبت بانی خاندان آصفیہ نے اپنے جانشینوں کے لئے ایسا سیاسی نظام عمل ترتیب دیدیا کہ سلطنت کبھی بھی انشاء اللہ المستعان متزلزل نہیں ہوسکتی۔ وہ چند بے بہا نصائح ہیں جو آپ نے اپنے فرزند نواب ناصر جنگ بہادر کو کہیں اور سمجھا دیا کہ اگر نظام حکومت ان نصائح پر چلتی ہو تو پھر ڈر نہیں۔ وہ نصائح حسب ذیل ہیں۔ ضرورت ہے اس امر کی کہ ان درہائے بے بہا کو ہر گھر اپنی زینت کا سبب سمجھے اور زندگی کا نصب العین قرار دے۔ ———

(۱) رئیس دکن کے لئے ضروری ہے کہ اپنی سلامتی ملک کی بہبودی اور افزائش آبادی سے سمجھے اور اقوام مرہٹہ جو اس ملک کے زمیندار ہیں ان سے رشتہ صلح نہ توڑے بصورت ناچاری مجبوری ہے

(۲) انہدام بنی آدم میں ہرگز جرات نہ کرے کیونکہ آدم کی بنیاد رب العالمین کی رکھی ہوئی ہے گیہوں اور جوار کے مثل نہیں — جو ہر سال اُگے۔ مجرم کو قاضی کے تفویض کرے وہ تصفیہ کرے آپ خود قتل کا حکم نہ دے۔

(۳) اپنی زندگی اور نظام سلطنت کا مدار سفر پر رکھے۔ انتظام ریاست سفر پر منحصر ہے۔

(۴) بادشاہ کو چاہیئے کہ تمامی خلائق کے کام صرف خدا ہی کے فضل وکرم سے اپنے متعلق تصور کرے بعد ادائے فرض وواجب اپنے اوقات عزیز کو امور متعلقہ کے انتظام میں تقسیم کرے۔ اور کبھی بیکار نہ رہے۔ احکام شرعی کو بھی بجالائے تاکہ عاقبت بخیر ہو۔

(۵) استحکام سلطنت بزرگان دین کے دم سے ہے۔ اُن بزرگواروں سے ہمیشہ مدد چاہنی چاہیئے۔

(۶) زمین وآسمان خدائے عزوجل کی بنائی ہوئی ہیں۔ کل زمین اپنی تصور کرکے کسی مستحق کا حق تلف نہ کرے۔

(۷) ریاست دکن مختلف صوبوں پر منقسم ہے کبھی یہ صوبے علحدہ علحدہ بادشاہان اولوالعزم کے ماتحت تھے۔ خدائے عزوجل نے مجھے اس کا مالک بنایا۔ اب میں تمہارے حوالہ کر جاتا ہوں میں نے حتی المقدور نگہبانی خلق میں کوتاہی نہیں کی۔ تم کو بھی لازم ہے کہ تم ہر خاندان کی خبر رکھو۔ اور ہر ایک کو خدمات پر نوبت بہ نوبت مامور کرو۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ ہر سال بدلتے رہو تاکہ دوسرے لوگ محروم نہ رہیں۔

(۸) اپنے چھوٹے بھائیوں کو فرزندوں کے برابر پرورش کرو۔ انکی تربیت وزیادتی قدر و منزلت میں سعی کرو۔ یہ تمہارے قوت بازو ہیں۔

(۹) ادنیٰ کو اعلیٰ کام پر اور اعلیٰ کو ادنیٰ کام پر مامور نہ کرو۔ کیونکہ اس کی نارسائی اور اُس کی بے توجہی کام کو ضائع کرتی ہے۔

(۱۰) حتی المقدور اپنے سے جنگ میں اقدام نہ کرو اور جہاں تک ہوسکے جنگ نہ ہونے کی کوشش کرو اور کبھی روبقبلہ جنگ نہ کرنا چاہیئے۔

ان نصائح کو پڑھنے کے بعد کوئی عقل سلیم اس امر سے انکار نہیں کرسکتی کہ سارا نظام سیاسی ان دس فقروں میں منضبط ہے۔ نظام الملک طوسی نے سلاطین سلجوق کی تنظیم میں جلدیں لکھ ڈالیں جب کہیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ آفریں ہے اس عقل و دانش پر جس نے دس جملوں میں سلطنت کی بنیادیں مستحکم کردیں۔ آپ خود ہی تصفیہ کیجیئے کہ نظام الملک طوسی قابل تحسین ہے یا نظام الملک رح آصفی۔

قابل شکر یہ امر ہے کہ جانشینان آصفجاہ نے ان نصائح پر لفظ بہ لفظ عمل کیا اور سارے دنیا کے شاہی خاندانوں میں خاص شان پیدا کرلی۔ نہ صرف حرف بہ حرف پابندی کی بلکہ اس عظیم الشان خاندان کے عالیمرتبہ افراد نے اپنی موروثی عقل اور دانش سے چار چاند لگادئے۔ حضرت آصفجاہ اول اولوالعزم فرمانروا تھے۔ رعایا پروری آپکی فطرت ثانی تھی۔ کوئی سائل آپکی بارگاہ سے واپس نہ گیا شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اول شاکر تخلص فرماتے تھے پھر آصف اختیار فرمایا۔ ضخیم دیوان اب بھی موجود ہے ایک شعر نمونتاً پیش ہے۔

افسوس کہ در طبع بتاں نیست گوارا

اے باغِ وفا آب وہوائے کہ تو داری

غرض اس ذی مرتبہ انسان کے صفات کو بالتفصیل گنوانا ہمارا کام نہیں ——— اس دور میں خاندان آصفی کے برکات اور موجودہ فرمانروائے دولت آصفیہ کی ذات گرامی جو اِن صفات کا آئینہ ہے کس کو اعلیٰحضرت تاجدار دکن کے اعمال حسنہ سے انکار ہو سکتا ہے رعایا، دکن کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے کہ آیا ہمارا موجودہ تاجدار (خدا اس ذات گرامی کو بدیر باقبال وحشم قائم رکھے) اُن سارے صفات کا حامل ہے یا نہیں۔ وہ صفات جو اس عالیقدر خاندان کے بانی کی عظمت کا سبب تھے۔

بادشاہ پرستی کا جذبہ جس قوم میں رائج ہے وہاں بادشاہ کی عزت ووقار تعریف و توصیف ہر حالت میں عادت ثانی ہو جاتی ہے۔ سننے والوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی بادشاہ کی رعایا صرف جذبۂ بادشاہ پرستی کے تحت اپنے بادشاہ کی جا وبیجا تعریف میں رطب اللسان ہے بادشاہ کی مدح ایک رسمی چیز سمجھی جاتی ہے۔ یہ خادم مُلک و مالک ہرگز اس رسمی مدحت کی بدعت میں مبتلا نہیں بلکہ آج سلطنت آصفیہ کا ہر متوسل بلکہ بیرونی افراد بھی اوصاف عثمانی کے مقر نہیں۔ حقیقت کو چھپانا اور اس پر پردہ ڈالنا منافقین کا کام ہے۔ آج دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ سلطنت آصفیہ پر اعتراض کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا جا سکیگا۔ اس خوش نصیب دور میں وہ امن وچین نصیب ہے کہ آج دنیا کے بہت سے ممالک کو نصیب نہیں۔

خواتین مُلک سے درخواست ہے کہ وہ بانی خاندان آصفیہ اور دکن کے والی شاہ عثمان کے کارناموں کو بغور دیکھیں کیونکہ مسلمانوں کی عزت مُلک کا وقار انہی کے ذاتہائے گرامی سے وابستہ ہے۔

بادشاہ اور مُلک کی محبت ترقی کا سرچشمہ ہے۔ اپنے آنے والی نسلوں کے قلوب پر حکمران خاندان کی عظمت۔ اور بادشاہ وقت کی محبت کا سکہ ایسا بٹھانا چاہئیے کہ بادشاہ پر جان نثاری ہر فرد اپنا فرض سمجھے مشرقی اقوام کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جاپان جیسا چھوٹا سا مُلک اسی خصوصیت کی وجہ دنیا میں آج ممتاز ہے کہ آج (۲۵) صدی سے ایک ہی شاہی خاندان حکمران ہے آخر میں یہ ادنیٰ خادم مُلک و ملت بانی خاندان آصفیہ کی روح پر فتوح پر ہدیۂ فاتحہ بھیجتا ہے۔ اور میرے تاجدار میرے آقا شاہ دکن کی خدمت اقدس میں ناچیز ہدیۂ مبارک اس سالگرہ ہمایونی کی تقریب پر پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے۔

دعا ہے کہ خداوندا۔ اس خاندان کو اس خاندان کے چراغ کو بہ دیر قائم و دائم رکھ۔ آمین ———

طرحی غزل

(۲)

از محترمہ "ح" نقوی صاحبہ جہاں

نظامِ کون و مکان منظرِ جہاں بدلا — گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

وفورِ شوق سے بھی چاک ہے قبائے گل — بہار آئی ہے بلبل نے آشیاں بدلا

عروسِ دھر بھی سرگرمِ خودنمائی ہے — وہ اپنا طرزِ ستم پیرِ آسماں بدلا

ہر ایک کوہ بنا رشکِ طورِ سینائی — وہ لن ترانی کا انداز او بیاں بدلا

صدائے قلقلِ مینا سے کیف برپا ہے — ادا و عشوۂ ساقیٔ دلستاں بدلا

صبا کی چال پہ نکہت کی بادہ پیمائی — عجب نہیں جو روش شیخ ناگہاں بدلا

چٹک چٹک کے بنے رشکِ کہکشاں غنچے — چمک چمک کے ستاروں نے آسماں بدلا

فنا میں قطرۂ شبنم کو ہے بقا حاصل — مآلِ زیست کا ماحصل جاوداں بدلا

جبیں سائی کا سودا ادھر ہی لیکے گیا — جہاں جہاں وہ صنم سنگِ آستاں بدلا

چہار سمت ہوائے دکن کا سودا ہے — بس اہلِ ہند کا اب سود سے زیاں بدلا

ہزار سال سلامت رہیں شہِ عثماں — عدو ہو خوار رہے اُس سے آسماں بدلا

نگاہِ ناز اُدھر سے ادھر کو پھرنا تھا — کہ مثلِ قبلہ نما طالع جہاں بدلا

مہرالنساء (ملکۂ ہند)

از

محترمہ نورجہاں صاحبہ ناشر بمبئی

کس کو معلوم تھا کون جانتا تھا فقر و فاقہ کی بیٹی ایسے جنگل میں پیدا ہوگی جہاں رہنے کے لئے جھونپڑا ہوگا نہ پہننے کو کپڑا۔ اب ذرا دیکھو او مہرالنساء۔ جس کے والدین میں اتنی استطاعت بھی نہ ہو کہ آئندہ اس نومولود کے اخراجات کی کفالت کر سکیں۔ زمانہ وہ آج دیکھے گا کہ ٹکے ٹکے کی محتاج ہندوستان کا راج کرے گی اور ایک زمانہ کی احتیاج اس سے پوری ہوگی۔ کوئی تعجب نہیں جو تسنے مستور میں نورجہاں کہلائے۔ جہانگیر سا بادشاہ جس کے پا انداز میں آنکھیں بچھائے۔ اس کو اقبال مطلع شہرت پر مہر بنا کر چمکائے جانتے ہو کون ہے؟ مرزا غیاث جو خواجہ غیاث بھی کہلاتا تھا (جو آگے چل کر وزیر اعظم بھی ہوا) اس کی بیٹی اکبر کی بہو۔ شیر افگن کی بی بی۔ جہانگیر کی حیات معاشقہ۔ شہزادہ شہریار کی خوشدامن۔ اللہ اللہ طہران کی مفلس باپ کی بیٹی اور ہندوستان کی رانی

جب کہ اکبر کی سخاوت، بے تعصبی، قدردانی، عالم میں آفتاب درخشاں کی طرح درخشاں ہے مرزا غیاث باشندہ طہران اس خیال سے کہ قسمت چمکے اور روزی ہاتھ آئے اپنا اثاث البیت بیچ باچ کر ہندوستان روانہ ہوتا ہے چونکہ بی بی حاملہ ہے اس لئے بمشکل تمام ایک گھوڑا خریدا گیا کہ طے مسافت میں سہولت ہوگی تھوڑی ہی منزلیں طے ہوئی تھیں کہ بقیہ جمع پونجی ختم۔ قافلہ کے امید و بیم پر گذارا رہا۔ سیہ بختی کا کیا پوچھنا کہ افتاں و خیزاں۔ قندہار کے جنگل تک پہنچے ہی تھے کہ لڑکی پیدا ہوئی۔ قافلہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا۔ پریشانی نے گھیرا کہ کیا کیا جائے، "جائے ماندن نہ پائے رفتن" افلاس نے رائے دی کہ بنیاہی دینا مشکل ہے لڑکی کو کون پالے! تنہا بتقدیر ایک درخت کے نیچے چھوڑ دیا گیا۔ تھوڑی دور بھی جانا نہ ہوا تھا کہ محبت مادری نے زور کیا۔ واپس آئے دیکھتے ہیں کہ اوسی درخت کے نیچے لڑکی موجود ہے۔ والدین کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ گود میں لے لیا پیار کیا تقدیر کا کرشمہ دیکھئے کہ اوسی وقت ایک قافلہ کا گذر ہوا اور انھیں اپنے ساتھ کرلیا۔ لاہور پہنچے چونکہ ان دنوں اکبر کا دربار لاہور میں ہو رہا تھا بخت کی مساعدت کہئے درباریوں میں سے ایک شخص مرزا غیاث کا شناسا نکل آیا دربار اکبری تک رسائی ہوئی۔ چونکہ مرزا غیاث صاحب سلیقہ، قابل اور فہمیدہ شخص تھا اور اکبر مردم شناس، "فوراً تاڑ لیا کہ یہ شخص کار آمد ہے منصب یکہزاری پر مامور کر لیا۔ ہوشیار آدمی کو پیر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر خود بخود آپ اپنے لئے جگہ نکال لیتا ہے مرزا غیاث نے تھوڑے ہی دنوں میں اپنے حسن لیاقت خوش اخلاق سے تمام درباریوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ مرزا غیاث نے رفتہ رفتہ اکبر کے خانگی کاروبار میں بھی رسوخ پیدا کر لیا۔

آخرکار اعتماد الدولہ کا خطاب ہی لیکر چھوڑا

چونکہ والدین فرط محبت سے لڑکی کو مہرا سا کہا کرتے تھے جو حقیقت میں اسی نام کی مستحق بھی تھی ماں کے ساتھ ساتھ محلات شاہی میں بھی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ حق تو یہ ہے کہ ذکی الطبع ہونہار لڑکی کا عشرہ دوم کے خیابان میں قدم رکھنا ہی تھا کہ محلات شاہی میں اس کی موسیقی دانی شعر گوئی، سوزن کاری، کے چرچے ہونے لگے محلات شاہی اور شہزادہ کی آمد و رفت کیونکر ممکن تھا کہ شہزادہ سلیم کے کانوں تک یہ آوازہ نہ پہونچتا۔

ادھر غیاث کو اپنی لڑکی کی فکر ادھر اکبر کو شہزادہ کا خیال، مرزا غیاث نے ایک نجکیل عالی خاندان جوان شیر افگن کو جو ایرانی النسل اور بنگال کا صوبہ دار بھی رہ چکا تھا، تاکا اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ۔ جہانگیر کے بڑھتے جذبات اجڑتے خیالات خون ہو کر دل میں رہ گئے۔ اگرچہ جہانگیر نے فسخ نسبت کی ہزاروں تدبیریں کیں۔ مگر نوشتہ تقدیر کو کون پاٹ سکتا ہے۔ وہی ہوا جو تقدیر کا نوشتہ تھا نہایت دھوم دھام سے شیر افگن اس گنجینۂ حسن کا مالک ہوگیا۔ اس دولت حسن کے حصول پر وہ بظاہر خوش و خرم ضرور تھا مگر جہانگیر کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ کچھ عرصہ تک تو شیر افگن دربار اکبری میں حاضر رہا۔ لیکن جب جہانگیر کی زیادتیاں حد سے تجاوز ہوگئیں تو اس نے بنگال کی راہ لی اور وہاں کے موجودہ صوبہ دار سے بردوان کے عہدہ مدارالمہامی کا جائزہ حاصل کیا اور وہیں رہنے سہنے لگا۔ اس اثنا میں مہر النسا کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی جو آگے چل کر شہزادہ شہریار کے حبالہ نکاح میں آتی ہے۔

شیر افگن اور نور جہاں ایک جان دو قالب کی مکمل تصویر تھے ہر روز عید ہر شب برات رہی مگر کم بخت ۱۶۰۵ء شیر افگن کے حق میں نہایت منحوس ثابت ہوا موسم بارش کے ختم ہوتے ہی ماہ اکتوبر میں اکبر نے جہانگیر کے لئے اورنگ شہی خالی کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ تاج شاہی زیب سر کرنے کی دیر تھی کہ مہر النسا مطلع دل پر بری طرح چمکنے لگی۔ چالیس روز آگرہ میں جشن تخت نشینی منایا گیا اور پھر پایۂ تخت دلی میں پہنچا اور شیر افگن کو طلب کر کے مراحم خسروانہ سے بے انتہا سرفراز فرمایا۔ شیر افگن کھٹکا تو ضرور گیا کہ خدایا خیر کرنا۔ اس طمع کئے ہوئے نوازشات شاہانہ کی تہ میں ضرور زہر کی تلخی ہے۔ شیر افگن جیسا شیر دل چکرا گیا اور وہ خلش پنہاں پھر کھٹکنے لگی۔

جہانگیر نے شیر افگن کے دفعیہ کی چار تدبیریں سوچی تھیں۔ اول یہ کہ شیر افگن کو ہمراہی شکار کا شرف دیکر ایسی جگہ ٹھہرایا جہاں شیر نکلتے ہی حملہ کرے۔ مگر واہ رے شیر افگن۔ شیر نکلا ہی تھا کہ تلوار پھینک ہاتھوں سے شیر کو چیر کر رکھ دیا دوسری مرتبہ جب کہ شیر افگن ایک تنگ کوچہ سے گذر رہا تھا مست ہاتھی چھوڑ دیا گیا کہار پالکی پٹک کر چلتے بنے۔ مگر شیر افگن پالکی سے نکل کر تلوار کا وہ بھرپور ہاتھ لگایا کہ سونڈ کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اگرچہ ان واقعات کی خبریں مہر النسا کو روزانہ ملتی رہیں تبعض سنا ... دل کو ... کہو الوداع اور وطن کی راہ لو۔ مگر شیر افگن بھی نام کا ... کسی کی کب ماننے والا

چھ ماہ بغیر کسی خلش کے گذر چکے طبیعت کو کسی قدر اطمینان ہو چلا تھا مگر یہ خبر پہنچی کہ قضا سر پر کھیل رہی ہے اور مہرالنسا کو نورجہاں بنانے والی ہے شیر افگن اپنی بیوی کو لیکر بردوان چلدیا۔

جہانگیر نے موقع کو غنیمت جانکر اپنے رضاعی بھائی قطب الدین کو جو نائب سلطنت تھا کنایتہً بنگال میں لکھ بھیجا کہ شیر افگن کا کام تمام کر دیا جائے قطب الدین نے چالیس مسلح جوان نوکر رکھے اور ایک رات یہ دیکھکر کہ تاریک ہے دھاوا بول دیا شیر افگن میٹھی نیند سو رہا تھا۔ ہنوز حیات باقی تھی کہ انہی جوانوں میں سے ایک بوڑھا بول اٹھا سوتے کو مارنا شیوہ جوانمردی نہیں بلکہ بہادر للکار کر حملہ آور ہوتے ہیں" یہ سننا تھا کہ شیر خفتہ بیدار اُٹھا اور بیس کو تہ تیغ کر دیا انیس[19] نے راہ فرار لی اور یہی لڑ ہا گرفتار ہو گیا شیر افگن بھی ایک چلتا ہوا تھا اسی بوڑھے سے تمام حالات کی ٹوہ لی اور انعام اکرام دیکر رخصت کر دیا۔ مہرالنسا جانتی تھی کہ یہ سب میرے حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں مگر کر ہی کیا سکتی تھی۔ آخری تدبیر یہ کی کہ قطب الدین مسلح سواروں کے ساتھ بردوان کو شیر افگن کے مکان گیا شیر افگن نے بڑھکر استقبال کیا قطب الدین سواری کا ہاتھی طلب کر کے گھوڑے سے اتر گیا شیر افگن تاملا مگر اب کر ہی کیا سکتا تھا "تنگ آمد بجنگ آمد" واہ رے شیر افگن میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبونگا لپک کر قطب الدین نے وہ ہاتھ رسید کیے کہ رسید ہے۔ عدم آباد چلنے بنے اب شیر افگن پر ہر طرف سے تلوار و بندوق کے حملے شروع ہو گئے مگر اللہ رے جری جیسی ملّا گولی میں جاں بحق ہوا۔

اب مہرالنسا کی آنکھیں کھلیں بنگال کا گورنر دوسرا مقرر ہوا اس نے یہ تدبیر سوچی کہ شیر افگن تو ہاتھ سے جاتا رہا کہیں ایسا نہ ہو مہرالنسا بھی رفاقت کے لئے چلدے۔ مہرالنسا کا نام شاہی قیدیوں میں لکھکر دلی روانہ کر دیا۔ زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ وہی مہرالنسا زندان شاہی میں رہا کرتی آج زندان دلّی میں اسیر تفکرات ہے۔ اسی دوران میں جہانگیر نے متعدد مرتبہ نکاح کا پیام دے کر ناامید ہوا اب جہانگیر نے یہ تدبیر کی کہ زندان سے نکال کر محل شاہی میں اپنی والدہ کی خدمت پر مقرر کر دیا۔ اور "نور محل" کا خطاب دیا اور محل میں چند کمرے اس کے لئے مخصوص کر دئے۔ چند برس تک جو زمانہ بیوگی میں گذرا تھا "نور محل" نے کبھی جہانگیر کی صورت نہیں دیکھی اور نہ اپنی صورت دکھائی۔ اگرچہ جہانگیر نے مصحف رخ کی زیارت کے لئے بیسیوں تدبیریں کیں مگر سب بے سود۔ اب نور محل نے اپنی دلچسپی کے یہ سامان پیدا کئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اعلیٰ دست کاریوں کے نمونہ تیار کر کے اپنی خواصوں اور اپنے کمروں کی آرائش زیبائش میں صرف کر دیتی اس کی نہایت پابندی تھی کہ زمانۂ بیوگی میں سفید کپڑے کے بجز کبھی رنگین کپڑا اپنے لئے استعمال نہیں کیا جب جہانگیر نے دیکھا کہ دال گلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ آہوئے رم خوردہ رام نہیں ہوتا۔ ایک دن جب کہ مہرالنسا کشیدہ کاری میں مصروف تھی اچانک ایک ہار جیب سے نکال کر جس میں چالیس موتی تھے فی موتی چالیس ہزار کا تھا گلے میں ڈالدیا۔ پہلے تو نور محل چونک اٹھی سنبھل کر آداب شاہی بجالائی اور اس طرح کھڑی ہو گئی جس طرح کہ رعایا بادشاہ کی حضور میں نور محل شاہی رعب سے

نقش حیرت تھی جہانگیر رعب حسن سے مبہوت۔ بہ ہزار خرابی جہانگیر نے مہر سکوت یوں توڑی:-

"ہمارے اور تمہاری خواصوں کے لباس میں کیوں فرق ہے؟"

نور محل جواب دیتی ہے۔ "یہ میرے محکوم ہیں اور میں جہاں پناہ کی خواہشات کے زیر اثر" اب کیا تھا جہانگیر کی منہ مانگی مراد بر آئی۔ جیب سے ایک اور ہار نکال کر پہنا دیا۔ وہ کہاں تک جھجک کر کہا ملکہ کہلاؤ گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نور محل نے شیر افگن جیسے جری شوہر کو جس کے سوگ میں چھ سال تک رنگین کپڑا نہیں پہنا تھا اپنے دل سے فراموش کر دیا اور اس کی الفت کا گھروندا جو اپنے ہی ہاتھ سے تیار کیا تھا بیوفائی کی ایک ضرب سے مٹی میں ملا دیا۔ ان واقعات سے محبت کی عدالت میں نور محل ملزم قرار دی جا سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی اور بیکاری سے اکتا گئی تھی یا حکومت اور سلطنت کی ہوس تھی۔ جہاں اب تک انکار تھا وہاں یہی "نہیں" رہتی تو آج دنیا اس کی نسبت شوہر پرستی کی قسم کھاتی پیاسے ہو کر بہتے دریا سے سیراب نہ ہونا" آئی ہوئی حکومت کو ٹھکرا دینا عقلمندی کا شیوہ نہیں۔

پھر کیا تھا نور محل شاہی محل میں داخل کی گئی اور نہایت تزک و احتشام سے شادی ہوئی اور "نور محل" "نور جہاں" بن گئی جس سکہ پر نور جہاں کا نام کندہ کرایا گیا اس کی قیمت کئی حصہ بڑھ گئی جب کہ بیٹی راج کرے باپ اور بھائی کیا زاویہ کو ہاویہ بنا کے بیٹھے رہیں یہ کیونکر ممکن ہے خواجہ غیاث وزیر اعظم آصف خاں درباریوں میں امیر الامراء بنایا گیا اور ۱۶۱۲ء میں شاہجہاں کے عقد میں اپنی لڑکی دی اور نور جہاں نے اپنی لڑکی جو شیر افگن سے تھی شہزادہ شہریار کو بیاہ دی۔ کامل بیس سال تک نہایت کامیابی سے جہانگیر کے پردہ میں سلطنت کے مزے لیتی رہی۔ جب تک خواجہ غیاث زندہ رہا جہانگیر نور جہاں سے دبتا ہی رہا اور غیاث کی آنکھیں بند ہوئیں۔ ادھر جہانگیر شیر ہو گیا۔

مارچ ۱۶۲۶ء میں جہانگیر کا کیمپ جہلم کے کنارے لگا ہوا ہے کیونکہ ان دنوں سفر کابل درپیش تھا۔ مہابت خاں کو یہ موقع قسمت سے ملا جب دیکھا کہ شاہی فوج دریائے جہلم عبور کر چکی ہے اور فقط جہانگیر اور نور جہاں باقی رہ گئے ہیں، بے تکلف خیمہ شاہی میں گھس گیا۔ اور باعزاز تمام جہانگیر کو اپنے خیمے میں لایا۔ جہانگیر سمجھ گیا کہ وہ مہابت کا قیدی ہے کیونکہ مہابت خاں سلطنت کا بہت سارا روپیہ برباد کر چکا تھا اور حسابات کے لئے حیلے بہانے تراش رہا تھا نور جہاں نے اس وقت نہایت مردانہ وار جہلم عبور کر کے شاہی فوج کو آمادہ کیا اور جہانگیر کی رہائی کے لئے آئی مگر مہابت خاں پہلے ہی ان باتوں کو سوچ چکا تھا کہ شاہی فوج جب عبور کر جائے تو پل شکستہ کر دیا جائے ادھر سے جو جانا چاہے جائے مگر ادھر سے کوئی نہ آ سکے۔ باوجود اس کے ہزارہا سپاہی دریا میں ڈوب گئے اور زخمی ہوئے۔ نور جہاں آ ہی گئی اس لڑائی میں نور جہاں کی نواسی جو شہریار سے تھی زخمی ہوئی مگر وہ جوان ہمت اس پر بھی لڑتی رہی جب کہ سواری کا ہاتھی بری طرح زخمی ہوا اور اس پر ٹوٹ پڑا ناچار بدحال بار ہار کر دم لیا مجبوراً لاچار لاہور چلی گئی۔ ادھر مہابت خاں صلحنامہ وغیرہ لکھوا کر نور جہاں کو بلوا بھیجا اور صدہا الزام اس پر لگائے۔

جہانگیر نے نورجہاں کے قتل کا فرمان لکھوا ہی لیا۔

اللہ اللہ زمانہ کی نیرنگی دیکھیے وہی جہانگیر جس نے نورجہاں کی محبت میں خواب و خور حرام کر لیا تھا آج اُس کے قتل کے حکم پر مُہر توثیق لگا رہا ہے۔ وہی نورجہاں جس نے بیس برس تک لاکھوں احکام جاری کیے تھے آج با حسرت و یاس اپنے قتل کا فرمان پڑھ رہی ہے اور کہتی ہے کہ بندۂ مہابت خان مجھے قتل کرنے سے پہلے میرے جہانگیر کو دکھا دینا۔ اپنے آنسوؤں سے اس کے ہاتھوں کو دھو توں "آخر مہابت خاں کو رحم آتا ہے۔ جہانگیر کے سامنے لیجاتا ہے۔ آنکھوں کا چار ہونا ہی تھا کہ اگلی محبت یاد آ جاتی ہے۔ جہانگیر آبدیدہ ہو کر نورجہاں کی جان بخشی کرتا ہے۔ مگر پھر عرصہ تک مہابت دونوں کو قید رکھتا ہے لیکن نورجہاں کی حکمت عملی سے جہانگیر کو رہائی ملتی ہے۔ نورجہاں کے دل میں باوجود عہد و پیماں یہی ٹھنی رہی کہ مہابت خاں سے ایک دن بدلہ لے کر ہی رہے۔ مگر افسوس جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی" کیونکہ جہانگیر ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے لاہور جا رہا تھا۔ بعارضۂ دمہ انتقال کیا اور نورجہاں کے ارمانوں پانی پھر گیا۔ بمقام شاہدرہ راوی کے کنارے ایک عالیشان مقبرہ میں نورجہاں سے علٰحدہ آسودہ خواب ہے۔ جہانگیر کی وفات کے بعد بیس برس تک نورجہاں زندہ رہی اور ۱۶۴۵ء میں اس نے انتقال کیا جہانگیر کے انتقال کے بعد نورجہاں کو خزانہ شاہی اڑتیس لاکھ سالانہ پنشن ملتی رہی آہ۔

بر مزار ما غریباں نے چراغ و نے گلے ؏ نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

سچ ہے بقا نام اللہ کا۔ اللہ بس باقی ہوس ۔

"رہبر"

"نونہال نمبر"

ماہنامہ "سفینۂ نسواں" کی آئندہ اشاعت "نونہال نمبر" ہوگی جس کے تمام تصاویر اور مضامین بچوں سے متعلق ہوں گے۔ "سفینہ" کی ہمدرد بہنوں سے التماس ہے کہ مذکورہ نوعیت کے مضامین اور تصاویر جلد از جلد دفتر پر مدیرۂ محترمہ کے نام ارسال فرمائیں۔

جن محترم خواتین نے اپنے نونہالوں کے تصاویر بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا انہیں بھی توجہ دلائی جاتی ہے۔

مینیجر

قطعہ

از محترمہ "ن" بیگم صاحبہ نفیس

گلے میں ڈال کے پھولوں کا ہار سالگرہ ——— پھر آئی بنکے عروسِ بہار سالگرہ

ہزار بڑھ کے ہوئی نغمہ زن چمن میں نفیس ——— کہ دیکھیں آصف سابع ہزار سالگرہ

۱۹۳۴ء

طرحی غزل

بہار آتے ہی بلبل نے آشیاں بدلا ——— فلک پہ چھائی گھٹا رنگ آسماں بدلا

جو تجھکو لطف تھا مجھ سے تو سب موافق تھے ——— تیری نگاہ جو بدلی تو اک جہاں بدلا

چمن میں رہنا ہے بلبل تو سب کو رکھ راضی ——— کہ خیر تیری نہیں ہے جو باغباں بدلا

ہزار رنگ بدلتا رہا جہاں لیکن ——— نہ تیرا رنگ کبھی پیر آسماں بدلا

ہزار بار چمن میں خزاں کا دور آیا ——— مگر ہزار نے اپنا نہ آشیاں بدلا

کہو تو کس کا ہے بخت آج جاگنے والا ——— لباس شام کو تم نے جو مہرباں بدلا

ضرور سازشِ صیاد و باغباں ہے نفیس

جو بوستاں سے عنادل نے آشیاں بدلا

ستاروں کی بوکھلاہٹ

از

(محترمہ "ج" نقوی صاحبہ)

علیہ محترمہ۔ تسلیم مزاج شریف

مرسلہ مضمون "ستاروں کی بوکھلاہٹ" سالگرہ نمبر کے لئے مرسل خدمت ہے۔ اسی مضمون کے موضوع کو میں نے کہیں بے ربط طریقہ سے کسی کی زبانی سنا تھا۔ مجھے خیالات بہت پسند آئے چنانچہ میں نے اپنے الفاظ میں اس کو ضبط قلم کیا ہے۔ نہیں معلوم کس نے ستاروں پر کچھ لکھا تھا کہ وہ ہوتے ہوتے اتفاق سے میری سماعت میں بھی آگیا۔ اسکا عنوان یہہ تجویز کرکے میں "سفینہ" کے لئے بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ یوں بھی تخیل کی دنیا میں سب ہی گام زن ہیں اور اتنا بھی میں کہہ سکتی ہوں کہ نقل اپنا شیوہ نہیں ~

مرا از شکستن چناں عار ناید :. کہ از دیگراں خواستن مومیائی

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست :. ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

ایک دن ستاروں کا جم غفیر مہتمم قدرت کے حضور جمع ہوا۔ اور مستفسر ہوا کہ کیوں انہیں دن کے وقت دنیا میں آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ آفتاب ایسا کیا بڑا ہو گیا کہ بس اسی کا سارے دن راج ہے۔ دنیا کی خوبصورتیوں کو دیکھے۔ بہار کے لطف اٹھائے صحرا و گلشن کے مناظر سے لطف اندوز ہو۔ قدرت کی رنگینوں سے بہرہ ور ہو۔ شادی و غمی کی محفلوں میں حصہ لے۔ تاکہ اس کے نکلنے سے نمازیں قضا ہو جائیں۔ بقول شاعر ع سجدہ کسے باشد روا چون آفتاب آید بروں۔ بغرض دنیا کا دوسرا نام "این خانہ تمام آفتاب است" کے مصداق ہو جائے۔ آخر اس ناانصافی و بے مروتی کا سبب کیا؟

مہتمم قدرت اس کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ اس نے کہا "مجھ سے کیا پوچھتے ہو جاؤ چاند سے سوال کرو" —
ستارے چاند کے اطراف ہالہ بن گئے۔ مصر ہو کر اس کے گلے کا ہار ہو گئے۔ قریب آتے آتے ان میں سے کئی ایک زائل ہو چلے طاقت گفتار سلب اور بینائی رفو چکر ہونے لگی۔ جن میں ذرا جوت تھی انہوں نے قدرے جرأت کی اور یوں سوال کرنے لگے "کیوں اے ماہ تاباں تو تو پھر بھی اس کی قدرت رکھتا ہے کہ کبھی کبھی دنیا میں ہر دن کا لطف اٹھائے۔ گو آفتاب کے سا میں مدھم ہو کر ہی سہی لیکن ہماری رسائی کے تو اسباب ہی سرے سے مفقود ہیں۔ آخر ہمارا قصور؟ کس خطا کی یاداش ہیں۔ بس

ہم بے زبانوں کے لئے تجویز کی گئی؟ ہم کو دنیا میں دن کے وقت آنے کی کیوں اتنی سخت ممانعت؟ دنیا کی محفلوں کا لطف تو دن کے وقت ہے رات میں رکھا ہی کیا ہے؟ چوطرف سناٹا، تاریکی، خاموشی۔ ایک چادر ظلمات ہے کہ بچھی ہوئی ہے۔ طیور بھی اپنا اپنا گھونسلا سنبھالتے ہیں۔ مختلف جانوروں کے سامعہ خراش مہیب آوازیں آتی رہتی ہیں۔ اس سنسار میں ہمیں تن تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے ہمارے ننھے ننھے سے دل دہل جاتے ہیں۔ ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں۔ اپنی ساری قوت بصارت صرف کر ڈالتے ہیں۔ لیکن آہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ آخر تو ہی اس کا کچھ سبب بتا کہ ہماری تشفی ہو جائے۔ ! !

چاند متبسم ہوا۔ بڑی متانت سے انھیں گھور کر یوں کہنے لگا "خوب! یہ آج تم لوگوں کو بڑے دور کی سوجھی۔ دنیا میں کیا رکھا ہے جس کے دیکھنے کی تمھیں اتنی تمنا ہے؟ دنیا ہے کیا چیز؟ ع ۔ ہے ماتم و شادی کا مرقع جو کرو غور۔ اس کو دیکھ کر تمھیں کیا خاک مسرت ہو گی؟ آفتاب خود دنیا کے ناقابل برداشت مناظر دیکھ دیکھ کر جلتا رہتا ہے۔ میں نے بھی اکثر دل پر جبر کر کے اس کی ہمت کی ہے کہ اس کے ہم رکاب رہوں۔ لیکن دنیا کو دیکھکر۔ اس کے مظالم انگیز مناظر کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کر لی ہیں۔ میری بصارت غائب ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ اس کے خونیں نظاروں سے ایک حد تک محفوظ ہو ــ بعض اوقات مجھے یہ خیال بھی دامنگیر ہوا۔ بقول اقبال ؎

مذاق دید سے ناآشنا نظر ہو میری۔

مگر ستاروں کا خبط تو "شنیدہ کئے بود مانند دیدہ" کی گتھی سلجھانے میں کوشاں و منہمک تھا۔ چنانچہ انکا ذوق نظارہ انھیں کسی پہلو چین لینے نہیں دیتا۔ چاند سے بھی جب تشفی بخش جواب نہ ملا۔ سیدھے بارگاہ خورشید میں اسوقت پہنچے جب کہ وہ مغرب میں کشاں کشاں چلا جا رہا تھا۔ اس کا تعاقب کیا۔ اور مصر ہو گئے "کیوں سرکار! آپ ہی دنیا کے ٹھیکے دار ہیں؟ کہ آپ بڑے دن کی بہاریں لوٹیں اور ہم رات کی چوکیداری کریں۔ صبح کو پھر سواری مبارک کی پیشی میں ایک حاضر رہے۔ جس کے متعلق عرفی کا ایک مشہور شعر بھی ہے ؎

من آں ستارۂ صبحم کہ در طریق ادب :: ہمیشہ پیش رو آفتاب می باشم۔

لیکن افسوس حضور اس کو بھی نہ دیکھ سکیں۔ اس پر سراغ رسانی کی تہمت لگا کر اسی بدگمانی میں اسکا گلا ہی گھونٹ دیں۔ اور پھر سارا دن اپنا سکہ چلائیں۔ کیا یہی انصاف ہے؟ ؎

چمن میں رو کے خجل کس قدر ہوئی شبنم :: نہ جانتی تھی کہ پھولوں میں یوں ہنسی ہو گی۔

آفتاب نے بڑے غرور سے مسکرا کر گردن اٹھائی اور کہا "اچھا ہم کل تمھیں دنیا کا منظر دکھائیں گے۔ آج کی رات تو گذار دو"۔

" Safina-i-Niswan "

دائیں جانب :- دلہن شہزادی [illegible] بائیں جانب :- دلہن شہزادی حضرت فرحت بیگم صاحبہ

By Courtesy —Mahbubia Girls' School Magazine.

ستارے بہت خوش ہوئے۔ پھولوں نہ سمائے۔ رات عجب کرب و اضطراب میں گزری۔ ایک خوش آیند تخیل کے دیئے انھیں جگمگائے رکھا۔ کبھی وفورِ مسرت سے چمک اٹھتے، کبھی کسی خیال کے آجانے سے یکایک مدھم پڑ جاتے۔ غرض اسی کشمکش میں پہاڑ سی رات جو چہ میگوئیاں کرتے کرتے فلسفہ روز روشن پر بحث ہوتے ہوتے کٹ جاتی تھی آج شب ہجر سے بھی درازی میں سبقت لے گئی۔ کچھ دیر گزر نے بعد آفتاب نے اپنے چہرۂ روشن پر سیاہ نقاب ڈال لی۔ ستاروں کو گویا دنیا مل گئی۔ خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ ایسا اندوہ منظر دیکھا کہ پھر دیکھنے کی تمنا مفقود ہو گئی۔ کہیں کسی کا قتل و خون۔ کسی کی تباہی کسی پر بیجا ظلم و تشدد۔ کہیں بیماروں کی آہ و زاری۔ کہیں جنگ و جدال کی ہولناک معرکہ آرائیاں۔ کسی گھر میں موت کا بھیانک سماں کہیں شہنائی کے نغمے۔ محفل رقص و سرود۔ کہیں یتیموں بیواؤں کی پُردرد چیخیں کہیں خوشامد کی گرم بازاری۔ کہیں دغا و فساد و فسوں۔ کہیں خانگی جھگڑے۔ ریاکاری۔ دنیا سازی غیبت کہیں زندگی کی خوں آشام تلخیاں ان بے پناہ نظاروں کی تاب نہ لا کر ستارے برگشتہ خاطر ہو گئے۔ انکے اوسان خطا ہوش پرواز کر گئے۔ آفتاب سے نقاب اٹھانے کی استدعا کی۔ نصف گھنٹہ انکے لئے نصف صدی ہو گئی۔ کہ گذرتی گذرتی نہیں۔ توبہ قبول ہو گئی۔ تمرق نادم ہو گیا آفتاب بتدریج (گہن سے) نکلا۔ بڑی منتوں مرادوں کے بعد ان کے درشن ہوئے۔ اہل ہنود نے برت رکھا۔ نذر نذرانے مندروں لے بھینٹ چڑھے پھل پھلاری کا بازار گرم رہا۔ اہل اسلام نے نمازیں پڑھیں۔ ستارے جھلملانے لگے۔ آبدیدہ ہو کر حسرت آلود نگاہوں سے دنیا پر آخری نظر ڈالی۔ اور آنکھیں جھکا لیں۔ دفعتاً بزم انجم پریشاں ہو گئی بقول اقبال ؎

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر :. فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے!!

طرحی غزل

از

محترمہ "ع" بیگم صاحبہ نکہت

چمن کا رنگ ہے کیوں آج باغباں بدلا — کہ شاخِ گل سے عنادل نے آشیاں بدلا

جفائیں تھیں جو وطن میں وہی ہیں غربت میں — زمیں بدل گئی لیکن نہ آسماں بدلا

مریضِ غم کی دوا بھی ہوئی دعا بھی ہوئی — یہ سب ہوا نہ مگر حالِ ناتواں بدلا

چمن سے ہائے نکالا بہار میں مجھ کو — یہ تو نے کب کا لیا مجھ سے باغباں بدلا

نئی بہار ہے نکہت کہ اب بقولِ جلیل

گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

آقائے نامدار دکن کے تاجدار

از جناب عزیز رشدی صاحب (مدیر ساون)

اُفق پر چرخ کے جب تک طلوع مہر رخشاں ہو ٭ خدایا یہ جہاں ہو اور میر عثمان علی خاں ہو۔

ہمارے آقائے نامدار دکن کے تاجدار دنیا کے ان تاجداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کی زندگی اپنی عزیز رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہے۔ اعلیحضرت بندگان عالی کا دور حکومت دکن اور رعایائے دکن کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے آپ کا عہد حکومت تاریخ دکن میں نمایاں اور بے مثال ہے۔ نہ صرف عہد حکومت ہی بلکہ حضور پر نور کا خاندان عظمت نشان بھی تاریخ ہند میں نہایت اہم اور با عظمت خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کا خاندانی سلسلہ والد کے جانب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ کی جانب سے خود حضرت سرور دو جہاںؐ پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اسلام کے مشہور پیشوا اور بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں جو آپ کے اجداد سے تھے۔ آپ کی تیرھویں پشت میں یعنی تقریباً تین سو سال بعد ایک مشہور بزرگ حضرت خواجہ اسمٰعیل سمرقند کے رہنے والے اپنے وقت کے بہت بڑے زاہد عابد متقی تھے۔ جن کو علم و فضل کے باعث حاکم وقت نے "ملک العلماء" کا خطاب دے کر شہر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادے خواجہ بہاء الدین اور خواجہ عابد علی خاں تھے جب خواجہ صاحب نے انتقال فرمایا تو قضاۃ کی خدمت آپ کے بڑے صاحبزادے کو دی گئی۔ اور چھوٹے صاحبزادے یعنے خواجہ عابد علی خاں شاہ جہاں کے دور حکومت میں ترک وطن کر کے ہندوستان آ گئے شاہ جہاں نے آپ کی قدر و منزلت کی اور چہار صدی کا منصب عطا کیا۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جب عالمگیر دکن کو صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ اس وقت آپ شہزادے کے ساتھ دکن آئے پھر بادشاہ نے آپ کو منصب ہزاری اور خطاب قلیچ خاں کے علاوہ دیبالپور کی صدارت سے سرفراز فرمایا۔ ۱۰۶۸ھ میں جب عالمگیر خود مختار تاجدار ہوا تو آپ کو اجمیر کا صوبہ دار کر دیا۔ بعد از ان ۱۰۹۶ھ میں بادشاہ نے منصب میں ایک ہزار کے اضافہ کے ساتھ آپ کو ظفر آباد کی صوبہ داری پر بھیج دیا۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب جب ابوالحسن (تاناشاہ) کی سرکوبی کے لیے آیا تو آپ بھی پانچ ہزار سوار لے کر گولکنڈہ چلے آئے اتفاقاً جنگ میں آپ کے سیدھے ہاتھ پر توپ کا گولہ لگا۔ صدمہ مہلک تھا آپ اس طرح زخمی ہو کر تیسرے دن انتقال کر گئے۔ چنانچہ اب تک آپ کا مزار گولکنڈہ میں واقع ہے۔

آپ کے فرزند نواب شہاب الدین خاں جو اپنے حسن خدمت سے اس وقت ہفت ہزاری منصبدار تھے۔ کچھ دنوں بعد شہزادہ

محمد اعظم باغی کی سرکوبی کے ... میں بادشاہ نے آپ کو بھی فیروز جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۱۱۸ھ آپ گجرات کے صوبہ دار مقرر کیے گئے اور ۱۱۲۲ھ میں ضلع احمد آباد علاقہ گجرات میں آپ نے وفات پائی اور اپنے تعمیر کروائے ہوئے مقبرۂ دہلی میں سپرد خاک کیے گئے۔ "صفیۃ النسا بیگم" شاہجہاں کے مشہور وزیر اعظم نواب سعد اللہ خاں کی دختر آپ سے بیاہی گئی تھیں۔ جن سے ایک فرزند بتاریخ ۱۴ ربیع الثانی ۱۰۸۲ھ نواب قمرالدین خاں آصف جاہ اول پیدا ہوئے۔ آصف جاہ بھی ۱۱۱۲ھ سے ۱۱۱۶ھ تک مختلف مقامات پر فوجدار رہے۔ اور ۱۱۲۰ھ میں بیجاپور کے صوبہ دار بنائے گئے۔ پھر آپ کو اودھ کا صوبہ دار بنایا جا کر مراد آباد کا علاقہ بطور جاگیر بہادر شاہ بادشاہ کی جانب سے سرفراز ہوا۔ پھر فرخ سیر کے عہد میں آپ سات ہزاری منصبدار ہو کر دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ اور ساتھ ہی نظام الملک فتح جنگ کا خطاب سرفراز ہوا۔

نظام الملک نے اس عہدۂ جلیلہ پر پہونچ کر بہت سے کارنمایاں انجام دیے۔ سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں آپ محمد شاہ کے وزیر اعظم بھی رہے۔ نادر شاہ جب دہلی پر حملہ کر کے قتل عام کرنا چاہا تو بادشاہ وقت بھی اس کو قتل عام کے ارادے سے باز نہ رکھ سکتے تھے چنانچہ اس وقت آپ ہی کی جدوجہد کوشش و کاوش کا نتیجہ تھا کہ جس نے سلطنت مغلیہ کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ اور قتل عام کو موقوف کروادیا۔

۱۱۳۰ھ میں محمد شاہ نے آپ کو آصف جاہ کا خطاب دے کر دکن کی سلطنت بخشی نہ صرف اتنا ہی بلکہ نادر شاہ نے بہ فرط مسرت حضرت آصفجاہ اول کو ہندوستان کا تخت و تاج دینا چاہا۔ لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ:-

"ما مردم نوکر پیشہ مشہور بہ نمک حرامی خواہیم شد حضرت را بہ بدعہدی شہرت خواہند داد"

ہمارے آقائے نامدار بھی اسی مبارک خاندان عالم تاب و فضیلت مآب کے آصف سابع (ساتویں) ویں حکمراں اور حضرت غفراں مکان نواب سر میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور کی قابل قدر و سعادت مند یادگار ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۸۶ء میں ہوئی پانچ برس کی عمر میں آپ کی رسم بسم اللہ بڑے اہتمام کے ساتھ ہوئی۔

حضرت غفراں مکان کو آپ کی تعلیم و تربیت کا پہلے ہی سے بہت خیال تھا۔ اس لیے رسم بسم اللہ کے بعد ہی آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع کروا دیا گیا۔ دینی تعلیم کے لیے مولوی انوار اللہ خاں صاحب مدرس مدرسہ نظامیہ و سابق ناظم امور مذہبی۔ انگریزی تعلیم کے لیے مسٹر ایجرٹن جو انگریزی کے خاصے ادیب ہونے کے علاوہ بہت سے روسا ہند کے مدرس بھی رہ چکے تھے۔ درس فارسی کیلئے نواب عماد الملک (سید حسین بلگرامی) اور آقا سید علی شوستری جیسے یکتائے زمانہ قابل افراد کو مقرر فرمایا۔ اسی لیے حضور پرنور کو انگریزی فارسی عربی پر خاصہ عبور حاصل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت اقدس و اعلیٰ کو ڈرائنگ میں بھی دخل ہے۔ فوجی تعلیم کرنل نواب افسر الملک (مرحوم) بہادر ... جو افواج دولت آصفیہ نے دی تھی جن کی سپہ گری حکومت ... مسلمہ تھی چنانچہ حضور پرنور کو

نشانہ بازی گھوڑے کی سواری کے علاوہ دوسرے فوجی کاموں اور فنون شاہانہ میں اچھی مہارت ہے۔

حضرت غفراں مکاں نے آپ کو امور سلطنت کے عملی تجربہ کا خاص انتظام فرمایا تھا۔ اکثر سیر و سیاحت میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء میں جس وقت آپ کا سن مبارک صرف چودہ برس کا تھا۔ آپ اپنے والد کے ساتھ کلکتہ تشریف لے گئے۔ اور وائسرائے ہند سے ملاقات فرمائی اس کے بعد ۱۹۰۳ء یعنے جب آپ سولہ سال کے تھے۔ دربار تاج پوشی شاہ ایڈورڈ ہفتم میں شریک رہے۔

۱۳۲۴ھ میں نواب جہانگیر یار جنگ بہادر کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوا۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۵ھ کو بڑے شاہزادہ (والاشان نواب میر حمایت علیخاں اعظم جاہ ولی عہد بہادر) اور ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو دوسرے شاہزادے (والاشان نواب میر شجاعت علیخاں معظم جاہ بہادر) تولد ہوئے اس طرح دونوں شاہزادگان والاشان میں صرف دس ماہ کا فرق ہے۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو آپ (۲۷) سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے جس پر علاوہ رزیڈنٹ حیدرآباد کے حکومت برطانی کی جانب سے بھی مبارک باد پیش کیا گیا۔ یکم ستمبر کو اعلیحضرت کا پہلا دربار مسند نشینی منعقد ہوا تھا۔

۱۹۱۳ء میں وائسرائے لارڈ ہارڈنگ نے دکن آکر خسرو دکن کو اہم کاروبار سلطنت بذات خود کرتے اور امور سلطنت میں خاص دلچسپی رکھتے دیکھ کر آپ کی بیدار مغزی، عدل و انصاف، بے تعصبی، اور معدلت گستری کا اعتراف کیا۔ اور بڑی تعریف کی حضور پرنور ہمیشہ سے انگریزوں کے خیرخواہ اور سچے ہمدرد رہے ہیں۔ اسی لیے آپ حکومت برطانی کی جانب سے یَارِ وَفَادَار کہلائے جاتے ہیں۔

خسرو دکن کو ہمیشہ سے اس کا خیال رہا ہے کہ ملک کو فروغ ہو اور دکن دنیا کے متمدن اور مہذب شہروں میں گنا جائے انسان تہذیب، تمدن، اور اخلاق، وغیرہ سے اسی وقت روشناس ہو سکتا ہے۔ جب کہ اسے تعلیم دی جائے اسی خیال کے پیش نظر آپ نے ملک کو مہذب بنانے کا ذریعہ عام تعلیم خیال کیا۔ اور ۴ رجب ۱۳۳۵ھ م ۲۶ اپریل کو "عثمانیہ یونیورسٹی" کے نام سے ایک تعلیم گاہ عظیم کے قیام کی منظوری صادر فرمائی۔ حضور پرنور کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جس کی یاد مدتوں آنے والی نسلوں کے دلوں میں تازہ رہے گی۔ یہ یونیورسٹی ممالک مشرقیہ و مغربیہ میں اپنی آپ مثال ہے عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام پر مجلس رفقاء نے آپ کی اس علمی سرپرستی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ۱۹۲۲ء میں آپ کی خدمت میں سُلْطَانُ الْعُلُوْم کی ڈگری پیش کی۔ اب خاص اسی جامعہ کے لیے ایک جدید شاندار عمارت "اڈک میٹھ" میں تیار ہو گی۔ جس کے انجنیرس کو نقشہ تیار کرنے کے لیے لندن

روانہ کیا گیا تھا۔ سمجھا جاتا ہے کہ یہ عمارت جاسعا کی حد تک دنیا میں بے نظیر ہوگی۔ آپ کی علمی سرپرستی کی مثال ایک جامعہ عثمانیہ پر ہی نہیں قایم کی جاسکتی بلکہ تاجدار دکن دوسری ریاستوں کے بھی علمی ادبی اداروں کی خاصی امداد و سرپرستی فرماتے ہیں۔ چنانچہ علی گڑھ کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، انجمن ترقی اردو اور مجلس دار المصنفین اعظم گڑھ کو یہاں سے بیش قرار وظیفہ ملتے ہیں۔ علاوہ اس کے مسٹر آر ایس داس کی جدید تعلیم کی اسکیم کے لیے دو لاکھ روپے اور ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کے ایک جامعہ وشوابھارتی کو ایک لاکھ روپے کا گرانقدر عطیہ دیا گیا۔ دکن ہی کے خزانہ سے بلا امتیاز ملک و قوم مشہور مصنفین، مشاہیر علما و شعرا وغیرہ کو وظایف و تنخواہیں ملتی ہیں۔ یہیں سے غریب مستحقین اور انجمنوں کی کثیر تعداد ماہوارات مقرر ہیں۔ آپ ہی کے عہد حکومت میں جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ایک اور محکمہ "دار الترجمہ" کے نام سے قایم کیا گیا جہاں متعدد اراکین بڑی تنخواہوں پر مقرر ہیں۔ اور ضروری کتابوں کے تراجم وغیرہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ ملک کہ جہاں کے راعی کو اپنی رعایا سے انس و محبت ہو۔ اس لحاظ سے آج آپ کو دنیا میں عدیم المثال تاجدار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا آپ بادشاہ اور وہ بادشاہ ہیں جن کی زندگی رفاہ عام کے لیے وقف ہو۔ آپ کو اپنی عزیز رعایا سے خاص محبت و انس ہے۔ ان کی ہر تکلیف و فکر کو آپ اپنی ذاتی تکلیف و فکر خیال کرتے ہیں۔ ہر وقت آپ کی یہ کوشش رہی ہے کہ آپ اہل دکن کو ہر لحاظ سے بے فکر، بشاش، اور خوش حال دیکھیں۔ چنانچہ جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ رعایا ے دکن مرض پلیگ کے ہاتھوں نالاں و پریشاں ہے۔ اور یہ مرض مستقل ہوگیا ہے۔ ہر سال ہزاروں جانیں اس مرض مہلک کی نذر ہوتی ہیں تو اس کے اندفاع کے لیے تخت نشینی سے دو سال بعد ایک محکمہ "آرایش بلدہ" کے نام سے قایم ہوا۔ حکم ہوا کہ "پرانے مکانات توڑ کر نئے مکانات بنائے جائیں" حیدرآباد کی قدیم وضع کی گنجان آبادی اور پست و تنگ مکانات کی وجہ محلوں میں گندگی بڑھتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طاعون ہر سال چار مہینے حیدرآباد میں قیام کرتا۔ اس وقت علاوہ اس کے کہ دکن کی رعایا جگہ جگہ جنگلوں میں جا بسے۔ شہر ویران اور جنگل آباد ہو جاے۔ مدارس بند ہو کر تعلیم میں ہرج واقع ہوتا بلکہ بعض بعض مواقع پر دفاتر بھی بند کرنے پڑتے تھے۔ جس سے کار سرکاری میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں اسی محکمہ نے حضور پرنور کے حکم کی تعمیل میں حیدرآباد کی فضا کو ہی بدل دیا۔ قدیم بد وضع، اور گندے مکانات توڑ دیے اور ان کی بجاے نہایت صاف ستھرے اور ہوادار مکانات بنا کر اطراف و اکناف شہر کی ہر غیر آباد جگہ کو آباد کر دیا چنانچہ نام پلی جدید، آغا پورہ، ملک پیٹ، مغلپورہ وغیرہ میں سرکاری صرفہ سے نئے مکانات رعایا کی رہائش کے لیے تعمیر کروا ے گئے۔ جس سے شہر کی رونق میں اضافہ ہوگیا۔ مذکورہ محلوں کے جدید مکانات میں ہزاروں نفوس مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ آج تک ان جدید مکانات کے بسا ے ہوے محلوں میں ہیضہ یا پلیگ کا قیام رہا ہے اور نہ کسی دوسرے وبائی امراض کا گزر ہوا۔ اس سے پہلے ہمارے شہر کی سڑکیں بہت تنگ اور پیچیدہ تھیں، ان کو بھی اسی محکمہ کے زیر نگرانی وسیع و خوبصورت بنایا جا رہا ہے جس سے حیدرآباد

کی شان شہرت دوبالا ہوتی چلی ہے۔

اسی عہد تبرک میں غریب کسان رعایا کو ساہوکاروں کے زبردست اور تباہ کن چنگل سے نجات دلانے کے لیے ایک اور محکمہ "امداد باہمی" بھی قایم ہوا۔ جہاں سے غریب رعایا کی ہر مالی ضروریات منجانب سرکار بطور قرض مالی امداد دے کر رفع کی جاتی ہیں۔

اسی عہد عثمانی کے برکات کا نتیجہ ہے کہ حیدرآباد کی رعایا کے دلوں سے سدا کے لیے قحط و طغیانی کا خوف و خطرہ جاتا رہا۔ سنہ ۱۹۰۸ء کی طغیانی جس کو دکن کی حد تک طوفان نوح کہنا چاہیے۔ تاریخ دکن میں اپنی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ اسی طغیانی کی وجہ سارا آباد شہر اجڑ گیا۔ سینکڑوں جانیں گئیں ہزاروں تباہ و برباد ہو گئے۔ جو اس طوفان کی زد سے بچ رہے۔ وہ بے گھر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے رعایا کی آرام و آسایش، فلاح و بہبود کے مدنظر لاکھوں روپے کے مصارف سے طغیانی کی روک تھام کے لیے دو بڑے تالاب **عثمان ساگر** اور **حمایت ساگر** کے نام سے تیار کروایا۔ علاوہ ازیں ضلع نظام آباد میں ایک اور تالاب **نظام ساگر** بنایا گیا ہے جس کا شمار دنیا کے بڑے تالابوں میں ہوگا۔ اس کی تیاری پر بھی سرکار کا کئی کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ لیکن اس سے ہزاروں ایکڑ زمین کی سیرابی ہوکر اپنی پر وقت کاشت سے رعایاے دکن کو قحط سے محفوظ رکھے گی۔ اور اسی تالاب سے بجلی کی قوت بھی پیدا کی جاے گی۔

حضور ہی کے عہد میں نمایش گاہ اور محکمہ آثار قدیمہ قایم ہوا۔ اس محکمہ سے ملک کی قدیم و نادر یادگاروں کی نگہداشت و حفاظت ہوتی ہے۔

خسرو دکن کے شوق شاہجہانی نے اپنی عظیم الشان عمارتوں کے اضافہ سے دکن کو واقعی دید کے قابل بنا دیا دکن جو کل تھا وہ آج نہیں ہے۔ جو آج ہے وہ کل نہ رہے گا۔ دکن کا کوئی وہ باشندہ جس کو اپنا وطن چھوڑے ہوے بیس پچیس برس گذر گئے ہوں اب اگر واپس آے تو اسے اپنا وطن ایک نیا ہی شہر معلوم ہوگا۔ مبارک عہد عثمانی کی اتنی کثیر التعداد اور ناقابل فراموش یادگاریں ہیں کہ جتنی آج تک کسی تاجدار کے عہد حکومت میں قایم نہ ہوں۔ چنانچہ اسی عہد میمنت عہد میں رود موسیٰ کے کنارے دو عالی شان عمارتیں عدالت العالیہ اور سٹی کالج تقریباً (۳۶) لاکھ روپے کے صرفہ سے تیار ہوکر زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ دوسرے جانب یعنے عدالت العالیہ کے مقابل عہد عثمانی کا عظیم الشان "دواخانہ عثمانیہ" کئی لاکھ کے خرچ سے تعمیر ہوا حالیہ تعمیرات میں اسی شان و شوکت و معیار کی دو اور عمارتیں کتب خانہ آصفیہ" اور چار منار سے متصل "دواخانہ یونانی" جو زیر تعمیر ہے۔ اپنے وجود سے دکن کی عظیم الشان اور قابل دید عمارتوں میں اضافہ کر رہے ہیں یہ وہ عمارتیں ہیں کہ جن کو سینے اپنے مقاصد کے مدنظر ہندوستان کی حد تک لاجواب اور عدیم المثال کہا جا سکتا ہے۔

باغ عامہ کا نمائش گاہ جس میں زمانہ قدیم کے اسلحات جنگ قلمی قدیم کلام مجید کتبے شاہان سلف کی قلمی تصاویر اور مصوری کے نمونے وغیرہ رکھے گئے ہیں علاوہ ازیں یہاں کی شاہ پسند چھوٹی مگر بڑی شان والی خوب صورت مسجد بھی دید کے لائق اور قابل ذکر ہے۔ تاجدار دکن اسی مسجد میں بہ پابندی نماز جمعہ عام جماعت کے ساتھ ادا فرماتے ہیں۔

سلطان دکن باوجود ایک مشرقی زبردست ریاست کے تاجدار ہونے کے اپنی زندگی نہایت ہی سادہ بسر کرتے ہیں۔ آپ لباس بھی اتنا سادہ زیب تن فرماتے ہیں کہ جس کو انتہائی سادہ کہنا چاہیے۔ آپ کا طرز حیات ہر قسم کے شاہانہ تکلفات سے مبرا ہے آپ کی طرز زندگی خلفائے راشدین کی طرز حیات کا نمونہ ہے۔ آپ بھی انہیں شاہوں میں سے ہیں جنھوں نے ملک کے روپیہ پیسے کو رعایا اور صرف رعایا کی ملکیت جانا نہ کہ اپنی۔ آپ بھی انہیں تاجداروں میں سے ہیں۔ جنھوں نے اپنے آپ کو بادشاہ خیال کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی اچھی طرح یقین کر لیا تھا کہ بادشاہ دراصل قدرت کی ایک اس منتخبہ ہستی کا نام ہے۔ جس کا فرض عین رعایا کی محافظت بندگان خدا کی ہمدردی و غم خواری مظلوموں کی داستان بیداد بےکس بےبس اور مسکینوں کی فریاد سننا اور حق و ناحق شناس ہو کر عدل و انصاف کرنا ہے۔ جس کا نام دنیا والوں نے بادشاہ والی یا تاجدار رکھا ہے۔ آپ کی شان و شوکت کا اندازہ کرتے ہوئے کوئی آپ کی سادگی اور حالت کو دیکھے تو غیر ممکن ہے کہ اس کا قلب متاثر نہ ہو۔ بلکہ اگر اسلام میں بت پرستی گناہ نہ ہوتی یا بت پرستوں میں ایسا اور اس شان کا کوئی راعی ہوتا جو اس حالت اور اس طرز میں زندگی گزارتا ہو کہ جو ہمارے آقا کی ہے تو لوگ اسے اوتار یا پیغمبر مان کر سجدہ کرنے میں کوتاہی نہ کرتے اور درحقیقت یہ بات عام انسانوں کے لیے غیر ممکن نہیں تو بہت دشوار اور محال تو ضرور ہے۔ کہ وہ کسی چیز پر مختار ہو کر مجبور رہے۔ مقدور رکھ کر قادر نہ ہو۔ کیونکہ اس کا تعلق نفس سے ہے اور نفس کی سرکشی و شوخیاں حضرت انسان سے پوشیدہ نہیں۔ یہ وہ بلا ہے کہ جس کے آگے انسانی فطرت و احساسات بھی مجبور و لاچار ہو جاتے ہیں۔ بقول ذوق ؎ "بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا ؏ نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا" یہی وہ مادہ نفس کشی ہے کہ جس کو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ہمارے شاہ ذی جاہ میں کوٹ کر بھر دیا ہے۔

بادشاہ پرستی اور مشرق کی بادشاہ پرستی زیادہ محتاج بیان نہیں ہے اس کے لیے اختصاراً یہ خیال کر لینا بیجا نہ ہوگا کہ اہل مشرق اپنے بادشاہ کے نقش قدم پر چلنا یا اس کی تقلید کرنا نہ صرف احتراماً ہی جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کو اپنے لیے باعث فخر بھی خیال کرتے ہیں اس کے مدنظر حضرت جہاں پناہی نے اپنی زندگی کو تمام ظاہری اور نمائشی چیزوں سے دور کر کے ملک کے آگے اپنے آپ کو بطور نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ یہ آپ کا خاص طرز ہے کہ آپ جب کسی ایسی چیز کو جو ملک و قوم کے لیے ہر لحاظ سے مضر اور نقصان دہ ثابت ہو رہی ہو اس کی ممانعت یا روک تھام کے لیے احکامات و فرامین جاری کریں اس کی بجائے خود عمل پیرا ہو کر ملک و قوم کو عملی سبق دیتے ہیں۔ جو ظاہر ہے کہ نسبتاً زیادہ موثر ہوگا۔ اور ہوتا ہے چنانچہ آپ کی سادہ پسندی نے ملک پر اپنا ایک خاص اثر جما یا۔ گویا آپ نے یہ بتا دیا او

ہمیں ماننا پڑا کہ دنیا ابھی ایسی نادر روزگار ہستیوں سے خالی نہیں جو اپنی زندگی کو ملک کے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر صرف اپنے قوت عمل سنگین ارادوں اور نہ بدلنے والے مقاصد سے ملک کی فضائے کہن کو بدل سکتے ہیں۔ اسی طرح جب امراء و رؤساء دولت نے اپنے تاجدار کو ہر قسم کے تکلف و تصنع سے مستثنیٰ اور اس روپ میں پایا تو انھوں نے بھی اپنا طرز بدلنا شروع کر دیا جس سے ظاہر آرائش پرستی و فضولیات کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ امیرانہ ٹھاٹھ رہے اور نہ وہ بے پناہ مصارف گویا اس طرح قوم بے جا مصارف کے بار سے محفوظ رہی۔ تاجدار دکن نے جب اپنے ہاں کے راگ و رنگ اور ارباب نشاط کو صرف ذاتی دلچسپی کی حد تک برخاست کر دیا تو رؤساء و رعایائے دکن نے بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ورنہ وہ دن زیادہ دور نہیں گئے جب کہ لکھنؤ، دہلی، وغیرہ کی بیسیوں طوائفوں نے حیدرآباد کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ امرائے سلطنت وغیرہ کے پاس ہر وقت رقص و سرود کی محفلیں گرم رہا کرتی تھیں خدا کا شکر کہ تقلید شاہ میں دامن دکن سے یہ بلاوجہ کا بدنما داغ دور ہو گیا۔

دور حاضر میں ہندوستان کا کوئی ایسا مقام نہیں جو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا فرقہ وارانہ فساد سے خالی نہ بچا ہوگا۔ یہ وہ آگ ہے کہ جہاں لگی اور دامن امن و اماں جلا گئی۔ اس کو الجھتے کچھ دیر نہیں لیکن سلجھتے ہوئے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے۔ دکن ہی ایک وہ قابل مبارکباد سرزمین ہے کہ جہاں ایسے تنگ نظر زمانے میں بھی) اس قسم کے شور و شر پیدا نہ ہو سکے اسی سرزمین کا وہ قابل فخر اور لائق حمد و ثنا تاجدار ہے کہ جس کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے۔ یہی وہ بادشاہ ہے کہ جس کی نظر میں ہندو مسلمان سکھ، پارسی عیسائی امیر و غریب سب مساوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ شاہ ہے کہ جس کا چشمۂ فیض کسی تشنہ لب کی تشنہ لبی دور کرنے کے لیے ذات پات کی تخصیص نہیں کرتا یہی وہ نیک دل اور دلی صفت حاکم ہے کہ جو ہر مذہب کو مذہب خیال کرتے ہوئے احترام کرتا ہے۔ دکن ہی وہ ریاست ہے کہ جہاں مذہبی معاملات میں ہر کس و ناکس کو کامل آزادی دی گئی۔ یہاں کی رعایا کو مذہبی معاملات یہاں کے بے تعصب راعی نے نہ صرف آزادی بخشی ہے بلکہ جہاں کہیں مذہبی امداد کی ضرورت ہو تو دکن کا خزانہ اس کے لیے کھلا رہتا ہے۔ چنانچہ حال ہی کی ایک اطلاع ہے کہ "حضرت اقدس و اعلیٰ نے براہ خسروانہ بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونہ کو ایک مہمان خانہ کی تعمیر کے لیے جو **نظام گسٹ ہاؤس** کے نام سے موسوم ہوگا۔ یکمشت مبلغ پچیس ہزار روپے سکہ کلدار اور انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے مہابھارت کی اشاعت کے لیے دس سال تک سالانہ ایک ہزار روپے سکہ کلدار کی منظوری عطا فرمائی ہے"۔ کیا آج ریاست ہائے ہند کا کوئی تاجدار یا والی اپنے عہد کی اس قسم کی مثال پیش کر سکتا ہے۔ کیا آج کوئی راجہ یا مہاراجہ یہ بتائیں گے کہ انھوں نے بھی کبھی کلام مجید کے ترجمہ کے لیے دس ہزار تو کجا دس سو روپے ہی کی بھی امداد دی تھی یا دی ہے؟ جہاں تک میرا تجربہ اور معلومات ہیں میں اس انداز کا ہمارے ذرہ نواز کو بلا دو شاہ کو یکتا اور تنہا کہوں گا۔ غرض یہ وہ سلطان ہے کہ جس کا عہد حاضر میں کہیں جواب نہیں۔ یہ وہ انداز ہیں کہ جس کی کہیں مثال نہیں۔ یہ ان خصوصیات اور خوبیوں کی حامل ہستی ہے کہ جو دوسروں میں بالکل نہیں

غرض اس لحاظ سے خود بدولت کیا خوب فرماتے ہیں۔ ع

یہی ہے وہ دکن کا حکمراں سر جس کے سہرہ ہے
حشم کا۔ جاہ کا۔ عز و شرف کا۔ شوکت و شاں کا۔

جس کا ایک ایک لفظ صداقت اور اظہار حقیقت پر مبنی ہے آج ہند ہی پر کیا موقوف ہے بلکہ ساری دنیا نے تسلیم کر لیا کہ دکن کا تاجدار اپنی آپ نظیر اور اپنی آپ مثال ہے یہی چند ایسے صفات عالیہ خصائل جمیلہ ہیں کہ جو دوسروں میں ناپید ہیں۔ اور چار دانگ عالم میں دھوم مچائے رکھے ہیں۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ملک کے کسی والی ریاست پر تنقید کرتے وقت پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ ہمارے شاہ فضیلت پناہ کی ہر دلعزیزی و مقبولیت بھی تعجب اور حیرت سے خالی نہیں اہل ہند آپ کو "حضور نظام" کے پیارے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ سلطان دکن کی ہر دلعزیزی کے لیے دہلی و کلکتہ و مدراس کا سفر شاہد ہے کہ ہمارا آقا کس درجہ ہندوستان میں ہر دلعزیز ہے۔ چنانچہ رونق افروزی کلکتہ کے وقت صوبہ بنگال کے گوشہ گوشہ سے لوگ کلکتہ میں جمع ہوئے تھے محض اس لیے کہ خسرو دکن کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوں۔ باشندگان ہند ہمارے ہر دلعزیز بادشاہ کی تشریف آوری کو باعث خیر و برکت خیال کرتے اور چشم براہ رہتے ہیں۔ باشندگان دہلی نے آپ کا وہ پرتپاک خیر مقدم کیا کہ جو آج تک کسی بادشاہ کی آمد کے موقع پر نہ ہوا تھا اور اپنی اس شاندار جوش عقیدت اور محبت کا اظہار کیا جو صرف شاہ دکن کے لیے اٹھا رکھی تھی۔ سفر مدراس میں بھی عوام کی جانب سے اسی جوش عقیدت کا اظہار کیا گیا۔ جس طرح کہ باشندگان دہلی و کلکتہ نے کیا۔ ہر جگہ آپ کی یہ حالت رہی کہ آپ جب کبھی کہیں باہر تشریف لیجاتے تو ہزاروں تشنگان دید باوجود کاروبار ہوتے ہوئے ٹھہر جایا کرتے کہ سلطان دکن کے رخ زیبا کا جلوہ دیکھیں۔ آپ کی ہر دلعزیزی و مقبولیت اس کا پتہ دیتی ہے کہ آپ صرف دکن ہی کے تاجدار نہیں بلکہ اہل ہند کے دلوں پر بھی آپ کی حکمرانی و حکومت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کی نیک دلی کریم النفسی رعایا پروری اور غربا نوازی اس سے کہیں زیادہ قدر کے قابل ہے۔ علاوہ ازیں خسرو دکن کیا بلحاظ بادشاہت اور کیا بلحاظ ریاست ہر لحاظ سے روسائے ہند میں یوں بھی ممیز و ممتاز ہیں۔ حکومت برطانی نے آپ کو "یار وفادار" کا خطاب دے کر خلوص و محبت کے اظہار کے لیے مزید تعارف کی گنجائش نہ رکھا اہل ہند کے پرخلوص خیر مقدم نے واضح کر دیا کہ ریاست حیدرآباد خاندان مغلیہ کی قابل قدر یادگار تصور کی جاتی ہے۔ تہذیب مغرب نے ہند کے چپہ چپہ کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ گوشہ گوشہ میں تمدن مشرق کی بجائے تمدن مغرب کو جگہ دی گئی۔ کوئی ریاست اس کے اثر سے خالی نہ بچی۔ لیکن آفرین ہے صرف دکن پر کیونکہ دکن ہی ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں کی نہ صرف رعایا۔ بلکہ سب سے زیادہ تاجدار و آیات قدیم کا حامل اور تمدن مشرق کی یادگار ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں تمدن مغرب کی ستائی تمدن مشرق پناہ گزیں ہے غرض یہ وہ بیکیہ خوبی ہو تصور نہیں

ہے۔ اور جس کی تفصیل سے خوبیاں گنوانا میرے بس کی بات نہیں۔ مصروفیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی خیال ہے کہ اس سفینہ کے سالگرہ نمبر شائع ہونے تک میرے شاہ کی ہی ان تمام خوبیوں پر جب مختصر ہی سہی بسلسلہ اظہار خیال کروں۔ شاہ دکن کی ہستی اپنے تعارف کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت رکھتی ہے۔ وقت کی تنگی، مصروفیت کی کوتاہ نظری، اور بھائی اختر کی عجلت اور مطالبہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ اور آگے لکھ سکوں۔ اور حقیقت تو یہ ہے یہ بھی جو کچھ لکھا وہ اپنے امکان پرواز سے بڑی اڑان ورنہ کہاں میں ذرہ ناچیز اور کہاں وہ ذرہ نواز بقول غالب

"یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے"

مگر پھر کہوں گا کہ دکن کے تاج کو آج تک ایسا مبارک ومسعود تاجدار، تخت کو ایسا عدل گستر رحم پرور ذرہ نواز بادشاہ اور رعایا، کو ایسا بے نظیر نادر روزگار راعی نصیب ہوا تھا اور نہ ہوگا۔ آج باشندگان دکن اپنے بادشاہ کو دیکھتے ہوئے جتنا ناز کریں بجا ہے، جتنی عقیدت اور محبت کا اظہار ہو کم ہے، اہل دکن کے لیے اہل لکھنؤ کی یہ دعا کیا کچھ کم باعث فخر ہے کہ "الٰہی کاش سلطان دکن سلطان اودھ ہوتا اور ہم اس کی رعایا ہوتے"۔

اسلامی دنیا میں ریاست دکن اور دکن کے تاجدار کا نام بڑی عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تاجداران اسلام کی آن بان شان وشوکت صرف تاجدار دکن کے ہاں نظر آتی ہے۔ جو یادگار کے طور پر باقی ہے۔ چنانچہ خود بدولت بہ حیثیت ایک شاعر کے کیا خوب حقیقت کا اظہار فرماتے ہیں کہ ع

سلاطین سلف سب ہو گئے نذر اجل عثمانؔ

مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

خدایا ہمارے بادشاہ ذی جاہ کو شاد و کامراں رکھ۔ عمر و اقبال میں ترقی عطا فرما۔ اور شہزادگان بلند اقبال و شاہ زادیاں فرخ فال کو ان کے سایہ میں تا ابد سلامت وخوش رکھ۔ اور الٰہی کم از کم:—

نصیب شاہ میں ایسے تو ہوں ہزار برس

کہ ہر برس میں ہو یارب ہزار سالگرہ

آمین

عزیز رشدی

طرحی غزل

(از محترمہ "مس" بیگم صاحبہ ثریا دوگل)

بہار بدلی شگوفے کھلے سماں بدلا — گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

حیاتِ نو تبسم ہے پھول پھول پہ آج — کلی کلی کا جنم کیا ہی دلستاں بدلا

شجر شجر یہ بہار زمرّدیں چھائی — روش روش پہ نیا فرشِ کہکشاں بدلا

مشامِ جانِ معطّر شمیم کرنے لگی — صبا کا طرزِ خرام اور دلستاں بدلا

ہر ایک نرگسِ بیمار نے شفا پائی — چھٹے اسیرِ قفس ان کا حرزِ جاں بدلا

وفورِ جوشِ عقیدت سے شاخ شاخ ہے خم — کہ باغباں نے نیا خلعتِ کتاں بدلا

گرہ کے جشن نے دل کے غبار دور کیے — ہوا ہے فضل خدا طرزِ دشمناں بدلا

غرض کہ آج ہی ہر پیر ہر جواں خرسند — زمین بدلی زماں بدلا آسماں بدلا

ہوا دکن کا ہر اک ذرۂ حقیر نہال — فلک کی اوج میں تختِ شہ زماں بدلا

سفینہ پار لگائے نہ کیوں شہ عثماں — یہ عید میں کہ سنِ عمرِ جاوداں بدلا

ہوئی ہیں سارے جہاں کی یہاں بہاریں جمع — دکن کے باغ نے پیراہنِ جناں بدلا

ہزار شکر کے سجدے کیے ثریا نے — کہ سالِ عمرِ شہِ کیقباد شاں بدلا

پردہ کی اہمیّت

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی نظر میں؟

تاب زن مثل گہر، برخویشتن پیچیدہ بہ
چشمہ زار زندگانی، از نظر پوشیدہ بہ

زندگی بحر پر آشوب است، وزن پایاب اوست
موج دگرداش نگر، پایاب او نادیدہ بہ

آشکارائی ز سرّ آفرینش دوری است
زانکہ حفظ جوہر خالق ز مستوری است

(ماخوذ) ———— اقبال

٥٠

آئینے ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو!

(از مولوی محمد یونس صاحب تسلیم مہونوی لکھنو)

مدیرہ محترمہ تسلیم

مجھے حیدرآباد حاضر ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے۔ ایک دن اپنے کرم فرما جناب جوش صاحب کے یہاں گیا تھا ان کی میز پر "سفینۂ نسواں" کا ایک پرچہ بابتہ ماہ جولائی ۱۹۳۲ء موجود تھا۔ موصوف سے اجازت حاصل کرکے وہ پرچہ لا کر پڑھا۔ طبیعت کو بے حد مسرت ہوئی در اصل موجودہ صحافتی دور میں یہ اپنی طرز کا ایک بہترین زنانہ رسالہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ایسے پرچوں کی امکانی امداد کی جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ اپنی عدیم الفرصتی اور ہجوم افکار کے باعث کوئی بسیط مضمون نہیں تحریر کرسکتا تاہم ایک مختصر مضمون حاضر ہے اگر قابل اشاعت تصور فرمائیے تو اپنے معزز رسالے کے ایک گوشہ میں اس کو بھی جگہ دیجئے — حقیر تسلیم لکھنوی

دنیا کا سب سے بڑا آخرت نواز دربار گرم ہے ایسا گرم جس کی گرما گرمی دل میں ٹھنڈک اور آنکھوں میں خنکی پیدا کرتی ہے یہ وہ وقت ہے کہ عورتیں مرد کی جائداد سمجھی جاتی ہیں اور جائداد بھی کیسی جو ایک دوسرے کو منتقل ہوتی رہے، باپ کے مرنے کے ساتھ بیٹا اس کی بیوی کا بھی وارث ہوتا ہے۔

دنیا سمجھتی ہے کہ عورت صرف مردوں کا ایک کھلونا ہے جب تک چاہا دل بہلایا اور جب چاہا توڑ پھوڑ ڈالا، ——————

مغربی ملکوں میں جہاں تہذیب کا سورج غروب ہو چکا ہے، عورت برائے نام بھی کوئی جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی ہے نشان تو کیا نام سے بھی محروم ہے کنوارے پن تک باپ کی بندی رہی، بیاہ ہوا تو میاں کی لونڈی بنی، اسی لئے پہلے باپ کے نام سے پکاری جاتی ہے کہ باندیوں کا اپنا الگ نام ہی کیا۔

ہندوستان جو دھیان گیان کا ملک ہے یہاں عورت کی زندگی تک شوہر کے تابع کہ شوہر جیتا ہے تو عورت بھی جیتی ہے، شوہر مرا تو عورت بھی ساتھ ناچار مر جائے۔

یہہ حالت ہے جب کہ دنیا کے اُس سب سے بڑے دربار میں عورت کی حالت اور حیثیت قائم کی جاتی ہے۔ ان کے حقوق معیّن ہوتے ہیں۔ انھیں برابر کے درجے ملتے ہیں اور مردوں کو تاکید ہوتی ہے کہ عورتوں کی غلطیوں سے درگذریں ہر حال میں ان کے ساتھ لطف اور مہربانی سے پیش آئیں، انھیں ایک شیشہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو ان شیشوں میں ٹھیس نہ لگنے پائے۔

یہہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربارِ رسالت تھا جہاں فرمانِ الٰہی کے مطابق دنیا میں سب سے پہلے عورت کا درجہ قائم ہوا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف ایک لفظ کہہ کر مردوں کو عورتوں پر زیادتی کرنے سے ہمیشہ کے لئے روک دیا۔ وہ لفظ "رفقا بالقواریر" تھا یعنی ان عورتوں کو شیشہ سمجھو اور دیکھو شیشوں کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔

سلیم

غزل

..مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل (گلبرگہ)

زہے قسمت، ملا ایسا ٹھکانا ∴ فراغت ہے کہیں آنا نہ جانا

مجھ ایسے رند کو بھولے گا کیونکر ∴ نشیلی آنکھ کا جادو جگانا

میرا تو شیوۂ دیرینہ یہ ہی ∴ ستم ہے یار کا آنسو بہانا

بڑے دعوے تھے ترکِ عاشقی کے ∴ دلِ ناداں ذرا آنکھیں ملانا

اونھیں آنکھوں کا کشتہ ہوں میں بسمل

جنھیں بیمار کہتا ہے زمانہ

By Courtesy
The Nizam Gazet

جامع ایا صوفیہ قسطنطنیہ

نیس (فرانس) کا ایک منظر

نیس (فرانس) کا ایک پارک

سالگرہ نمبر
ماہ نامہ "سعدا‌ء نسواں" حیدرآباد دکن

By Courtesy
The Nizam Gazette.

مزاحیہ روداد

ہمارا پہلا سفر

از جناب اختر قریشی صاحب (مدیر معاون)

(بہ سلسلہ گزشتہ)

...... بھائی اختر تم شادی کے نام سے کیوں گھبرا اٹھتے ہو ؟

ہمیں بھی یہ موقع خوب ہاتھ لگا کہ اس خوف ناک اور پرہیبت سوال کا جواب دیں یعنے یہ کہ "شادی" کے لفظی معنے ہوتے ہیں شاید خوشی کے اور خوشی ہمارے حق میں عنقا کا دوسرا نام ہے اپنے دل کو بہلانے کی خاطر ہم بار بار کہتے ہیں کہ ؎

چرخ کی چالوں سے اختر تو ابھی واقف نہیں
کس کو رکھا ہے جو رکھے گا ، تجھے توقیر سے؟

مگر پھر بھی شکوہ و شکایت کے لیے زبان اٹھ جاتی ہے اور اگر خوشی کی کوئی راہ کہیں نظر پڑتی ہے تو ہم "بی شادی" سے کچھ ایسے خائف اور اس درجہ ہراساں ہیں کہ اس راستہ کو بھٹک کر بھی دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی ۔

اچھا تو "شادی" کے دوسرے معنے جیسا کہ عوام کا خیال ہے یہ ہیں کہ ہم بھاٹے خاں بنیں ۔ اور کسی جال بی کو اپنے سوٹ سے گرد اتارنے کے لیے پیدا کریں ۔ کیوں بھائی عزیز ہے نا آپ کا یہی مقصد ؟ تو نہیں بھائی یہ تو ہم سے ہرگز ہرگز نہیں ہوگا ۔ بلا سے ہر ہفتہ نہیں تو ہر مہینہ ہی ہم چار آٹھ آنے خرچ کر ڈالیں گے ۔ اور کسی "واشنگ کمپنی" میں اپنے سوٹ کو دھلوائیں گے ۔ یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ دیکھتے بھالتے کسی گڑھے میں کود پڑیں ۔ خدا خوش رکھے اس ڈگڈگی والے کو جس نے ہمیں قبل از وقت اس نئی روشنی کی ازدواجی زندگی سے آگاہ کروایا ورنہ شاید ہم بھی آج امر جنجال میں پھنسے ایڑیاں رگڑتے رہتے ۔ بھائی حق یہ ہے اور سچ پوچھو تو ہم دن رات صبح و شام اپنے خدا سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں اس دردسری سے بچائے یا کم از کم نئی روشنی کے "آن" سے ہی محفوظ رکھے ۔

ہم نے تو یہ تہیہ کر لیا ہے کہ پہلے کہیں سے خواہ کرایہ پر ہی کیوں نہ ہو مگر ایک عدد "بھاٹے خاں" اور اسی مقدار میں "بی جال بی" کا انتظام کریں پھر ایک ڈگڈگی ہاتھ میں لیے سیدھے چوک میں جا بیٹھیں اور اس کے ذریعہ نوجوانوں کو نصیحت کریں کہ میاں فی زمانہ شادی کے بعد خوشحال زندگی گزارنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ انگلش چینل" (رود بار انگلستان) کو عبور کرنا یا ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھ جانا ہے ۔ یہ ایک ایسا بیڈھب گڑھا ہے کہ گرنے کے بعد نکلنا دشوار کر مفت میں جان عزیز کو گنوا دوگے ۔ اور ہاں اپنے ساتھ اس غریب کی بھی زندگی کو تباہ و برباد کر دوگے جو تمہاری گرد جھاڑنے اور تم پر حکومت کرنے آئیگی یہ اگلا زمانہ تو ہے نہیں کہ وہ اپنی وفاداری کا ثبوت دینے اور اپنی زندگی کے باقی حصہ کو زمانہ کا گرم و سرد جھیلتے ہوئے گزارنے کی بجائے تمہارے ساتھ جل بجھے یا زندہ درگور ہو جائے ۔

اس سے ہمارا یہ مطلب تو نہیں کہ بابا تم ہرگز ادھر کا رخ نہ کرو رخ کرو اور ضرور کرو بلکہ اپنے ساتھ اپنے دوستوں اور جان پہچان والوں کو بھی کسی اچھے سے گڑھے میں دھکیل دو اسکی ممانعت نہیں بلکہ شاید ایسا کرنا ثواب میں داخل ہے مگر کچھ ہماری بھی سن کر یاد رکھو نے تو یاد کر و گے وہ یہ کہ اگر تم طالب علم ہو تو حصول علم میں جہاں تک ہو سکے [*]

[*] کوشش کرو صرف میٹرک یا انٹرمیڈیٹ تک اس کو محدود نہ کرو کیونکہ زمانہ ترقی کا ہے اگر تمہارے گھر آنے والی کہیں گریجوئیٹ نکلی تو [illegible] ۔ اور پھر [illegible] ۔

یا کھانے کی میز پر اس کی نظروں میں تم تاج محل ہوٹل کے ایک مہذب اور شائستہ "بائرے" سے زیادہ نہ ہوں گے۔ اور اگر تم تاجر بننا چاہتے ہو تو تجارت میں پہلے خوب اچھی مہارت پیدا کر لو اور ہاتھ پر مسجد یا مندر یا کلیسا رکھ کر قسم کھا لو کہ میں کسی کے فرمائشات کی تکمیل ہرگز نہ کروں گا۔ یاد رکھو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مس صاحبہ کے فرمائشات کی تکمیل میں تمہارا دیوالہ ہی نکل جائے گا۔ اور ....

....

ہاں تو بھائی عزیز شاید تمہیں تشفی ہو گئی ہو گی کہ ہم "بی غادی" سے کیوں اس قدر گھبراتے ہیں اب رہا تمہارا سوال کہ اگر اُس گڑھے میں تمہیں زبردستی ڈھکیلا جائے یعنی تمہارے گلے یہ لعنتی طوق زبردستی ڈال دیا جائے تو تب تم کیا کرو گے"۔ تو بھائی یہ ایک امر محال ہے دوسرے یہ کہ ہماری مرضی کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں وہ تو بیچاری غریب ہندوستانی لڑکیوں کا ہی حق ہے کہ والدین کے اس جور و ستم کو سہہ جاتے ہیں کہ بغیر ان کی مرضی کے انہیں چولہے میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ایسا بیاہ ان کے حق میں زہر کا ایک پیالہ ہوتا ہے جو زبردستی حلق میں ڈال دیا جاتا ہے جو آہستہ آہستہ سارے جسم میں سرائت کرے یہاں تک کہ وہ وجود کے شہر سے نکل کر ملک عدم کی راہ لگ جائیں والدین کے اس جور و ستم کو وہ ٹھنڈے دل سے سہہ جاتے ہیں زبان سے اُف تک کرنے کی مجال نہیں ورنہ یہ کہنے کا حق کہ ہمیں یہ رشتہ پسند نہیں یا ہم اس شادی کو نہیں چاہتے۔ ان کو تو ایسے ہی منہ بند کئے رہنا پڑتا ہے جیسے خدا نے زبان نہیں دی۔

اور اگر زبان ملی ہے بھی تو اُن معاملات میں جن کا تعلق بالراست ان کی آیندہ زندگی سے ہے) دخل دینا گویا اخلاقی مجرم بننا ہے پہلے تو کس کی مجال جو لب کشائی کرے۔ بیچاریاں سسک سسک کر رہ جاتی ہیں مگر سننے والا کون؟ چاہے کوئی برا نہ مانے ہم تو اللہ لگتی بات کہیں گے کہ ہندوستانی والدین اپنی لڑکیوں کو سر سے ایسے ہی ٹالتے ہیں جیسے ایک بے زبان اور مریض بیل کو کسان بازار میں لے جا کر اونے پونے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ اس کو اس کی پروا نہیں کہ کمبخت بے زبان ہے اور مریض، میں جس کے ہاتھ سودا کر رہا ہوں خدا جانے وہ رحم دل ہے یا ظالم کہ جاتے ہی ہل میں جوت دے اور غریب موت سے پہلے مر جائے۔ اسے تو اپنی گرہ کی فکر رہتی ہے تو پھر اس خیال کی ضرورت ہی کیا چولہے میں جائے یا بھاڑ میں، کچھ تھوڑا خود اس کو ہل جوتنا ہے یا بے رحم اور ظالم خریدار کے ڈنڈے کھانا ہے۔ ہاں تو سر سے بلا ٹلی اور لاکھوں پائے۔ خیر تو ہم کہہ یہ رہے تھے کہ ہماری مرضی بغیر ایسا ہرگز نہ ہو گا، یعنی جب ہم اس لعنتی طوق کو گلے کا ہار بنائیں، یا یوں سمجھئے کہ جب تک ہم خود اتنی قوت نہ پیدا کر لیں کہ اس گڑھے میں گرنے کے بعد کچھ دن تو آرام سے گزار دیں، بس اس وقت ہم اپنی آمادگی کا اظہار کریں گے ———

——— ہاں اب ہے کوئی اللہ کا پیارا جو ہم کو کسی اچھے سے گڑھے میں ڈھکیل دے۔ اور اگر ہمت والا ہو تو اوپر سے دو چار وزنی پتھر بھی ڈال دے کہ اب ہم میں اتنی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ اُن کے ساتھ اس وزن کو بھی برداشت کریں۔ اور اگر بھائی عزیز تمہاری زبان ہماری بدقسمتی سے کہیں کالی نکلی یعنی تمہارے کہنے کے مطابق کوئی ہمت والا ہم پر کرایہ کا ٹٹو سمجھ کر یہ بوجھ لاد دے

باوجود اس کے کہ ہم بالفعل اس قابل نہیں ہیں، ایسی مجبوری کی
حالت میں ہم سوائے تمھیں دعائے خیر سے یاد کرنے کے اور کر ہی کیا
سکتے ہیں اور اُس وقت شاید تمھیں خوب جی بھر کر ہمارا مذاق
اڑانے کا موقع ملے گا، تو ہم بھی اپنے بچاؤ کی ایک صورت ڈھونڈھ
رکھے ہیں، کہو تو بتلائے دیتے ہیں۔ یعنی اگر تم یہہ کہیں کہ "کیوں
میاں ڈگڈگی والے تمھاری وہ ڈگڈگی کیا ہوی اور تم جو اوروں
کو نصیحت کیا کرتے تھے یہہ کیا کر لیا کہ خود اپنی فضیحت آپ کروا رہے ہیں"
تو اتنا سنکر ہم بھی چپکے سے کہدیں گے کہ "جب واعظ لوگ خدا کے
فضل سے چہرہ پر ڈاڑھی رکھتے ہوئے بھی کبھی خود اس رستے پر
نہیں چلتے جو وہ دوسروں کو دکھلاتے ہیں تو بھلا ہم جن کے چہرہ
مبارک کو روزانہ نہیں ہر دوسرے روز ہی مگر ضرور "کاف
رین کا زیر" چلتا ہو کیا خاک اپنی بتلائی ہوئی راہوں پر گامزن
ہونگے؟

گذشتہ اشاعت میں ہمارے "سفر کی روداد" کا کچھ حصہ
شائع ہوا تھا، بعض ادبی حلقوں میں، سنا کہ ہماری "بے ادبی"
کے چرچے ہوئے، اب یہہ نہ پوچھئے کہ "کس نے کیا کہا؟" ہاں ہم
اتنا جانتے ہیں کہ "جتنے منھ اتنی باتیں" ہوئی ہوں گی۔ مگر ہمیں
یہاں تو ہمیں "جیسے منھ ویسی باتیں" کہنا چاہئے۔ اسی سلسلہ
میں ہمیں اپنی "بے ادبی" (مزاحیہ نگاری) کا ایک تحریری
وثیقہ (سرٹیفکٹ) ملا ہے، ہمارے ایک مخلص دوست
لکھتے ہیں کہ "..........
مضمون "سفر" خوب ہے، لیکن عین موقع کی بات پر غائب
اور "باقی آئندہ" پڑھکر بہت غصہ آیا، دوسرے نمبر کے لئے بہت

انتظ ... پنے نادیدہ
کرم فرما کی اس حوصلہ افزائی کے شکر گذار ہیں، اور سوائے اس کے
کیا کہہ سکتے ہیں کہ "بھلے آدمیوں کو ہر چیز بھلی معلوم ہوتی ہے"۔
اب رہ گئی یہہ شکایت کہ "عین موقع کی بات پر غائب" تو
"نئی شادی" کے تصوّر نے ہمیں کچھ اس درجہ خائف کر رکھا ہے کہ
اُدھر دھیان گیا، اِدھر ہوش و حواس گم، اوسان خطا اب بھلا
بتلائیے، کوئی کیا خاک لکھے؟ بہرحال اس دوسری قسط میں
ہم نے مختصراً اس اڑنے والے روڑے کو نکال دیا ہے اور اب
آئندہ کے لئے میدان صاف ہے۔

اب ہمیں اپنے "سفر" کی کہانی سنانے دیجئے، خدا خدا کر
آخر وہ نیک دن آ ہی گیا، جسکا ہمیں شدید انتظار تھا۔ ۲۰
جولائی کی صبح، ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ بہت
مبارک اور مسعود صبح ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری ایک
خواہش اسی دن پوری ہوئی۔
ابھی جب کہ "قدرتی الارم" بھی بجا نہ تھا، ہم اٹھ بیٹھے
اور سارے گھر کو اٹھا لیا۔ اب یہہ سوچ رہی کہ لباس کونسا
پہنا جائے۔ "دھوتی" تو ہم باندھتے نہیں، مانا کہ یہہ گذشتہ
سال لندن ہو آئی ہے، اور بقول ع سادگی میں بھی ہر زاویہ
ہر جگہ اس کا استقبال ہوا۔ گھر پر ہم شیروانی اور پاجامہ پہنتے
ضرور ہیں، مگر ریل کے سفر میں دیہاتی ان سے کچھ ایسے زیادہ
مرعوب نہیں ہوتے، جیسا کہ "صاحب بہادر" والے لباس کو
ہوتے ہیں۔ لہذا تصفیہ ہوا کہ ہمیں "سوٹ" ہی پہننا چاہئے مگر
اب مشکل یہہ پڑی کہ پتلون ندارد تھا آدمی دھوتی کے ان دونا

معلوم ہوا کہ اس ... کی مہما مدار یا
ہو رہی تھیں۔ آخر تلاش کے بعد اپنے ہی "ٹرنک" سے ایک ایسا
پتلون نکل آیا جو کوئی دو صدی اُدھر تیار کروایا گیا تھا، اور
اب تک بغیر استعمال کیے رکھنے کی وجہ یہہ تھی کہ درزی کی
وسعت غلطی نے اس کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ اگر دو آدمی
ملکر پہن لیتے بھی تو یقیناً تیسرے کے لئے کافی گنجائش نکل آتی یعنی یہہ
وہ "کسی قدر" بڑا تھا، ہم نے دیکھا کہ اس کو پہنے بغیر چارہ
نہیں، اس لئے اسی کو پہن سیدھے اسٹیشن چلے،

شیخ جی تو وہاں پہلے ہی موجود تھے، ہمیں یہہ دیکھ کر
بے انتہا مسرت حاصل ہوئی کہ ہم کو "خدا حافظ" کہنے کے لئے
وہاں ایک کثیر مجمع موجود تھا، کوئی شاید پانچ سات سو سے زیادہ
ہی آدمی ہونگے، ہم نے شیخ سے جب اسکا تذکرہ کیا تو وہ بجائے
اس کے کہ ہماری خوشی میں شریک ہوتے، الٹے یہہ کہہ کر ہماری
مسرتوں کو پامال کر دیا کہ "یہہ لوگ تمھیں خدا حافظ کہنے کے لئے
نہیں آئے بلکہ مسافر ہیں، اور گاڑی کے آتے ہی سب اپنی اپنی
راہ لگ جائیں گے ـــــــ ہم کچھ خفیف ہوئے اور کچھ غصہ بھی
آیا کہ ہمارا قدم پہلی بار گھر سے باہر پڑے اور خدا حافظ کہنے کے
لئے کوئی نہ آئے۔ اسی غصہ کی حالت میں سامان ہم نے شیخ کے
سر مارا، اور لگے اسٹیشن کا جائزہ لینے۔

ہم ایک طرف کو گزر رہے تھے کہ ہماری نظر ایک بنچ پر
پڑی جہاں ہمارے چار چھ دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
معلوم ہوا کہ خدا نے ہماری شان کی عزت رکھ لی آپ ہی غور
کیجئے ہم پہلی دفعہ گھر سے باہر نکلیں اور "خدا حافظ" نہیں تو حوالہ

بھی ہی کرنے کے لیئے کوئی نہ آئے ـ ہم بہت مسرور ہوئے اور سیدھے
وہاں پہنچے ہمارا پہونچنا ہی تھا کہ سبھوں نے ہم پر دھاوا بول دیا
اور ایک ایک کر کے لگے ہم سے گلے ملنے، ہم حیران تھے کہ ع یاالٰہی یہہ
سب سے زیادہ حیرت اور پریشانی تو ہم کو یہہ دیکھ
کر ہوئی کہ ہر ایک کے ہاتھ میں پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری
موجود تھی، یقین مانئیے ہمارا رنگ اڑ گیا اور ہم دل ہی دل
میں یہہ سوچنے لگے کہ "خدایا کہیں ہم کو مرحوم تو نہیں سمجھ رہے
ہیں جو یوں ہم پر پھول چڑھانے کی ٹھان لی ہے"۔ ہمارا خیال
یقین کی حد تک اس وقت پہنچ گیا جب ہم نے دیکھا کہ یہہ دوبارہ
سہ بارہ گلے لگا رہے ہیں، اور اس قوت کے ساتھ کہ ہمیں آنجہانی
ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ خدا خدا کر کے اس بلا سے جب نجات ملی
یعنی جب ہم مرحومی سے بچ نکلے تو ان کا ساتھ چھوڑ ایک طرف کو
جا بیٹھے ـــــــ مگر ان میں سے ہر ایک
ملک الموت سے وعدہ ہی تو کر آیا تھا، بھلا وہ چھوڑنے والے کہاں
جہاں ہم بیٹھے تھے وہ بھی وہیں آ دھمکے۔ اللہ میاں کا شکر ہوا کہ
شیخ جی وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی یہہ سنانے لگے کہ "بھائی ٹرین
لیٹ آئے گی اور ہمیں بہت دیر انتظار کرنا پڑیگا" ہم سے
ایسا پُرلطف جملہ سنکر رہا نہ گیا، فوراً ہی کہہ اٹھے کہ شیخ جی کیا ٹرین
بھی کوئی جانور ہے جو لیٹ کر آئیگی اس کو بیٹھنے اور آرام
لینے کی کیا ضرورت ہے ؟ ساتھیوں میں سے ایک نے کہا
جانور تو نہیں مگر اس میں جانوروں کی قوت ہوتی ہے بعض
انجن سو گھوڑوں کی قوت سے چلتے ہیں بعض دو سو کی اور
اس سے بھی زیادہ ہم اس کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ۔

معلوم ہے کہ ڈبوں کو انجن کھینچتا ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انجن کو سو یا دو سو گھوڑے کھینچتے ہیں۔ چونکہ رات اطمینان سے نیند نہیں آئی تھی اس لئے ہم نے کہا کہ جب ٹرین کو لیٹ کر ہی آنا ہے تو تھوڑی دیر ہم بھی کیوں نہ لیٹ جائیں، ہمارے نیک خیال کی سبھوں نے تائید کی، اب مشکل یہہ آپڑی کہ لیٹیں تو کہاں بھلا ان ریلوے والوں سے کوئی اتنا پوچھے کہ بھیا "ویٹنگ روم" بنائے گئے تو "فرسٹ اور سکنڈ کلاس" والوں کے لئے، اور بیچارے "تھرڈ کلاس" والوں نے تمہارا کیا بگاڑا کہ ٹین کے شیڈ میں ہی دو چار بنچیں تک ہی نہ ڈالیں مگر بھائی کون پوچھے؟ اور کس کی مجال؟ خیال تو انھیں چاہئے کہ ہماری گاڑیاں جو یوں دوڑی دوڑی پھرتی ہیں یہہ تو ان ہی کا طفیل ہے۔ اگر یہہ بدیسی کپڑے کی طرح بدیسی ٹرینوں کا بھی "بائیکاٹ" کر دیں تو کہیں چل کر آنکھیں کھلینگی!!

ہم نے شیخ جی سے کہا کہ چلو آگے جو صندوق رکھے ہیں وہاں ٹھریں۔ ابھی ہم وہاں پہونچ کر ارادہ کر ہی رہے تھے کہ آسن جمائیں کہ ساتھ ہی کسی نے نرم و نازک لہجہ میں یہہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ "یہاں تو زنانہ بیٹھا ہے اور تمھیں نظر نہیں آتا" ہم کچھ سٹ پٹائے اور پلٹ کر جو دیکھا تو حقیقت میں وہاں زنانہ تھا، مگر تعجب ہوا تو اس بات پر کہ اس زنانے کے بالکل ہی سامنے کوئی دو گز فاصلہ پر ہی بعض قلی سامان اٹھا رہے تھے اور دو ایک سیٹھ لوگ بیٹھے چلم اڑا رہے تھے اور پردہ تھا تو ہم سے ہی، اور پھر اس شان کا پردہ کہ خود ہم کو مخاطب کر کے کہلا بھیجا ہمیں دھوکا ہوا کہ یہہ لوگ جو سامنے بیٹھے یا سامان اٹھا رہے ہیں کہیں جانور تو نہیں یا یہ کہ کہیں وہ اندھے تو نہیں ہیں جو ان سے پردہ روا نہ رکھا گیا ہم نے اپنی حالت پر غور کیا کہ آخر ہم میں ایسے کیا اسباب ہیں جسکے باعث پردہ کیا جا رہا ہے۔ یہہ کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا ابھی غور جاری تھی کہ ان کانوں نے کچھ ترش روئی کے ساتھ پھر وہی آواز سنی اور ان آنکھوں نے پھر وہی دیکھا جو اس سے قبل دیکھ چکی تھیں۔ مخاطب کی طرز کچھ اچھی تھی جو ہمیں بھا گئی کہنے لگے "اجی! کیا تم اندھے ہو جو نظر نہیں آتا؟" مانا کہ اس جملہ پر ہمیں کچھ طیش تو ضرور آگیا: بھلا دیکھئے کہ ہماری دونوں آنکھیں موجود اس میں روشنی قائم پھر یہ اللہ کی بندیاں حوا کی بیٹیاں خواہ مخواہ ہمیں اندھے بنائے اور ہم سنکر خاموش رہ جائیں۔ غصہ تو چڑھ آیا تھا مگر شیریں مخاطبت نے لاج رکھ لی جب سے کہ ہم ٹرینوں میں مل چکے ہیں اس قسم کے ایک دو نہیں اکثر واقعات پیش آئے ہیں اور اس "بدلی کے جانے" سے اکثر سابقہ پڑا ہے، بلکہ یہاں تک اتفاق ہوا کہ جو صاحب ہم سے پردہ کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے بالکل مقابل بلکہ شانے سے شانہ ملا کر کھڑے کہتے ہیں کہ "تم ذرا ادھر پلٹ جاؤ اور ہم ادہر چلے جاتے ہیں" للہ کوئی ان سے کہے! ایسا نیم پردہ سوسائٹی کو تباہ کر رہا ہے، اسی کا باعث ہے کہ اخلاقی حالت روز بروز گری جا رہی ہے، اسی کی وجہ رسوائیاں بڑھ رہی ہیں، اور یہی کا سبب ہے کہ بدنامیاں اپنی حد کو پہونچ چکیں، مگر ہے کون اور کسکی مجال ہے کس بیچارے جاں کی شامت آئی جو بی جمالو کے حضور میں ایسی گستاخی کرے اور اگر کسی ہمت والے نے جی کڑا کر کے بصد ادب یوچھا جو آپ ایکا یہ کیا ہے تو بس بی جمالو کی بلا بندہ کے سر تڑاتے ہوئے کہنے لگیں کہ عقل پر مردوں کی پڑ گیا آپ نے کیا اس میں کچھ حقیقت بھی ہے؟ جو سچ پوچھیئے تو ایسا پردہ ذلت ہمارے حق میں باعث رحمت ہوا، اور ایک مرتبہ موجب زحمت ......

باقی

طرحی غزل

از محترمہ صفیہ صاحبہ بنت کیپٹن اعجاز علی صاحب شہرت (اتالیق شہزادگان والاشان)

ہوائے عیش چلی، رنگِ بوستاں بدلا — چمن میں بلبلِ شیدا نے آشیاں بدلا

پلادے بادۂ گل رنگ توڑ دی توبہ — ہمارا طور بھی ساقیٔ مہرباں بدلا

ہلال طوق ہے ملبوسِ ارغواں ہے شفق — خوشی کا دور ہے کیا رنگ آسماں بدلا

زمینِ شعر میں آئی بہارِ تہنیت — گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

وہ شاہ، کوہِ ہمم، ابرِ فیض، بحرِ کرم — کہ جس نے نور سے ظلمت کو بے گماں بدلا

ہوائے دہر مخالف جو اس کو آئی نظر — جہازِ بحرِ سیاست کا بادباں بدلا

صفیہ شاہ کو یہ سالِ نو مبارک ہو

وہ جس کے ایک اشارے میں اک جہاں بدلا

حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ

ازمحترمہ اقتدار منظور صاحبہ (مسنر ماہر القادری)

آج اُس مبارک و مقدس ہستی کی سالگرہ کا مبارک دن ہے جس کے احسانات کی اسکی رعایا ہی احسان مند و ممنون نہیں ہے بلکہ دیگر ممالک کے باشندے بھی اوس کے خوانِ کرم کے ریزہ چین ہیں۔

موجودہ دنیا کے حکمران کی تاریخ جب لکھی جائے گی تو حضرت آصف جاہ سابع کا نام نامی اسم گرامی یقین ہے کہ زرین حروف میں لکھا جائیگا۔ کیونکہ حضرت اقدس و اعلیٰ کے کارناموں نے دکن کی قسمت ہی کو پلٹ دیا ہے۔ آج سے بیس سال قبل کے اعداد و شمار ملاحظہ کیجئے اس کے بعد معلوم ہوگا کہ ریاست حیدرآباد میں کس قدر تعلیم یافتہ لوگ موجود تھے۔ لیکن آج نہایت فخر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی طور پر ہندوستان کے کسی صوبہ اور خطہ کے باشندے اس قدر تعلیم یافتہ نہیں ہیں جس قدر کہ ریاست حیدرآباد کے لوگ ہیں پھر یہ سلسلہ صرف مردوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ عورتوں کیلئے تعلیم عام کر دی گئی ہے اور ملک کے بچوں اور بچیوں کے قوائے ذہنی و عقلی کی نشو و نما کے بہتر سے بہتر سامان پیدا کر دئے گئے ہیں۔ سچ پوچھئے تو قرطبہ و غرناطہ کی مٹی ہوئی علمی یادگاروں نے دکن میں آکر پناہ لی ہے۔ اور دکن کا ہر ذرہ علم و تمدن کا ماہ تاباں بنا ہوا ہے۔ علمی سخاوت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بیرون دکن کی علمی درسگاہیں بھی اس ابر کرم سے سیراب ہو رہی ہیں ہندوستان میں کاشتکاروں کی مفلوک الحالی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ اس دور میں جب کہ ہندوستان کے دوسرے گوشوں میں کسانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ اور سرمایہ داری کا عفریتِ خون آشام ان کا خون چوس رہا ہے مملکت دکن میں کاشتکاروں کی پست سطح کو بلند کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ نظام ساگر، حمایت ساگر، عثمان ساگر اس کے بین ثبوت ہیں غریب کاشتکاروں کیلئے حکومت نے پانی کی طرح روپیہ بہا دیا ہے۔ اور وہ وقت آگیا ہے کہ دکن کے مزارعین اپنے کو سکون کی فضا اور اطمینان کے ماحول میں سانس لیتا ہوا پائیں موجودہ زمانہ کے تمدن و تہذیب کیلئے عمارات وغیرہ کی شان و شوکت بھی ضروری ہو گئی ہے۔ الحمد للہ کہ دور عثمانی اس مقصد کی تکمیل کے لئے بہترین دور ثابت ہوا۔ بلدہ کی فراخ اور مصفا سڑکیں۔ شاندار عمارتیں۔ چمن بندی وغیرہ ایسے کارنامے ہیں جو لوح تاریخ سے کبھی مٹائے نہیں جا سکتے۔ یقین ہے کہ اسی رفتار کے ساتھ (جیسا کہ امید ہے) سلسلہ تعمیر اگر جاری رہا تو حیدرآباد دنیا کے بہترین شہروں کی صف میں امتیازی جگہ حاصل کرے گا اکناف دنیا میں باہمی جنگ جدال اور مذہبی تعصب قومی امتیازات کا جو بازار گرم ہے اس نے فضائے دہر کو مکدر بنا دیا ہے لیکن الحمد للہ کہ ریاست دکن کا دامن ان دھبوں سے پاک ہے۔ اور یہاں ہر قوم و ملت کے افراد اطمینان و راحت کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں یہی سبب تو تھا کہ خسرو دکن دہلی اور لکھنؤ تشریف لیگئے تھے تو پبلک نے آپکا وہ شاندار خیر مقدم کیا جو ان شہروں کی تاریخ میں یادگار رہیگا ہمارے بادشاہ دکن کی ہر دلعزیزی کی مثال اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے ہم باشندگان دکن کے باشندے کہ خدائے قادر مطلق نے انکو ایسے بادشاہ کی رعایا بنایا جسکی ذات شاہانہ [illegible] سرمایہ ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور کا سایہ تا دیر قائم

طرحی غزل

محترمہ کریم النسا بیگم صاحبہ کریم

بہار آئی شگوفے کھلے سماں بدلا نکل قفس سے او بلبل! اب آشیاں بدلا

چلی نسیمِ مسرت کھلے کنول دل کے گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا

ہر ایک ذرّہ ہے خورشیدِ فیضِ سلطاں سے دکن میں دورِ ترقی کا بے گماں بدلا

حرم میں جلوہ اُسی کا ہے بتکدہ میں وہی مکین ایک ہی دونوں کا پر مکاں بدلا

کہانی قیس کی قصّہ مرا نہیں ہی جُدا حقیقت ایک ہے اندازِ داستاں بدلا

جگر کو چھید نے اُتری نگاہ سینہ میں غضب ہے تیر نے کیا خوب تیر دل بدلا

نرالی دنیا ہے جو عاشقی کی دنیا ہے جہان بدلا، زمیں بدلی، آسماں بدلا

دکن میں بہرِ ترقی سفینۂ نسواں کہ جس نے عالمِ نسواں کو ایکساں بدلا

خدا کا شکر کریمؔ اس نبی کی اُمّت ہوں،
کہ جس نے ایک اشارہ میں کل جہاں بدلا

بہار دکن

از جناب سرآغا صاحب قاسمی خلف نواب صالت جنگ بہادر

بہار آئی کھلے گل ہر طرف عشرت کا ساماں ہے
گلستاں غیرتِ جنت ہے اور صحرا گلستاں ہے

کہیں اٹھکیلیاں کرتی نسیمِ صبح پھرتی ہے
کہیں غنچے چٹکتے ہیں کہیں بلبل غزلخواں ہے

کہیں ہے سوسن و نرگس کہیں ہے لالہ و سوری
چمن تو کیا۔ چمن کا ذرہ ذرہ گل بداماں ہے

وہ فرش مخملیں سبزے کا اور اس پر وہ گل کاری
یہ منظر دیکھ کر چشمِ فلک بھی آج حیراں ہے

چٹک کر غنچۂ نشگفتہ یوں بلبل سے کہتا ہے
"خبر بھی ہے بہار آئی ہے کیوں اور کسکی مہماں ہے؟"

بھلا دے رنج دل سے آگیا ہے دورِ عشرت کا
سناؤں کیا۔ کہ کس سالگرہ کا آج ساماں ہے

وہ ہے سالگرہ جسکی تمنا سب کے دل میں ہے
وہ ہے سالگرہ جس سے دکن فردوس ساماں ہے

خوشی ہے چہچہے ہیں۔ دور دورِ شادمانی ہے
کوئی ایسا نہیں دنیا میں جسکی چشم گریاں ہے

ہوئے سر سے بنا ڈالی گئی عیش و مسرت کی
زمین و آسماں کا گوشہ گوشہ عیش ساماں ہے

ہوئی ہے غم کی کشتی غرق عشرت کے تلاطم میں
بلند ایسا شرابِ عیش کی موجوں کا طوفاں ہے

مسلمانوں کے اس سلطان کا یوم ولادت ہے
کہ جس کا نام نامی میر عثمان علیخاں ہے

جلو میں اسکے ہے شان کئی و شوکت دارا
فلک رہوار اس کا۔ ماتحت ملک سلیماں ہے

سخاوت اس کا مسلک۔ عدل شیوہ۔ زیرِ پا نصرت
مقدر اس کا یاور۔ ساتھ اسکے فضل یزداں ہے

اسی نے بزم علم و فضل کی بنیاد ڈالی ہے
یہی تو آسمانِ علم کا خورشید تاباں ہے

اسی کے دور میں ہے اتحادِ باہمی باقی
اسی کی مملکت میں شاد ہر ہندو مسلماں ہے

تونگر ہو کہ مفلس فیض پاتا ہے اسی در سے
دکن تو خیر۔ سارا ہند اسکے زیرِ احساں ہے

تمنا سرآغا کو تھی اک مدت سے اسی دن کی
خدا کا شکر اس کا بار آور نخلِ ارماں ہے

غزل

از مسز مرزا محمد علیخاں سحر (علیگڑھ)

مبارک ہو بہار نو کا دور گل فشاں بدلا
عجب رنگینیوں کے ساتھ رنگ بوستاں بدلا

ہوئیں کچھ اور رخسار شفق میں سرخیاں پیدا
خوشا [illegible] نے پھر لباس آسماں بدلا

نوا پیرا ہوئے پھر طائران خوش نوا ایسے
سرود شادمانی نے سکوت گلستاں بدلا

زہے فصل گل لائے ترانے عندلیبوں کے
خدا معلوم کیا [illegible] سے بلبلوں کو باغباں بدلا

جدھر دیکھو ادھر ایک بارش انوار ہوتی ہے
فروغ [illegible] نے کیا سماں بدلا

گرہ غنچوں کی وا کرنے گرہ آئی خدا رکھے
بہاریں مسکرائیں یوں نظام گلستاں بدلا

سحر سال نو مسرت ریز یا ہمراہ کیا لایا
شگوفہ شادمانی نے جمال کل جہاں بدلا

سفینہ کی نظریں

تنقید و تبصرہ

(حضرت تاریخ کے قلم سے)

ہمارے ہاں ذیل کی کتابیں و رسائل بغرض تبصرہ وصول ہوئے ہیں عدم گنجائش کے سبب صرف خصوصی اشاعتوں پر اظہار خیال کیا جاتا ہے آیندہ نمبر میں سفینہ ان کتب و رسائل کے علاوہ جن کا حوالہ گزشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے ان تمام پر بھی اپنی رائے ظاہر کریگا۔ مرآۃ السبیل یا رحلۃ الرحیل (سفرنامہ مرتبہ محترمہ راحیل شروانیہ) رہنمائے صحت (مصنفہ مہاتما گاندھی مترجمہ جناب اعظم خانصاحب) جریدہ حسن کار (دارالسلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نیم ماہی جریدہ زیر ادارت مسٹر اکبر وفاقانی بی۔ اے عثمانیہ) مسلم ریویو برلن (جرمنی) مدیرین مولوی سید محمد صدر الدین صاحب و ڈاکٹر فل ایس ایم عبداللہ۔

نظام گزٹ ہفتہ وار سالگرہ نمبر

قیمت قسم اول عہ قسم دوم ۸ ملنے کا پتہ سفینہ بک ایجنسی چادر گھاٹ و دفتر نظام گزٹ نامپلی

حسب سالہائے گزشتہ اس دفعہ بھی سالگرہ ہمایونی کے مبارک موقع پر مدیرین نظام گزٹ نے ملک و مالک کے ساتھ اپنی وفاداری اور عقیدتمندی کا اظہار کیا ہے اگر ہمارا خیال غلطی نہ کرے تو دکن میں ہمعصر نظام گزٹ ہی وہ پہلا اخبار ہے جس نے اس مسعود تقریب پر اپنی اور سوفاکیش رعایائے آصفی کی عقیدتمندی کا اظہار اشاعت خصوصی کے ذریعہ کیا۔ زیر نظر نمبر ہماری تعریف و توصیف سے بالاتر ہے اسکے شاندار اور قیمتی تصاویر جنکی تعداد قریباً ۲۰ ہے نیز اسکے اعلیٰ پایہ مضامین خود شاہد ہیں کہ علم دوست احباب کے لیے اس سے اچھا تحفہ اور بندگان عالی کی حضور میں اس سے بہتر نذرانۂ عقیدت اور کوئی گزرانا نہیں جا سکتا۔ بلحاظ مضامین یہ علم و ادب کا ایک نایاب مرقع ہے حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کا رنگین کلام اسکی رنگینیوں میں چار چاند لگا رہا ہے۔ ہز اکسلنسی مہاراجہ بہادر بالقابہ نواب سر نظامت جنگ بہادر نواب امین جنگ بہادر نواب [illegible] اور علامہ مختار احمد صاحب کے گرانقدر مضامین و افکار اپنی لاانتہا خصوصیات کے حامل ہیں ہم معزز معاصر کی اس شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے اسکی کامرانی کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اسٹار الہ آباد (انگریزی ہفتہ وار) سالگرہ نمبر

ضخامت صفحات قیمت
ملنے کا پتہ۔ دفتر اسٹار ڈائرکٹری ترپ بازار حیدرآباد

ہم جاں نثاران دولت آصفیہ کے لیے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ خدائے عزوجل نے ہمیں وہ فرمانروا عطا کیا ہے جنکی سیاستدانی، تدبر، طریق جہانبانی اور رعایا پروری ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔ ہندوستان اگر احسان فراموش نہیں تو اسکو شاہان آصفیہ کا تا عمر شکرگزار رہنا چاہیئے جنکی عنایتیں ہمیشہ اسکے ساتھ رہی ہیں۔ تاریخ کو اگر غلط باور نہ کیا جائے تو حضرت آصفجاہ اول کے کارنامے بھلانے کی چیز نہیں ہیں تاریخ کے صفحات جہاں نادرشاہی حملے کے خونیں مناظر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں وہاں اسی باعظمت تاجدار اور بانی دولت آصفیہ کے اس زریں کارنامہ کو بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں جس میں حضرت آصفجاہ نے نادر سے اس خون آشامی کو روکنے کی استدعا کی تھی اسی خاندان عالمتاب کا ایک شمع اس وقت بفضلہ تعالیٰ نہ صرف سرزمین دکن اور سارے ہندوستان کو بلکہ ایک عالم کو روشن و منور بنا رہا ہے۔ آج متعصب سے متعصب ترین فرد بھی بندگانعالی کی طرز حکومت اور روشن خیالی کا معترف ہے۔ حضرت سلطان العلوم کی علمی سرپرستیوں سے کوئی انجمن یا کوئی ادارہ ایسا نہیں جو فیضیاب نہ ہو رہا ہو۔ اسکے قطع نظر ہندوستان کے بیسیوں جرائد اور اخبارات کی اعانت کا سہرا حیدرآباد کے سر ہے چنانچہ حال میں زیر بحث اخبار اسٹار الہ آباد

کا شاہی دولت آصفیہ نے خاص سرپرستی کی ہے شاید یہی وجہ ہو کہ اس فخر معاصر نے اپنا ایک خاص نمبر نکال کر اس فیاضی اور اعانت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ ٹائیٹل پر زیر عنوان تہنیت تقریب سالگرہ ہاشمی صاحب عالی ایک [illegible] صفحہ دوم حضرت آصفجاہ اول کے ان جواہر پاروں کو لیے ہوئے ہے جس پر [illegible] دولت آصفیہ کا اساس قائم کیا اور یہ تاکید فرمائی کہ میرے بعد بانیان آصفیہ اگر ان اصول پر کاربند رہیں تو سلطنت ہمیشہ پھولی پھلی رہیگی" ــــ اسکے بعد حضرت جہاں پناہی کی شبیہ مبارک نظر پڑتی ہے جس کا [illegible] لگی ہے مگر شاید عجلت کا باعث ہوگا کہ صرف دو رنگوں پر ہی اکتفا کیا گیا۔ شبیہ مبارک کے ساتھ ایک انگریزی مدحیہ نظم بھی درج ہے۔

نواب سالار جنگ بہادر کے ساتھ ہی بعض امرائے پائیگاہ اور عہدہ داران حکومت کی تصاویر جا بجا نظر آتی ہیں جس میں قابل ذکر راجہ بہادر کشن [illegible] کوتوال بلدہ کی تصویر ہو اس مجموعہ کے آخری کالم میں مولوی رحمت اللہ صاحب (سابق نائب کوتوال بلدہ) کے نام [illegible] اگر یہیں ختم ہو جاتا تو بہتر تھا مگر ہمیں ایک وہ خبر نظر آئی جس کا ذکر بھی خالی از [illegible] نہ ہوگا ہم فدایان دولت حضرت سلطان العلوم کی ۴۸ ویں سالگرہ کی خوشیاں منا رہے تھے مگر ہمارا معاصر ۴۹ ویں سالگرہ پر ہدیہ تہنیت پیش کر رہا ہے ممکن ہے کہ طباعت کی غلطی ہو [illegible] مضامین میں (جیسے ایک فسانہ اور [illegible]) حیدرآبادی [illegible] جو گول میز کانفرنس میں [illegible] کی کارگزاریوں [illegible] اکبر حیدری کے کارناموں کو نہایت بسیط پیرایہ میں گنوایا گیا ہے۔ بہرحال ہم مسرور ہیں کہ اب مملکت آصفیہ کی قومی عید میں بیرونی اخبار نے بھی دلچسپی لینا شروع کیا ہے، [illegible] کی طرح وہ تمام ماہنامے اور اخبار بھی اس تقریب سعید پر اپنے خاص نمبر نکالا کریں جنکی سرپرستی ہماری حکومت کر رہی ہے

ہم اپنے معاصر کی اس عقیدتمندی کے شکر گزار ہیں۔

زیر نظر نمبر ہمارے دوست حکیم محمد یوسف حسن صاحب مدیر نیرنگ خیال کی [illegible] کی اس عقیدتمندی کا حامل ہے جو انہیں علامہ اقبال سے ہے اس میں کلام نہیں کہ "نیرنگ خیال" نے اردو رسائل کی دنیا میں اپنی رنگارنگی کی وجہ ایک ہلچل ڈالدی ہے وہاں کے بعض مقامی رسالوں نے کوشش کی کہ نیرنگ کی دوڑ کا ساتھ دیں مگر میدان ہمیشہ اس عربی گھوڑے کے سوار کے ہی ہاتھ رہا اور وہ بلحاظ مضامین و قیمتی تصاویر ہر بار اپنے ہمعصروں سے بازی لے گیا۔ اگر حکیم صاحب برا نہ مانیں تو ہم کہیں گے کہ آج کل تمام ہندوستان میں خاص نمبروں کی جو وبا پھیلی ہوئی ہے اس کا باعث یہی نیرنگ خیال ہے خاص نمبر کے قطع نظر نیرنگ کا ہر نمبر اپنی جدت طرازی انوکھے پن اور نفاست کی وجہ ایک خاص نمبر ہوتا ہے گویا اس طرح دوسرے رسائل کی دوڑ دوڑنے کے لیے اس میں روڑے ڈالدیے گئے ہیں۔

رسالہ زیر تنقید میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صرف وہی تصاویر اور اعلیٰ مضامین شریک ہیں جو ڈاکٹر اقبال کی سوانح اور انکی علمی و ادبی دلچسپیوں اور کارناموں سے متعلق ہیں۔ مضامین نظم و نثر کا ایسا بیش قیمت مجموعہ جس میں موجودہ دور کے کسی شاعر یا فلاسفر کی زندگی اذکار اور افکار پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہو ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لحاظ سے ہی یہ ایک قابل قدر کوشش تھی مگر اسکی وقعت اور منزلت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم اسکو اقبال کے نام سے موسوم دیکھتے ہیں۔

اقبال کو شاید ہم اس وقت سے جاننے لگے ہیں جب سے کہ یورپ والوں نے اس مشرقی شاعر کو اپنے شعراء کی اولین صف میں جگہ دی ہے جو ہماری غفلت اور جمود کا بین ثبوت ہے۔

ہم حکیم صاحب کی اس نادر کوشش کا پرخلوص خیر مقدم کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ عوام بھی نیرنگ خیال کی سرپرستی اور اس کے فاضل مدیر کی ہمت افزائی کرینگے تاکہ آئندہ انہیں اس سے زیادہ موقعے ملتے رہیں۔

تاج

اسلام میں عورت کا درجہ

معہ عورت کی زندگی کے تین دور، مسلم خواتین کا ماضی، حال اور مستقبل

یہ ہندوستان میں انشاءاللہ اپنی طرز کی بالکل پہلی تصنیف رہیگی۔ جسکی خصوصیت یہ ہو گی کہ مذکورہ تینوں عنوانات کے تحت ملک کی بہترین مضمون نگار خواتین کے خیالات یکجا کئے جائیں گے۔ اُن مضامین کے علاوہ جو ماہنامہ "سفینہ نسواں" کے میلاد نمبر میں شائع ہوئے ہیں۔ اس میں اور بہت سی محترم خواتین کے مضامین بھی شریک رہیں گے۔

اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے ساری دنیا کی عورتوں کا درجہ کس طرح بلند کر دیا اگر آپ ہندی مسلم خاتون کا ماضی حال اور ان دونوں کی روشنی میں اس کا مستقبل دیکھنے کے متمنی ہیں، اگر آپ ہندی عورت کی زندگی کے تینوں دور کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی اپنا نام درج رجسٹر کرالیجئے۔ تاکہ طبع ثانی تک آپکو انتظار نہ کرنا پڑے کتاب کی ضخامت قریباً دو سو صفحہ ہو گی اور بعض قیمتی تصاویر بھی [illegible] خوبصورت چار رنگا ٹائیٹل [illegible] بہت عمدہ کتابت و طباعت [illegible]

دیکھتے ہوئے کہ ملکی خواتین میں علمی، ادبی، ذوق ترقی پذیر ہے ... ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے زیر اہتمام ایک ایسی ایجنسی قایم کرے۔ جو آپ کو گھر بیٹھے ہندوستان اور بیرون ہند کی ساری قدیم و جدید مطبوعات نیز رسائل وغیرہ مہیا کرتی رہے۔ خصوصاً ہندوستان کے تمام کتاب گھروں کی مطبوعات (اردو انگریزی)، اور رسائل کے خاص نمبر وغیرہ آپ "سفینہ بک ایجنسی" سے طلب فرما سکتے ہیں۔ اس سے آپ نہ صرف غیر معمولی اخراجات سے ہی بچ جائیں گے۔ بلکہ ایجنسی کا آدمی مطلوبہ کتاب اسکے اصلی داموں پر آپ کو اپنے گھر تک پہنچا دیا کرے گا۔ فرمائشات کی تعمیل بصد تعجیل عمل میں آئے گی۔ آئندہ نمبر میں ان کتابوں کی مکمل فہرست دیجائے گی۔ جو اب تک ایجنسی میں پہنچ چکی ہیں منصفین و مولفین کے لئے ایک نادر موقع ہے۔

تفصیلی حالات کے لئے مینیجر سفینہ بک ایجنسی کو مخاطب فرمائیے

سفینہ بک ایجنسی
چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

مطبوعہ دکن پریس کالی کمان گلزار حوض